تفسیر
فضل القرآن

سورۃ الفاتحہ۔ سورۃ البقرۃ

الجزء - ۱

ترجمہ، تشریح وحل لغات

مولانا فضل الرحمٰن بن محمد

ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ ایم۔ اے اسلامیات
صدر دار الدعوۃ السلفیۃ لاہور
خطیب مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

ناشر:
دار الدعوۃ السلفیہ: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000 فون نمبر: 7354406

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تفسیر
فضل القرآن

سورۃ الفاتحہ۔ سورۃ البقرۃ

www.kitabosunnat.com

ترجمہ، تشریح و لغات

مولانا فضل الرحمن بن محمد

ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ ایم۔اے اسلامیات
صدر دار الدعوۃ السلفیۃ لاہور
خطیب مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

ناشر:

دار الدعوۃ السلفیہ: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000 فون نمبر: 7354406

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

تفسیر فضل القرآن

ترجمہ، تشریح وحل لغات

مولانا فضل الرحمن بن محمد ﷾
صدر دار الدعوۃ السلفیہ، لاہور
خطیب۔ مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

www.kitabosunnat.com

اشاعت اول	
اشاعت دوم	
تعداد	۱۰۰۰
طابع	زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
قیمت	۲۵۰ روپے
ناشر	انیب الرحمن
کمپوزنگ	ہفت روزہ الاعتصام۔ ۳۱ شیش محل روڈ۔ لاہور

فون نمبر: ۷۳۵۴۴۰۶

المکتبۃ الرحمانیۃ
نمبر ....13973....

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

مقدمہ	13
پیش لفظ	18
سورہ فاتحہ	۱
شیطان کا راندہ درگاہ ہونا	۱
تلاوت قرآن مجید سے پہلے تعوذ	۲
تسمیہ اور اس کے فضائل	۳
حل لغات تعوذ وتسمیہ	۳
سورہ فاتحہ سے دم جھاڑ	۴
سورہ فاتحہ کی اہمیت	۴
حل اللغات (تشریح)	
حمد کی تشریح	۵
یوم الدین	۷
عبادت واستعانت	۸
حل لغات	۹
امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا	۱۰
صراط مستقیم	۱۱
آمین بالجہر	۱۲
سورۃ البقرۃ وجہ تسمیہ	۱۳
متقین کی چند بنیادی صفات	۱۴
حل لغات	۱۵
ابدی کفار	۱۶
حل لغات	۱۸
منافق دھوکے باز ہوتا ہے	۱۹
حل لغات	۲۱
منافق کا بے وقوف ہونا	۲۲
منافقوں کا انجام	۲۳
حل لغات	۲۴
منافقوں کی دو مثالیں	۲۵
منافق کی تین علامات	۲۶
حل لغات	۲۷
عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو	۲۸
غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے	۲۸
اللہ تعالیٰ کے انعامات	۲۹
حل لغات	۳۰
قرآن مجید عظیم معجزہ ہے	۳۱
مسیلمہ کذاب کا فضول کلام	۳۲
حل لغات	۳۳
قرآن مجید پر ایمان کا نتیجہ جنت ہے	۳۵
جنت کی صفات	۳۵
نکتے کی بات	۳۵
قرآن مجید پر ایمان لانے اور نہ لانے والے	۳۶
حل لغات	۳۷
اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر باعث خجالت ہے	۳۷
حل لغات	۳۹
خلیفہ صرف مرد ہو سکتا ہے نہ کہ عورت	۴۰
علم کی فضیلت	۴۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخلوق میں سے کسی کا دعویٰ غیب دانی قرآن مجید کے خلاف ہے	۴۲
اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سجدہ	۴۴
ابلیس کا تکبر	۴۴
حل لغات	۴۵،۴۴
آدم وحوا علیہا السلام جنت میں	۴۶
حل لغات	۴۷،۴۶
انکار وحی مہلک ہے	۴۸
بنی اسرائیل پر انعامات اور ان کا خاتم النبیین (پیغمبر) کے ساتھ سلوک	۴۸
حل لغات	۴۹
نماز باجماعت کا حکم اور اس کے فوائد	۵۰
فرضیت زکوٰۃ اور اتحاد ملت	۵۱
حل لغات	۵۲،۵۱
نماز اور صبر کا اجر عظیم	۵۳،۵۲
حل لغات	۵۴،۵۳
بنی اسرائیل کی اپنے اہل زمانہ پر فضیلت	۵۵
سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی امت کی فضیلت	۵۶
حل لغات	۵۷،۵۶
بنی اسرائیل کی گمراہی کا مختصر ذکر	۵۸
حل لغات	۵۹
موسیٰ اور اسرائیلی سردار	۶۰
بنی اسرائیل پر انعامات	۶۰
حل لغات	۶۱
بنی اسرائیل کی خباثت	۶۳
حل لغات	۶۱
بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمتوں کی ناقدری	۶۵
حل لغات	۶۷
مومنوں کے لیے اجر وثواب	۶۸
بنی اسرائیل کا شریعت موسوی کا انکار	۶۹
حل لغات	۷۰
بنی اسرائیل میں قتل کا واقعہ	۷۲
گائے کا واقعہ	۷۳
حل لغات	۷۳
بنی اسرائیل کی سنگ دلی	۷۴
غیب دانی کا دعویٰ جھوٹ ہے۔	۷۵
دل کی نرمی اور سختی	۷۶،۷۵
حل لغات	۷۶
علمائے یہود کی تحریف	۷۸،۷۷
حل لغات	۷۹
ان پڑھ اور لکھے پڑھے علماء کی مذمت	۸۰
بنی اسرئیل کا عیسیٰ کے معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لانا اور ان کے باطل عقائد	۸۱
حل لغات	۸۲
بنی اسرئیل کی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں سرکشی	۸۳
اللہ تعالیٰ پر ایمان کے دعوے کے باوجود مشرک شرک کرتا ہے	۸۴
حقوق العباد	۸۴
والدین کے حقوق کی اہمیت	۸۵
حل لغات	۸۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہودیوں کی عہد شکنی	۸۷
اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ	۸۸
لغات	۸۹
یہودیوں کا عناد اور خواہش پرستی	۹۰
اپنی زندگی اور رزق پورا کر کے انسان مرتا ہے	۹۰
یہودیوں کا پیغمبر آخر الزمان کی نبوت کی خواہش اور ان کے آنے پر ان کا انکار	۹۰
حل لغات	۹۱
یہود قوم کی ہٹ دھرمی اور اسلام دشمنی	۹۳
انسان کو حق قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار	۹۳
یہود کا دنیاوی مفادات کی خاطر حق کو چھپانا	۹۴
حل لغات	۹۵
یہودیوں کی اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی	۹۶
یہودیوں کا اپنے آپ کو معزز سمجھنا اور ان کے لیے گدھے کی مثال	۹۷
حل لغات	۹۸
یہودیوں کی خباثت کا ایک اور پہلو	۱۰۰
مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ یہودیوں کی راہ نہ اختیار کریں۔	۱۰۱
حل لغات	۱۰۲
یہود کا سلیمان علیہ السلام پر افتراء	۱۰۳
ہاروت، ماروت کون تھے؟	۱۰۴
جادو کفر ہے	۱۰۴
شیطان کے کارکنوں کی رپورٹیں	۱۰۵
حل لغات	۱۰۵
کفار اور اہل کتاب کے ساتھ مشابہت کی ممانعت	۱۰۶
یہود کی لفظی مشابہت کی ممانعت	۱۰۷
ناسخ ومنسوخ	۱۰۹
حل لغات	۱۱۰
سوالات کرنے کی ممانعت بے ضرورت اور بے کار	۱۱۱
جہاد وقتال	۱۱۳
اتحاد ملت کا بہترین طریقہ	۱۱۳
حل لغات	۱۱۴
یہود ونصاریٰ اور کفار کا باہمی اختلاف	۱۱۵
اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ	۱۱۶
کفار واہل کتاب کا انجام جہنم ہے	۱۱۷
حل لغات	۱۱۸
مساجد کو ویران کرنے کی مذمت	۱۱۹
اللہ تعالیٰ اولاد اور خاندان سے پاک ہے	۱۲۱
حل لغات	۱۲۲،۱۲۱
بے علم لوگوں کا انبیاء علیہم السلام کو تنگ کرنا اور بار بار معجزے طلب کرنا	۱۲۴۔
یہود ونصاریٰ کی رضا مندی کفر میں ہے	۱۲۵
حل لغات	۱۲۶
قیامت کا منظر	۱۲۷
ابراہیم علیہ السلام کی تعریف اور ان کی دعائیں	۱۲۸
ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کی قبولیت	۱۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۱۲۹
حل لغات	۱۳۰
بیت اللہ الحرام کی تعمیر	۱۳۲
ابراہیم علیہ السلام کی دعا پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی صورت میں	۱۳۴
حل لغات	۱۳۴
حضرت ابراہیم حضرت یعقوب علیہما السلام کی اپنی اولاد کو وصیت	۱۳۶
ابراہیم علیہ السلام کا باپ کو وعظ کرنا	۱۳۷
مشکل گھڑی میں اللہ سے وابستگی	۱۳۸
حل لغات	۱۳۸
یہود ونصاریٰ کا زعم باطل	۱۴۰
ہدایت یافتہ ہونے کا قانون	۱۴۱
حل لغات	۱۴۲
امت محمدیہ کے علماء کا یہود ونصاریٰ سے گفتگو کا بہترین طریقہ	۱۴۴
یہود ونصاریٰ کا زعم باطل	۱۴۵
حل لغات	۱۴۵،۱۴۶
قبلے کی تبدیلی	۱۴۷
لطیف نکتہ	۱۴۸
امت محمدیہ بہترین امت	۱۴۸
حل لغات	۱۴۹
یہود ونصاریٰ کا کفر وعناد	۱۵۱
یہود ونصاریٰ کی اتباع کا نقصان	۱۵۲
حل لغات	۱۵۳
کفار کی خام خیالی	۱۵۵
ذکر الٰہی کا جواب	۱۵۶
حل لغات	۱۵۷
مشکل حالات میں نیکی کا اجر وثواب	۱۵۹
شہداء کی زندگی برزخی ہے	۱۶۰
مصیبت میں صبر کی فضیلت	۱۶۱
حل لغات	۱۶۱
صفا ومروہ کی اہمیت	۱۶۳
کتمان علم کی سزا	۱۶۴
حل لغات	۱۶۵
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معرفت کی نشانیاں	۱۶۶
﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾ کا شان نزول	۱۶۸
حل لغات	۱۶۹
مومن کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا انجام	۱۷۰
معبودان باطل سے محبت کا انجام	۱۷۰
حل لغات	۱۷۲
حلال وطیب کھانے اور اتباع شیطان نہ کرنے کا حکم	۱۷۴
باپ دادا کی پیروی	۱۷۵
حل لغات	۱۷۶
حلال وپاک رزق کی اہمیت	۱۷۷
حرام اشیاء	۱۷۹
اضطراری حالت میں حرام اشیاء کا کھانا	۱۷۹
حل لغات	۱۸۰
علماء سوء کا انجام	۱۸۲
علماء کے سامنے دنیاوی مفادات	۱۸۳
حل لغات	۸۳،

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ نیکی کا جامع تصور	۱۸۵
❁ مسکین کون؟	۱۸۶
❁ حل لغات	۱۸۷
❁ قصاص	۱۸۹
❁ تفتیش کا طریقہ	۱۹۰
❁ حل لغات	۱۹۱
❁ وصیت کی فرضیت کی منسوخی	۱۹۳
❁ خلاف شریعت وصیت	۱۹۵
❁ قرض کی ادائیگی پہلے، وصیت بعد میں	۱۹۶
❁ حل لغات	۱۹۶
❁ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت	۱۹۸
❁ رمضان ایام بیض وعاشورہ محرم	۱۹۹
❁ قرآن حکیم	۲۰۰
❁ حل لغات	۲۰۱
❁ اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور دعاء کرنا	۲۰۲
❁ گنہگار کی دعاء	۲۰۳
❁ دعائیں امید ویقین	۲۰۴
❁ حل لغات	۲۰۶
❁ گناہ خیانت ہے	۲۰۷
❁ زوجین کا باہمی تعلق	۲۰۸
❁ حل لغات	۲۰۹
❁ باطل طریقے سے مال لینا	۲۱۰
❁ چاند کا گھٹنا بڑھنا	۲۱۲
❁ جاہلانہ رواج نیکی نہیں ہوسکتا	۲۱۳
❁ حل لغات	۲۱۴
❁ ظالم کافروں کے خلاف قتال	۲۱۶
❁ اسلامی جہاد وقتال کی روح	۲۱۷
❁ حل لغات	۲۱۸
❁ شہر حرام	۲۱۹
❁ ظلم کی سزا	۲۲۰
❁ ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب	۲۲۱
❁ حل لغات	۲۲۲
❁ حج اور عمرہ	۲۲۸
❁ حل لغات	۲۲۶
❁ ایام حج میں تجارت	۲۲۸
❁ حج میں کفار کی مخالفت	۲۲۹
❁ حج کے اختتام پر کثرت ذکر	۲۳۰
❁ حل لغات	۲۳۰
❁ منیٰ میں دو دن قیام کی شمولیت	۲۳۱
❁ ایام تشریق میں قربانی اور کثرت ذکر	۲۳۲
❁ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور دین کو ترجیح دینا	۲۳۳
❁ حل لغات	۲۳۵
❁ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ	۲۳۷
❁ آخرت کا پچھتاوا اور ناشکری	۲۳۹
❁ حل لغات	۲۳۹،۲۴۰
❁ مومن اور کافر کا انجام	۲۴۲
❁ مومنوں کی آزمائش	۲۴۳
❁ حل لغات	۲۴۴
❁ انفاق فی سبیل اللہ	۲۴۷
❁ شہر حرام میں قتال سے بڑا گناہ	۲۴۷
❁ مرتد کی سزا	۲۴۸
❁ حل لغات	۲۴۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ شراب اور جوا	۲۵۲
❁ عفو سے مراد (تطبیق)	۲۵۲
❁ یتیم کے حقوق کی حفاظت	۲۵۳
❁ مشرک سے نکاح	۲۵۳
❁ حل لغات	۲۵۴
❁ حیض	۲۵۷
❁ اغلام کی حرمت	۲۵۷
❁ مردوں سے بدکاری کی سزا	۲۵۸
❁ قسم	۲۵۸
❁ حل لغات	۲۵۹
❁ مطلقہ کی عدت	۲۶۲
❁ طلاق کا شرعی طریقہ	۲۶۳
❁ مجلس واحد میں تین طلاقیں	۲۶۳
❁ لطیف نکتہ	۲۶۴
❁ حل لغات	۲۶۵
❁ عورت کا پہلے خاوند کے لیے حلال ہونا	۲۶۸
❁ حلالہ (وقتی نکاح) زنا ہے	
❁ رجعی طلاق کی عدت کے بعد خاوند سے نکاح جدید	۲۶۹
❁ حل لغات	۲۷۰
❁ رضاعت اور اس کے احکام	۲۷۲
❁ جاہلیت میں عورت کی برے حال میں عدت	۲۷۴
❁ خاوند کی موت پر عدت	۲۵۷
❁ حل لغات	۲۷۶
❁ مرد کا عدت میں اشارے کنائے سے نکاح کی خواہش	۲۷۷
❁ عورتوں کے حقوق کی حفاظت اسلام نے کی	۲۷۸
❁ عورت کو نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے طلاق	۲۷۹
❁ حل لغات	
❁ نمازوں کی حفاظت	۲۸۱
❁ حالت خوف میں نماز کا طریقہ	۲۸۲
❁ صلوٰۃ وسطیٰ	۲۸۳
❁ لطیف نکتہ	۲۸۴
❁ حل لغات	۲۸۴
❁ موت سے فرار نہیں	۲۸۶
❁ قرض حسن	۲۸۸
❁ انفاق فی سبیل اللہ قرضِ حسن ہے	۲۸۸
❁ حل لغات	۲۸۹
❁ بنی اسرائیل کا قتال کے لیے تیار ہونا	۲۹۱
❁ بادشاہ کی تقرری میں نبی کی مخالفت	
❁ طالوت کی بادشاہت اور اس کی دلیل	۲۹۷
❁ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سکینت سے نوازتا ہے	۲۹۲
❁ حل لغات	۲۹۳
❁ طالوت کے لشکر کی آزمائش	۲۹۵
❁ دشمن کے مقابلے کے موقعہ پر مومنوں کا کردار	۲۹۶
❁ داؤد علیہ السلام بمقابلہ جالوت	۲۹۶
❁ حل لغات	۲۹۷
❁ رسولوں کی خدمات	۳۰۰
❁ محمد رسول اللہ ﷺ سید الانبیاء والرسل ہیں	۳۰۲
❁ سب انبیاء محترم ہیں	۳۰۳
❁ حل لغات	
❁ آیۃ الکرسی	۳۰۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- آیت الکرسی کی فضیلت وعظمت ۳۰۶
- علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے ۳۰۷
- حل لغات ۳۰۸
- ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مباحثہ ۳۱۱
- وسوسے پر پکڑ نہیں ۳۱۲
- حضرت عزیز کا واقعہ ۳۱۳
- حل لغات
- مومن کے انفاق کی مثال ۳۱۶
- بخیلوں اور کنجوسوں کا انجام ۳۱۷
- ریاء کاری ۳۱۸
- حل لغات
- مال کے ذریعے آزمائش ۳۲۱
- حلال وپاک رزق ۳۲۲
- حل لغات ۳۲۳
- شیطان کا بہکاوا اور دشمنی ۳۲۵
- حکمت کے کام ۳۲۷
- صدقہ کی فضیلت اور حل لغات ۳۲۸
- اچھی سوچ ۳۳۰
- خلوص نیت قبول ہے چاہے وہ غیر مستحق کو ہی مل جائے ۳۳۱
- اسلامی مملکت میں غیر مسلم ۳۳۲
- پیشہ ور گداگر ۳۳۳
- حل لغات
- سود خور ۳۳۵
- بنک اور سودی کاروبار ۳۳۶
- مقروض سے قرض خواہ کوئی فائدہ نہ اٹھائے ۳۳۸
- حل لغات
- مسلم کو سودی کاروبار حرام ہے ۳۳۹
- سودی کاروبار کرنے والے کو سزا ۳۴۰
- سودی کاروبار کرنے والی کی بودی دلیل ۳۴۱
- بینک اور زمانہ جاہلیت ۳۴۲
- تنگ دست کو مہلت دینا ۳۴۳
- حل لغات
- مبہم اور دھوکے والی بیع ناجائز ہے ۳۴۴
- لین دین تحریری ہو ۳۴۶
- ادھار لینے والا یا اس کا ولی تحریر لکھوائے ۳۴۷
- عدم تحریر کی صورت میں رہن ۳۴۸
- حل لغات ۳۴۸
- ﴿إِنْ تُبْدُوْا﴾ کا شان نزول ۳۵۱
- نبی ﷺ اور صحابہ کرام کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ یکجہتی ۳۵۲
- صحابہ کرام کا وسوسے پر محاسبہ کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ۳۵۳
- صحابہ کرامؓ کی دعاء ۳۵۴
- حل لغات

((..............☆☆☆....................))

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.kitabosunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہِ حق دکھانے کے لیے سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان پر وہ کتاب نازل فرمائی کہ جس کی حفاظت کا ذمہ اس نے خود ہی لے لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں سے قرآن حکیم ہی ایسی کتاب ہے کہ جو اپنے زمانہ نزول سے لے کر آج تک ہر قسم کے تغیر و تحریف سے محفوظ رہی ہے اور ہدایت کی طلب رکھنے والوں کو ہر دور میں بہترین راہنمائی مہیا کرتی رہی ہے۔ کیونکہ جب اس کے نزول کا آغاز ہوا تو اس وقت شرک اپنے پورے عروج کے ساتھ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ توحید کی بات کوئی سننے کو تیار نہ تھا اخلاقی اقدار کو سنوارنے کا کسی کو خیال نہ تھا۔ لہٰذا مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں اور آیات کا تعلق انہی تین مسائل سے تھا۔ نبوت کے تیرہ سال انتہائی آزمائش میں گزارنے کے بعد نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور وہاں اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو نئے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ جن میں سے صدیوں سے آباد مدینہ میں یہود کے مضبوط قبائل اور ان کے حلیفوں کی شرانگیزی کا مسئلہ سرفہرست تھا۔ منافقوں کی منافقت اپنی جگہ ایک زبردست فتنہ تھا۔ مکہ کے مشرکوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ جنگ بدر میں ناکامی کے بعد جنگ احد میں بدلہ لینے کے باوجود ان کی اسلام دشمنی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ لہٰذا دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر پھر چڑھائی کردی۔ غزوہ خندق کے موقع پر مسلمانوں کی جو حالت تھی۔ اس کا ذکر سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے خود یوں فرمایا:

﴿ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (۱۰) ﴾

''اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے ساتھ مختلف گمان کرنے لگے۔''

﴿ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (۱۱) ﴾

''اس وقت وہاں مومنوں کو آزمایا اور زبردست طور پر ہلایا گیا۔''

یعنی اس جنگ کے آغاز میں اہل ایمان پر انسان ہونے کے ناطے وقتی طور پر گھبراہٹ اور پریشانی کا غلبہ ہوا۔ لیکن قرآنی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہوئے کفار کے خلاف ڈٹ گئے۔ وسائل کی قلت۔ یہود کی عداوت و مخالفت اور منافقوں کی منافقت کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کردیا۔ سورۃ الاحزاب ہی کی گواہی ہے۔

﴿ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (۲۲) ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور جب مومنوں نے دشمن کے لشکروں کو دیکھا تو انھوں نے کہا۔ یہ وہ ہے کہ جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وعدہ فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا اور ایمان وتسلیم میں وہ اور آگے بڑھ گئے۔''

ان کے ایمان وتسلیم نے رنگ دکھایا۔ غزوہ خندق میں کفار کو نہ صرف نا کام لوٹنا پڑا۔ بلکہ آٹھ ہجری میں مکہ بھی فتح ہوگیا اور رسول ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے سارے عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ نورِتوحید کی روشنی سے گمراہی کے اندھیرے ہدایت کے اجالوں میں تبدیل ہو گئے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تقاضے پورے ہونے لگ گئے۔ شرک اور بت پرستی کی بیخ کنی ہوگئی۔ نماز، زکوۃ، روزہ، حج، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض کی ادائیگی پابندی سے ہونے لگی۔ ہر عمل اور عبادت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اہل ایمان کی زندگیوں کا مقصود ومطلوب بن گئی۔ والدین کی خدمت، عزیز و اقارب سے صلہ رحمی، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت۔ اللہ کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور یتیموں کا خیال رکھنا۔ اہل ایمان کے ایمان کا حصہ بن گیا۔

اسلام سے پہلے عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ پیدا ہوتے ہی دفن کردی جاتی اور اگر کوئی بچ جاتی تو مردوں کے رحم وکرم پر زندگی گزار دیتی۔ اسلام نے ذلت و رسوائی کی دلدل میں سسکنے والی عورت کو عزت وتوقیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ ماں کے پاس اولاد کے لیے جنت رکھ دی۔ بیٹی بہن کی پرورش کرنے اور اس کی معروف طریقے پر شادی کرنے والے کو جنت کی بشارت دے دی۔ اسلام سے پہلے وراثت میں سے عورت کو حصہ دینے کا کوئی تصور نہ تھا۔ اسلام نے جاہلیت کے دستور کو ختم کرکے عورت کو وراثت میں حصہ دار بنایا۔ خاوندوں کو بیویوں سے بہترین سلوک کرنے کے ساتھ ہر خاوند کو اس کی مالی حیثیت کے مطابق مہر ادا کرنے کا حکم دیا۔ نبھا نہ ہونے کی صورت میں طلاق وخلع سے آسانی پیدا کردی۔ بیوہ اور مطلقہ کی عدت کے زمانہ کا تعین کیا۔ نکاح کو ولی کی اجازت اور لڑکی کی مرضی سے مشروط کردیا۔

اللہ نے عورتوں کو حقوق دیتے ہوئے ان پر چند فرائض بھی عائد کیے کہ انھوں نے زمانہ جاہلیت والے کاموں سے مکمل اجتناب کرنا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں امہات المومنین سے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ...... ﴾

''اور اپنے گھروں میں رہا کرو اور پہلی جاہلیت والا بناؤسنگھار نہیں کرنا اور نماز قائم کرنی ہے اور زکوۃ ادا کرنی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی ہے۔''

سورۃ الاحزاب ہی میں مومنوں کو حکم ملتا ہے:

﴿ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ...... ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔''

نبی کریم ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے، سورۃ الاحزاب ہی کے الفاظ ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾

''اے نبی! آپ اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادریں نیچے کرلیں یعنی جب کبھی باہر آنا جانا پڑے تو چہروں کو ڈھانپ لیا کریں۔''

آج کل مسلمان عورتوں کو لبرل ازم یا آزادی نسواں کے نام پر جس راہ پر گامزن کیا جا رہا ہے وہ یقیناً قرآنی نہیں بلکہ شیطانی ہے۔ رحمانی اور روحانی فیوض سے مالا مال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امہات المومنین اور صحابیات رضی اللہ عنہن کی راہ کو اپنایا جائے۔

اسلام سے پہلے مالی اور کاروباری معاملات میں حلال اور حرام میں کوئی تمیز نہ تھی۔ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانا۔ لوٹنا مارنا۔ عزت کو برباد کرنا اور باطل طریقے استعمال کرنا معیوب نہ تھے۔ قرآنی ہدایت کے مطابق عمل کرنے سے جاہلیت کی ہر برائی نہ صرف ختم ہوگئی بلکہ اہل ایمان آپس میں ایثار و قربانی کا مجسمہ بن گئے۔ ہر مومن اپنی ضرورت پر اپنے بھائی کی ضرورت کو ترجیح دیتا تھا۔

سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ کی مومنوں کے بارے میں اپنی گواہی ہے۔

﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾

''کفار پر سختی کرنے والے اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں۔''

انصار اور مہاجروں میں دینی بھائی چارہ بھی اسلام کی برکات میں سے ایک بے مثال برکت تھی۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ ٦٢٢ عیسوی میں سید الانبیاء ﷺ کی مدینہ میں آمد پر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی جو دس سال میں مستحکم ہوگئی۔ کیونکہ اس کے بانی نے صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم کی ایسی جماعت تیار کردی کہ جن کے دلوں میں اللہ کے خوف کے علاوہ کسی کا خوف نہ تھا۔ جو دنیا کی بجائے آخرت کو سنوارنے میں کوشاں ہوگئے۔ اللہ کی طرف سے ملنے والا مال اسی کی راہ میں خرچ کرکے خوش ہوا کرتے۔ تمام سہولتیں اگر میسر آبھی جاتیں تب بھی سادگی کو اپناتے۔ اللہ کی طرف سے عائد ہونے والے فرائض کی ادائیگی میں کمزوری نہ آنے دیتے۔ گفتار میں نرمی اور کردار کی بلندی کا خیال رکھتے۔ قول اور فعل میں تضاد واقع نہ ہونے دیتے۔ اللہ کے دین کی سربلندی کی خاطر مالی جانی قربانی دینے کو عین کامیابی اور سعادت خیال کرتے۔ جس کی وجہ سے ان کے مقابلے میں بڑے بڑے طاقتور دشمن ٹھہر نہ سکے۔ چند ہی سالوں میں اسلامی ریاست دنیا کی مضبوط ترین مملکت بن گئی قرآنی ہدایت کے مطابق ہر قسم کی قوت تیار کرنے میں کسی تساہل و غفلت کا مظاہرہ نہ کیا۔

اسلامی ریاست کے استحکام کی وجہ اس میں کیا جانے والا عدل و انصاف تھا۔ جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق عمل ہوتا تھا اور اس میں تغیر و تبدل کا کوئی مجاز نہ تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری کی کتاب الحدود (ص:۱۰۰۳) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے چوری کرنے والی عورت کی سفارش کی تو آپ نے فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ کمزوروں، غریبوں پر حد قائم کر دیتے اور امیروں، بڑے لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ جس بنا پر وہ ہلاک ہوئے۔ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر یہ کام فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہوتا تو میں اس کا ضرور ہاتھ کاٹ دیتا۔

اس ایک روایت ہی سے اسلامی قانون عدل و انصاف کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور ایک بڑا ہی اہم نکتہ یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ جو لوگ حقیقی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔

البدایۃ والنھایۃ (ج:۷،ص:۱۵) کی روایت ہے۔ ہرقل روم نے مسلمانوں کے خلاف اپنی شکست خوردہ لشکر سے پوچھا۔ جن سے تم لڑائی کرتے ہو کیا تمہاری طرح انسان نہیں۔ انھوں نے کہا: ہاں۔ ہرقل نے کہا۔ تعداد میں تم زیادہ ہوتے ہو یا وہ؟۔ انھوں نے کہا ہم۔ اس نے کہا پھر تمہیں شکست کیوں ہوتی ہے۔ اس کے بزرگوں میں سے ایک نے کہا۔ وہ رات کو قیام کرتے ہیں اور دن روزے سے گزارتے ہیں۔ عہد پورا کرتے ہیں۔ اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور اپنے درمیان انصاف کرتے ہیں۔ جب کہ ہم شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں۔ حرام کام کرتے اور عہد توڑتے ہیں۔ غصے میں آتے اور ظلم کرتے ہیں۔ برائی کا حکم دیتے اور ان کاموں سے روکتے ہیں کہ جن پر اللہ راضی ہو جائے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ برائیاں ناکامی کا سبب بنتی ہیں۔

اسلامی ریاست کی مضبوطی کا سبب غیر مسلموں سے ہمدردانہ سلوک بھی تھا۔ جب فتوحات کا سلسلہ ایران اور شام سے بھی آگے بڑھ گیا۔ تو مفتوحہ علاقوں کے لوگوں پر زبردستی نہ کی گئی۔ جنھوں نے اپنے دین پر قائم رہنے کو ترجیح دی۔ ان سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لینے پر ان کو ذمی کہا جاتا تھا اور ان کی حفاظت کے بدلے ان سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ جزیہ وصول کرتے ہوئے ان کی مالی حالت کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا یہ کوئی ظالمانہ ٹیکس نہیں تھا۔ کیونکہ اسلامی ریاست میں بسنے والوں کی فلاح و بہبود کے لیے مسلمانوں سے بھی زکوۃ اور عشر کی وصولی ہوتی تھی۔ صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا معاملہ اس کے علاوہ تھا۔

اسلام کو یہ بھی شرف ہے کہ اس میں غلامی کو ختم کرنے کی ابتداء کی گئی۔ صحیح بخاری کی کتاب العتق (ص:۳۴۶) میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کے پاس لونڈی ہو۔ وہ اس پر مال خرچ کرے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کی تعلیم و تربیت کرنے کے بعد اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دوہرا ثواب ہوگا۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: ''تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنایا ہے۔ پس جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو۔ وہ اس کو وہ کھلائے جو خود کھائے اور اس کو وہ پہنائے جو خود پہنے۔ ان کو ان کاموں میں نہ لگاؤ کہ جو وہ نہ کر سکتے ہوں اور اگر ایسا کرنا پڑے۔ تو پھر ان کی مدد کیا کرو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس دین میں غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ ایسے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہو۔ اس کے ماننے والوں کا دہشت وفساد سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ہی الفاظ ہیں کہ میں نے اپنے غلام کو گالی دی اور اس نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا: تو نے اس کو اس کی ماں کی عار دلائی۔ یعنی اس کو برا بھلا کہا۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد میں نے اپنے غلام کے ساتھ ہمیشہ ویسا ہی سلوک کیا کہ جیسا آپ نے حکم دیا۔

المعرور بن سوید کا بیان ہے کہ میں نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام پر ایک جیسا حلّہ دیکھا۔ یعنی جو لباس مالک نے پہن رکھا تھا۔ ویسا ہی لباس ان کے غلام کے جسم پر تھا۔ یہی وہ تعلیم وتربیت تھی کہ جس کی بنا پر اسلام دنیا کا مقبول ترین دین بن گیا۔ جس نے بکھرے اور بگڑے ہوئے معاشرے کو دنیا کا مثالی معاشرہ بنا دیا۔

مائیکل ہارٹ نے انسانی تاریخ کی ایک سو مؤثر ترین ہستیوں کے بارے میں لکھتے ہوئے سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ عیسائی ہونے کے باوجود اس نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ تاریخ میں صرف وہی ایک ایسے تھے جو کہ دینی اور دنیوی دونوں سطحوں پر انتہائی کامیاب ہوئے۔

ایک غیر مسلم محقق کی سچائی اور گواہی کی حقیقت کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن حکیم کو عربی زبان کے قواعد کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ماشاء اللہ آج کل کئی ادارے قرآن فہمی کو عام کرنے میں مصروف ہیں۔ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی تفسیر وتشریح بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جس کا نام ''فضل القرآن'' رکھا گیا ہے اس میں پہلے قرآنی آیات اور ان کا ترجمہ اس کے بعد تشریح اور حل اللغۃ کے عنوان سے صرف ونحو یعنی عربی گرائمر کی رو سے آیات میں استعمال ہونے والے افعال کے فاعل ومفعول۔ معروف ومجہول۔ مرکبات۔ اسماء وصفات۔ جار ومجرور اور مشکل الفاظ وغیرہ کی وضاحت کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔

حافظ احمد شاکر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے باقاعدہ تفسیر لکھنے کی رغبت دلائی اور حافظ عبد الوحید کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کو کمپیوٹرائزڈ کرانے اور چھپوائی کے مرحلہ تک پہنچانے میں بھرپور مدد کی۔ محترم مولانا ابو بکر الصدیق صاحب نے کمپیوٹرائزڈ مسودہ پڑھ کر ٹائپ شدہ غلطیوں کی نشان دہی کی جن کی اصلاح کر لی گئی۔ تفسیری مضامین کی فہرست بھی حضرت نے مرتب کر دی۔ اس کے باوجود اگر کوئی غلطی پڑھنے والے کی نظر سے گزرے تو وہ ہمیں ضرور مطلع کرے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ ان سب کو اللہ جزائے خیر سے نوازے جنھوں نے الاعتصام میں چھپنے والی تفسیر کو کتابی صورت میں لانے میں معاونت کی۔ آمین

فضل الرحمن بن محمد

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

مولانا فضل الرحمٰن کا شمار جماعت اہل حدیث کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے وہ ۱۱/ جون ۱۹۳۵ کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ میٹرک لاہور کے سنٹرل ماڈل ہائی سکول سے کیا۔ ایف۔اے اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) لاہور سے اور بی اے پرائیویٹ طور پر کیا۔ ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کے امتحانات بھی پنجاب یونیورسٹی پرائیویٹ طور پر پاس کیے۔ ایم اے عربی میں یونیورسٹی میں اوّل آئے اور گولڈ میڈل اور سلور میڈل کے حق دار قرار پائے۔

طالب علمی کے زمانے میں کرکٹ کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ چنانچہ سکول، کالج، یونیورسٹی پنجاب اور پاکستان کی طرف سے کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا اور کھلاڑی کی حیثیت میں ہی انگلینڈ۔ ویسٹ انڈیز۔ سری لنکا۔ سنگاپور۔ ملیشیا میں کھیلنے کا موقع ملا۔

امرتسر کے کاروباری خاندان سے تعلق تھا۔ اب بھی برانڈرتھ روڈ لاہور میں کاروبار کرتے ہیں۔ کاروبار کے ساتھ ساتھ دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ اس تعلیم کا آغاز مسجد قدس چوک دال گراں سے کیا اور مولانا عبد الرشید کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ چار سال ان سے حصول علم کرتے رہے۔ پھر حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ (متوفی ۳/ اکتوبر ۱۹۸۷) کی شاگردی اختیار کی۔ ان سے سنن ابی داؤد کا کچھ حصہ اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لیا اور بعض دیگر کتابیں پڑھیں۔ کافی عرصہ ان سے مصروف استفادہ رہے۔

اس زمانے میں مسجد مبارک کی انتظامیہ کمیٹی کے سیکرٹری پروفیسر عبد القیوم مرحوم (متوفی ۸/ ستمبر ۱۹۸۹ء) تھے اور مسجد کے منصب خطابت پر مولانا عطاء اللہ حنیف فائز تھے۔ مولانا ممدوح اور پروفیسر صاحب نے باہم مشورہ کر کے ۱۹۷۳ء میں خطابت کی ذمے داری مولانا فضل الرحمٰن کو سونپ دی۔ تیس سال سے وہ حسن وخوبی کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے دور خطابت میں مسجد کی جدید تعمیر ہوئی اور اسے وسیع کیا گیا۔ خطبہ جمعہ کے سامعین میں بھی بہت اضافہ ہوا۔ مسجد کی رونق اللہ کے فضل سے بہت بڑھ گئی۔

عیدین کی نماز مولانا فضل الرحمٰن مسجد مبارک کے متصل اسلامیہ کالج (ریلوے کالج) کی گراؤنڈ میں پڑھاتے ہیں، جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ خطبہ جمعہ کا اور عیدین کی خطابت کا سلسلہ ماشاء اللہ کامیابی سے جاری ہے۔

۱۹۸۶ء میں مولانا مصر گئے، وہاں جامعہ ازہر (قاہرہ) سے شریعہ کورس کی سند حاصل کی۔

اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود ملک اور بیرون ملک میں انھوں نے بہت سے تبلیغی دورے کیے۔ مختصر الفاظ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے بیرون ملک کے تبلیغی دوروں کا سلسلہ اس طرح ہے۔

❶ دو مرتبہ امریکہ گئے۔ایک دورے میں وہاں کی مشہور ڈیوک یونیورسٹی میں چند لیکچر دیے اور اسلام کے مختلف موضوعات پر پی، ایچ، ڈی کرنے والوں سے ان کے موضوعات سے متعلق طویل گفتگو میں اسلام کی حقانیت کو واضح کیا۔ وہاں کے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں پائے جانے والے شکوک کو دور کیا اور سود سے پاک بنکاری کے بارے میں بھی سوالات کے تسلی بخش جواب دیے۔

نارتھ کیرولائنہ (امریکہ) کی ماڈل جیل میں مسلمان قیدیوں کے سامنے ایک گھنٹے کے خطاب میں ان کو اچھا مسلمان ثابت ہونے کی تلقین کی۔

۱۹۸۳ء میں امریکہ کے ایک پروجیکٹ میں شرکت کی اور یو این او میں خطبہ جمعہ بھی دیا۔ وہاں خطبہ جمعہ دینے والے شاید یہ پہلے پاکستانی تھے۔

❷ کینیڈا کا تبلیغی دورہ بھی دو مرتبہ کیا۔ ٹورنٹو اور ہملٹن مساجد میں جمعے کے خطبے ارشاد فرمائے۔ اور متعدد اسلامی موضوعات پر تقریریں کیں اور مسلم کمیونٹی کو متحد ہو کر اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرنے کی تلقین کی۔

❸ دو مرتبہ ہی انگلستان کے تبلیغی دوروں پر جانے کے مواقع میسر آئے ۱۹۷۹ء میں انگلستان کی اہلحدیث کانفرنس میں شرکت کی اور ۱۹۸۳ء میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے اسلامی مراکز کے دورے کیے اور ان میں لیکچر دیے۔ اس طرح دونوں مرتبہ انھیں انگلستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اجتماعات میں خطاب کے مواقع حاصل ہوئے۔

❹ عرب امارات کی جماعت اہل حدیث کی طرف سے دعوت آئی تو وہاں کا عزم کیا اور مختلف مقامات میں ۱۷ دن تقریروں میں گزرے۔

❺ تین مرتبہ ہندوستان تبلیغی دورے پر گئے۔ ایک مرتبہ ۱۹۸۷ میں، پھر ۱۹۸۸ء میں اور پھر ۱۹۸۹ء میں متواتر تین سال بمبئی کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور وہاں کے متعدد اسلامی مراکز میں تقریریں کیں۔ اس کے بعد حکومت ہند نے اپنے ملک میں ان کے داخلے پر پابندی عائد کر دی ہے۔

ریڈیو پاکستان میں ان کی تقریروں کا سلسلہ ۱۷ سال جاری رہا۔ مختلف اسلامی موضوعات کے علاوہ انھوں نے نیشنل ہک اپ کے پروگرام "قرآن حکیم اور ہماری زندگی" میں قرآنی آیات کی تفسیر بیان کی۔

مسجد مبارک میں بھی تقریباً پچیس برس سے ہر رمضان المبارک میں نماز تراویح میں پڑھے گئے قرآن حکیم کی تفسیر کا خلاصہ مولانا فضل الرحمٰن اختصاراً اردو میں بیان کرتے ہیں۔

مولانا ماشاء اللہ بہت اچھے مقرر ہیں اور صفائی اور بلند آہنگی سے کتاب وسنت کی روشنی میں تقریر کرتے ہیں۔ لوگ قریب اور دور سے آ کر توجہ اور انہماک سے ان کی تقریر سنتے اور مستفید ہوتے ہیں اور کسی مصنف اور مقرر کا بہت بڑا کمال ہے کہ اس کی تقریر اور تحریر سے ہر طبقے کے لوگ یکساں استفادہ کر سکیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا کی خطابتی اور تقریری مساعی کے بعد ان کی تصنیفی خدمات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں اور کتابچے تصنیف کیے۔

1. **اسلام میں عورت کی سربراہی:** اس کتاب میں مولانا نے قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت کیا ہےکہ اسلام کی رو سے عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں بن سکتی اور انہوں نے اس سلسلہ میں ۱۴۲ اسلامی کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔
2. **سوانح حیات مولانا ثناء اللہ امرتسری:** یہ کتاب حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مغفور کے حالاتِ زندگی پر اگرچہ مشتمل ہے لیکن اس میں انھوں نے بہت سی علمی معلومات کو جمع کیا ہے۔
3. **جنازے کے مسائل:** اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ جنازے کے متعلق مسائل و احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔
4. **قادیانی اور لاہوری مرزائی دائرہ اسلام سے کیوں خارج ہیں؟:** اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فاضل مصنف نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مرزائیوں کے دونوں گروپ لاہوری اور قادیانی ...... خارج از اسلام ہیں۔
5. **رجم کے بارے میں شرعی عدالت کا غیر شرعی فیصلہ:** شادی شدہ زانی کو رجم کی سزا دینے کے متعلق یہ نہایت اچھی کتاب ہے۔
6. **رجب کے کونڈے:** ایک حلقے میں ۲۲۔ رجب کو ''کونڈوں'' کا جو رواج چلا آ رہا ہے اس کے متعلق یہ رسالہ لائق مطالعہ ہے۔
7. **آخری چہار شنبہ:** ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کے بارے میں میں ثابت کیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔
8. **انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت:** اس میں بتایا گیا ہے کہ حکومت لوگوں سے جو انکم ٹیکس وصول کرتی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔
9. **پریس پر پابندی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:**
10. **کفن پر دعائیہ کلمات کی اصل:**

مولانا کو قرآن مجید سے خاص تعلق خاطر ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا اس صحیفہ نور کے بعض پہلوؤں پر انھوں نے ریڈیو میں تقریریں کیں، نماز تراویح میں تلاوت شدہ سپارے کے مضامین کی وضاحت کو اپنا معمول قرار دیا اور خطبات جمعہ میں اس کی مناسب الفاظ میں تفسیر کو اپنے آپ پر لازم ٹھہرایا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ایک اہم کام یہ کیا کہ ابتدائے قرآن سے اس کی تفسیر کی طرف عنانِ توجہ مبذول کی۔ یہ ایک بابرکت سلسلہ ہے۔ بحمد اللہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ البقرۃ کا ترجمہ و تفسیر وہ مکمل کر چکے ہیں اور سورہ آل عمران کے نصف سے زیادہ کی تکمیل ہو چکی ہے۔

مولانا کا طریق تحریر یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید کی آیت درج کرتے ہیں اس کے بعد اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ پھر تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ آخر میں حل لغات کا سلسلہ چلتا ہے جو علماء و طلباء اور عوام کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریر کی طرح مولانا کی تحریری زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ ہر شخص آسانی سے ہر بات سمجھ لیتا ہے زیادہ تعلیم یافتہ بھی اور کم تعلیم یافتہ بھی برابر مستفید ہوتے ہیں اور یہ زیرِ نظر تفسیر سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ہے جو کافی عرصے سے ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں بالاقساط چھپ رہی تھی اب نظر ثانی اور ضروری حذف و اضافے کے بعد اسے کتابی شکل میں شائقین قرآن کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تفسیر کا نام ''فضل القرآن'' رکھا گیا ہے یہ پہلی جلد ہے، دوسری جلد ان شاء اللہ سورہ آل عمران پر مشتمل ہوگی، جس کے بعض پہلو ہر ہفتے ''الاعتصام'' کی وساطت سے خوانندگانِ محترم کے مطالعہ میں آ رہے ہیں۔

قرآن مجید کی تفسیر کا معاملہ بے حد اہمیت کا حامل اور نہایت احتیاط کا متقاضی ہے جس سے مولانا فضل الرحمٰن خوب آگاہ ہیں۔ اس تفسیر کی خصوصیات یہ ہیں:

- اسلافِ امت کے نقطہ نظر کو پیش نگاہ رکھا گیا ہے۔
- مختلف مقامات میں ایک آیت کی تفسیر کے لیے دیگر آیات سے استدلال کیا گیا ہے
- جگہ جگہ کتب حدیث کے حوالے دیے گئے ہیں اور ارشادات رسول (ﷺ) سے استشہاد کیا گیا ہے۔
- قدیم کتب تفاسیر سے مدد لی گئی ہے۔
- فرامین صحابہ کرام اور اقوال ائمہ عظام کو رہنما ٹھہرایا گیا ہے۔
- تاریخی واقعات کے لیے مستند اوّلین کتب تاریخ سے رجوع کیا گیا ہے
- موجودہ حالات کے تقاضے فاضل مفسر کے سامنے ہیں متعدد مقامات پر گزشتہ دور کے واقعات کی روشنی میں موجودہ دور کے واقعات کو ہدفِ بحث بنایا گیا ہے۔
- حل لغات کے عنوان سے ہر آیت کے مشکل الفاظ کے اصل معنی کی تصریح کی گئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کے فضل و فضیلت میں اضافہ فرمائے اور بہ طریق احسن پایہ تکمیل کو پہنچے۔ آمین یا رب العالمین

بندۂ عاجز
محمد اسحاق بھٹی
اسلامیہ کالونی۔ ساندہ لاہور
۱۴۔ مارچ ۲۰۰۴ء
۲۰۔ محرم ۱۴۲۵، بروز جمعۃ المبارک

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الفاتحہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگتا ہوں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾	''اللہ ہی کے نام کے ساتھ (شروع کرتا ہوں) جو رحمٰن و رحیم ہے۔''

تشریح:
اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جب میں اسے ہر پہلو سے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم نے اس کو سجدہ کرنا ہے۔سوائے ابلیس کے سب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس نے سجدہ کیوں نہیں کیا، اس کے باوجود اس نے اس کو صفائی کا موقع دیا۔سورۃ صٓ (آیت:۷۵) کے الفاظ ہیں، ارشاد ہوا کہ: ﴿يٰٓاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ﴾ ''اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟'' ﴿اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ﴾ (صٓ:۷۵) ''تو نے تکبر کیا یا تو نے اپنے آپ کو اونچوں میں سمجھا؟'' اس نے جواب دیا: ﴿اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ﴾ (صٓ:۷۶) ''میں اس سے بہتر ہوں۔میری تخلیق تو نے آگ سے کی اور اس کی تخلیق تو نے مٹی سے کی۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب سن کر فرمایا: ﴿فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ﴾ (صٓ:۷۷) ''نکل جا جنت سے تو رجیم ہے۔'' شیطان کی سمجھ میں اتنی بات نہ آئی کہ جس سجدے کا اس نے انکار کیا، درحقیقت وہ سجدہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں تھا لیکن اس نے آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو ارفع و اعلیٰ سمجھا۔تکبر و غرور کا یہ مظاہرہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اور وہ راندۂ درگاہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان تمہارا واضح دشمن ہے، اس سے بچنا۔لیکن اس کے باوجود وسوسوں کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مطہرہ کو بہکانے اور ورغلانے میں وہ کامیاب ہوگیا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے ذریعے آپ کی امت کو سورۃ النحل میں حکم دیا: ﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ﴾ (النحل:۹۸) ''جب تم قرآن پڑھنے لگو تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگ لیا کرو۔'' قرآن حکیم کے اس حکم سے ﴿اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطَانِ الرَّجِيۡمِ﴾ کا قراءت سے پہلے پڑھنا ضروری ہوجاتا ہے۔اگر ﴿اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ السَّمِيۡعِ الۡعَلِيۡمِ مِنَ الشَّيۡطَانِ الرَّجِيۡمِ﴾ کہا جائے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔سورۃ النحل میں اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ نے یہ بھی اعلان فرمادیا:﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾(النحل:۹۹) ”جو لوگ ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ان پر اس (شیطان) کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔“ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ جو اس سے پناہ مانگتا ہے، وہ اس کو پناہ دیتا ہے۔

تفسیر ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بِسْمِ اللہِ کے بارے میں جب پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے بہت نام ہیں۔اس میں اس قدر نزدیکی ہے کہ جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں ہے۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو جہنم کے انیس (۱۹) داروغوں سے بچنا چاہے وہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھا کرے کیونکہ اس میں انیس حروف ہیں۔﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ سورۃ النمل کی ایک مستقل آیت ہے۔لہٰذا اس کے پڑھنے سے ہر کام میں برکت ہو جاتی ہے۔

مسند احمد (۲/ ۳۵۹) میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر بامقصد کلام یا کام اگر اللہ کے ذکر سے شروع نہ کیا جائے تو وہ ابتر (یعنی ناقص و بے برکت) ہے۔“ تفسیر ابن کثیر میں جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے کہ ”جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نزول ہوا تو بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے۔ ہوائیں ساکن ہوگئیں۔ سمندر ٹھہر گیا۔ جانوروں نے کان لگا لیے۔ شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگارِ عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہوگی“ قرآنِ حکیم کے نزول کا جب سلسلہ جاری ہوا تو پہلی بات جو آپ سے کہی گئی، اللہ تعالیٰ نے اسے قرآنِ حکیم کا حصہ بنا دیا:﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ [العلق:۱]۔”اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیں جس نے (ہر شے کی) تخلیق کی“ یعنی جو حقیقی خالق ہے۔

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ صفتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر واضح کر دیا ہے کہ جو بھی اس کی طرف آئے گا وہ اپنے رب کو بڑا ہی رحم کرنے والا مہربان پائے گا۔ وہ نہ صرف گناہوں کو معاف فرماتا ہے بلکہ جھکنے والوں کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ دعا ہے کہ تعوذ و تسمیہ کی برکات و فضائل سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مالا مال کر دے۔

حلِّ لغات:

- ﴿اَعُوْذُ﴾ باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے فعل مضارع واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں: ”میں پناہ مانگتا/مانگتی ہوں۔“
- ﴿بِاللهِ﴾ ”بِ“ حرف جر اور لفظ ”اللہ“ مجرور ہے۔ اس کا معنی ہے: ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ“۔
- ﴿مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾: میں مِنْ حرفِ جر اور الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مرکب توصیفی ہے۔ الشیطان موصوف اور الرجیم اس کی صفت ہے۔

مفردات القرآن (امام راغب رحمہ اللہ) میں منقول ہے کہ ”الشَّيْطٰنُ“ میں نونِ اصلی ہے اور یہ شطن سے مشتق ہے اور اس کے معنی ”دور ہونے کے ہیں۔“ چونکہ ابلیس مردود انسانی طبیعت اور ہر بھلائی سے دور رہتا ہے، اس لیے اس کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیطان کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں نون زائدہ ہے اور یہ شَاطَ یَشِیْطُ سے مشتق ہے، جس کے معنی غصہ میں سوختہ ہونے کے ہیں چونکہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے، اس لیے ابلیس کو شیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سورہ صٓ میں ابلیس کے تکبر وغرور کی وجہ یوں بیان ہوئی ہے۔

﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ (صٓ:۷۶)

''تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے (آدم کو) مٹی سے پیدا کیا۔''

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ (الرحمن:۱۵) ''اس (اللہ) نے جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔''

اسی بنا پر اس میں قوتِ غضبیہ اور حمیتِ مذمومہ افراط کے ساتھ پائی جاتی ہے اور اس کے اسی وصف نے اسے آدم علیہ السلام کو اللہ کے حکم کے مطابق سجدہ نہ کرنے دیا۔ اسی لیے ہر سرکش اور نافرمان کو ''شَیْطَان'' کہا جاتا ہے، خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یا حیوانوں میں سے۔

۞ الرَّجیم: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ''الرَّجیم'' فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی شیطان ہر بھلائی سے دور، دھتکارا ہوا ''مرجوم'' ہے۔ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا اور ان پر اپنی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ﴾[صٓ:۷۷] ''پس اس (جنت) سے نکل جا۔ تو راندۂ درگاہ ہے۔''

۞ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ : میں ''ب'' حرف جر اور ''اسم اللہ'': مرکب اضافی ہے۔ اس کا معنی ہے: ''اللہ کے نام کے ساتھ''۔ اللہ وہ نام ہے جو رب العالمین کے سوا کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔ اسی کے ساتھ یہ خاص ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾[الحشر:۲۳] ''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

علمائے نحو کی ایک جماعت نے لفظ الجلالہ (اللہ) کو مختلف مادوں سے مشتق قرار دے کر اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں، جب کہ نحویوں کی ایک بہت بڑی جماعت کا خیال ہے کہ لفظ ''اللہ'' اسم جامد ہے اور اس کا کوئی اشتقاق نہیں۔

﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾: اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں رحمت سے مشتق ہیں۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِیْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَّتُّهٗ))

''میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن (بھی) ہوں، میں نے رحم کی تخلیق کی اور اپنے نام سے اس کا نام مشتق کیا۔ پس جس نے اس کو ملایا، میں اسے ملاؤں گا اور جس نے اس کو قطع کیا تو میں اسے قطع کروں گا۔'' [جامع الترمذی، کتاب البر والصلة باب ما جاء فی قطیعة الرحم، حدیث:۱۹۰۷]

تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے کہ رحمٰن و رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں لیکن رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک رحمٰن و رحیم کا ایک ہی معنی ہے۔ جیسے نَدْمَانٌ اور نَدِیْمٌ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿2﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿3﴾	”سب تعریفیں رب العالمین کے لیے ہیں۔ جو رحمٰن و رحیم ہے۔“

تشریح:

سورۂ فاتحہ کی پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ رب بھی ایسا کہ رحم کرنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔ صحیح البخاری (کتاب التفسیر، باب ما جاء فی فاتحۃ الکتاب) کے مطابق اس سورۂ مبارکہ کو فاتحہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرآن حکیم کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ نماز میں قراءت بھی انہی سے شروع کی جاتی ہے اور اس کو ”ام الکتاب“ بھی کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اور جامع الترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((الحمد للہ رب العالمین)) یہی سورت ام القرآن، ام الکتاب، سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔ (صحيح البخاري كتاب التفسير، باب ما جاء في فاتحة الكتاب، حديث:٤٤٧٤، ٥٠٠٦ / جامع الترمذي=ابواب فضائل القرآن باب ماجاء في فضل فاتحة الكتاب، حديث:٢٨٧٥)

ابن عیینہ کا کہنا ہے کہ یہ سورۃ ”واقیہ“ یعنی بچانے والی ہے۔ یحییٰ بن کثیر کے مطابق اس کا نام کافیہ ہے کیونکہ یہ باقی سورتوں سے کفایت کرتی ہے۔ اس کو سورۃ الشفاء بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں تھے۔ ایک جگہ قیام کیا کہ ایک لونڈی ہمارے پاس آئی اور کہا کہ یہاں کے سردار کو سانپ یا بچھونے کاٹا ہے۔ ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں۔ آپ میں کوئی ایسا شخص ہے جو دم کر دے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کوئی دم بھی کر سکتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ دم کیا تو اللہ کے فضل سے ان کا سردار ٹھیک ہوگیا۔ اس نے تیس بکریاں دیں اور ہماری مہمان نوازی کے لیے دودھ بھی بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں اس کا علم تھا کہ سانپ کٹے پر دم کس طرح کیا جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا۔ ہم نے کہا کہ اس آئے ہوئے مال کو نہ چھیڑو، پہلے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھیں گے۔ مدینہ طیبہ آ کر ہم نے اس واقعے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم کرنے والی سورت ہے؟ اس مال کے حصے کرو اور ایک حصہ میرا بھی لگاؤ۔“ (صحيح البخاري كتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، حديث:٥٠٠٧، باب الرقى بفاتحة الكتاب، حديث:٥٧٣٦)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق دم کرنے والے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ خود ہی تھے۔

صحیح مسلم ہی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیل امین علیہ السلام آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ جبرائیل امین نے اوپر دیکھ کر کہا۔ آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو پہلے کبھی نہ کھلا تھا۔ پھر اس میں سے ایک فرشتہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: خوش ہو جائیے۔ آپ کو دو نور ایسے دیئے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ وہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات ہیں۔ (صحيح مسلم=كتاب فضائل القرآن، وما يتعلق به، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة...... حديث:٨٠٦)

مسند احمد کی روایت کا حصہ ہے کہ آپ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن میں ام القرآن جیسی کوئی سورت نہیں، یہی ''سبع مثانی'' ہے۔'' سورۃ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴾ (الحجر:۸۷)

''یقیناً ہم نے تمہیں سبع مثانی (بار بار دہرائی جانے والی سات آیات) اور قرآن عظیم دیا ہے۔''

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رب العالمین ہونے کا اعلان کر دیا، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے علاوہ مخلوق کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنی تمام مخلوق کو رزق مہیا کرتا ہے۔ سورۂ ہود:٦ میں اس کی مزید وضاحت یوں ہوتی ہے:

﴿ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ﴾

''زمین پر چلنے والی ہر مخلوق کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔''

امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب کہا کہ ''رحمٰن وہ ہے جس سے مانگا جائے تو عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے جس سے نہ مانگا جائے تو غضب ناک ہو۔'' ایک شاعر کا قول ہے۔

اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ
وَبُنُوْ آدَمَ حِيْنَ يُسْأَلُ يَغْضَبُ

(اللہ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے جب مانگا جائے تو غصے میں آ جاتے ہیں۔)

حلّ اللغات:

⊛ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کے بارے میں امام ابن جریر کا کہنا ہے کہ یہ ایسا شکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں، وہی اس کا حق دار ہے، اس لیے کہ تمام نعمتیں جنہیں ہم شمار نہیں کر سکتے اور جن کی تعداد صرف اللہ ہی جانتا ہے، اسی کی طرف سے ہیں۔ سورۃ النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (النحل:۱۸)

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق ہے کہ اس نے اطاعت کرنے کے اسباب ہمیں عطا فرمائے، فرائض بجالانے کے لیے جسمانی نعمتوں سے نوازا، زندگی کی ان گنت ضرورتیں بغیر کسی حق کے ہمیں عنایت فرمائیں، جنت میں پاکیزہ مقام حاصل کرنے کا طریقہ اس نے ہمیں سکھا دیا۔ اسی لیے اوّل اور آخر اسی ذاتِ پاک کی ہر طرح سے حمد و ثنا اور تعریف ہونی چاہیے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کلمۂ ثنا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ (نماز میں) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے: ((حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ)) ''میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔''

(صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة، حدیث:۳۹۵)

ترمذی اور نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اَلْحَمْدُلِلّٰهِ »۔ "افضل ذکر: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور افضل دعا: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ہے۔" (جامع الترمذی، کتاب الدعوات ،باب ما جاء ان دعوة المسلم مستجابة، حديث:٣٣٨٣، سنن النسائي الكبرى ٦/ ٢٠٨)

سنن ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے ایک مرتبہ: «يَـا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَ لِعَظِيْمِ سُلْطَانِكَ» "اے میرے رب! جس طرح تیرے چہرے کے جلال اور تیری عظیم سلطنت کے لائق ہے، تیرے لیے اسی طرح کی حمد ہے۔" کہا تو فرشتے گھبرا گئے کہ اس کا اجر کتنا لکھا جائے؟ آخر انہوں نے اللہ تعالیٰ نے عرض کی کہ یا اللہ! تیرے ایک بندے نے ایسی بات کہی کہ ہم نہیں جانتے کہ اس کو کس طرح لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو یونہی لکھ لو، میں اسے اپنی ملاقات کے وقت اس کا اجر دوں گا۔" (سنن ابن ماجة ،كتاب الادب ،باب فضل الحامدين، حديث:٣٨٠١)

تفسیر ابن کثیر میں یہ بھی منقول ہے کہ "اَلْـحَـمْـدُ" میں الف لام استغراق کا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ حمد کی تمام قسمیں اور جنسیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔

❀ ﴿رَبِّ الْـعٰـلَمِيْنَ﴾ مرکب اضافی ہے۔ ربّ سے مراد مالک و متصرف ہے اور عـالمین، عالم کی جمع ہے، جو خود بھی ایسی جمع ہے کہ اس کا واحد لفظاً ہے ہی نہیں۔ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق ایک عالم ہے۔ ایک ایک زمانے اور ایک ایک وقت کو بھی عالم کہا جاتا ہے۔ سورۃ الشعراء: (۲۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿وَ مَـا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿رَبُّ السَّـمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُـنْـتُمْ مُّوْقِنِيْنَ﴾ (الشعراء:٢٤) "اگر تم یقین کرنے والے ہو تو سنو! رب العالمین وہ ہے جو آسمان و زمین اور ان کی درمیان والی مخلوقات کا رب ہے۔"

سورۃ الفرقان میں ارشاد ہوا: ﴿تَبٰـرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰـلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (الفرقان:١) "بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو جائے۔" تفسیر ابن کثیر میں یہ بھی مروی ہے کہ عالم، علامت سے مشتق ہے۔ یعنی ساری مخلوق اپنے خالق پر نشان اور اس کی وحدانیت پر علامت ہے۔ جیسا کہ ابن معتز نے کہا:

فَيَاعَجَبًا كَيْفَ يُعْصَى الْاِلٰـهُ اَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ
وَفِـي كُـلِّ شَـيْءٍ لَـهُ اٰيَةٌ تَـدُلُّ عَـلٰى اَنَّـهُ وَاحِـدُ

(تعجب ہے کہ کس طرح اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور کس طرح انکار کرنے والا اس کا انکار کرتا ہے؟ حالانکہ ہر شے میں نشانی ہے، جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔)

❀ ﴿اَلـرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کے بارے میں امام قرطبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ رب العالمین کے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہونے میں ترغیب اور امید پائی جاتی ہے۔ سورۃ الحجر: ۴۹ میں اعلان کرایا گیا ہے: ﴿نَبِّـئْ عِبَادِيْٓ اَنِّـيْٓ اَنَـا الْـغَـفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ "میرے بندوں کو بتا دو کہ بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ایمان والا اللہ کے غضب اور عذابوں سے پوری طرح واقف ہوتا تو اس کے دل سے جنت کی طمع ہٹ جاتی یعنی وہ صرف عذابوں اور اللہ کے غیظ وغضب سے بچنے کے لیے کوشاں رہتا اگر کافر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کو جان لیتا تو کبھی بھی اس سے ناامید نہ ہوتا۔''

(صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة الله تعالی...... حدیث:۲۷۵۵)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿4﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿5﴾	''بدلے کے دن کا مالک۔ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔''

تشریح:

سورۃ فاتحہ کی ان دو آیتوں میں واضح کر دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جس میں حساب ہوگا اور اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ اس کا مالک اور بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اہل ایمان کو اپنے رب حقیقی سے مدد لینے کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ خالصتاً اسی کی عبادت کریں اور صرف اسی سے مدد طلب کریں۔ اس کا صرف زبانی اقرار ہی کافی نہیں بلکہ اس کا عملی مظاہرہ بھی ہونا چاہیے۔

قرآن حکیم کے آغاز میں یعنی سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی صفت "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" دوسری "اَلرَّحْمٰنِ" تیسری "الرَّحِيْمُ" اور چوتھی "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" بیان فرمائی ہے۔ یوم الدین کے مالک ہونے کا خاص طور پر ذکر کرنے کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ دنیا میں جو بڑے بڑے جابر قسم کے حکمران ہیں اور وہ اپنے آپ کو رب کہلواتے ہیں، قیامت کے روز ان کی بادشاہت اور قوت ان کے کام نہیں آئے گی۔ اس دن صرف وحدہ لاشریک کی بادشاہت ہوگی۔ اسی کے حکم سے اس کی تمام مخلوق کا حساب ہوگا۔ ہر شخص کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ سورۂ زلزال میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ ﴾ (الزلزال:۷،۸)

''پس جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا، اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برا کام کیا وہ بھی اس کو دیکھے گا۔''

یعنی اس نامۂ اعمال میں اس کی ہر نیکی اور ہر برائی درج ہوگی، جس کے مطابق وہ جزا یا سزا پائے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے گا اور ارشاد ہوگا:

((أَنَا الْمَلِكُ! أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ؟......))

''میں ہی بادشاہ ہوں۔ جبار اور متکبر کہاں ہیں؟ پھر زمین کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں۔ جبار اور متکبر کہاں ہیں؟'' (صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین و احکامهم، باب صفة القیامة والجنة والنار، حدیث:۲۷۸۸)

سورۃ غافر (آیت:۱۶) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ﴾ ''جس دن وہ سب اللہ کے سامنے ہوں گے ان میں سے اللہ تعالیٰ پر کچھ مخفی نہ ہوگا'' ارشاد ہوگا: ﴿ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ ﴾ ''آج کے دن کس کی بادشاہت ہے؟'' جواب کے طور پر ارشاد ہوگا: ﴿لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ''اللہ ہی کے لیے بادشاہت ہے جو واحد وقہار ہے۔''
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ملکیت اپنے ساتھ خاص کر دی تاکہ اس کی مخلوق کو احساس رہے کہ ایک دن اس نے اپنے اس رب کے سامنے پیش ہونا ہے، جس کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا اور وہ جزا وسزا کا دن ہوگا۔ سنن ابن ماجۃ اور جامع ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا ثُمَّ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ))
''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے وہ عمل کرے جو موت کے بعد اس کے کام آئے اور بیوقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے پیچھے لگائے اور پھر اللہ سے رحمت کی امید رکھے۔'' (سنن ابن ماجة ، كتاب الزهد ، باب ذكر الموت والاستعداد له ،حديث: ٤٢٦٠ ، جامع الترمذي، ابواب صفة القيامة...... باب حديث الكيس من دان نفسه و عمل......،حديث: ٢٤٥٩)

تفسیر ابن کثیر میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ ''اپنے نفسوں سے حساب لو اس سے پہلے کہ تمہارا احساب لیا جائے۔ اپنے اعمال کا وزن کر لو۔ اس سے پہلے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور بڑی پیشی (حاضری) کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جب تم اس اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جس سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہ ہوگا۔''
اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر یہ احسان ہے کہ اس نے سورۃ فاتحہ کے ذریعے سمجھا دیا کہ اس کی مدد کا حصول کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔ مدد چاہنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خالصتاً اسی کی عبادت کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ جب بندہ ایسی عبادت کے حوالے سے مدد کا طلب گار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ)) ''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ مسند احمد (۱/ ۲۸۳) کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائی:

((اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ)) ''جب تو مدد چاہے تو اللہ سے مدد مانگ۔''
حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بعض سلف کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سارے قرآنِ حکیم کا راز سورۃ فاتحہ ہے اور سورۃ فاتحہ کا راز ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ ہے۔ کیونکہ آیت کے پہلے حصے میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے میں نہ صرف انہی طاقتوں اور قوتوں کا انکار ہے بلکہ اپنے تمام کاموں کی سپردگی اللہ عزوجل کی طرف ہے۔
عبادت اور استعانت دونوں ایسے عمل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے اہم ہیں، انہی کے ذریعے اللہ کی مخلوق کی پرکھ ہوتی ہے۔ جو بندہ یا بندی اس کی عبادت اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ نمونے کے مطابق نہیں کرتا یا کرتی تو وہ عنداللہ مقبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح جن معاملوں میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد ونصرت کے طلب گار ہونے کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت ہوتی ہے، ان میں غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرتا۔ جو مسلمان نماز میں ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ تو کہتا ہے، لیکن نماز سے فارغ ہونے کے بعد غیر اللہ کو پکارتا ہے یا اہلِ قبور سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ اپنی عبادت کو ضائع کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہوئے سورۃ فاتحہ میں اپنے ربِ حقیقی سے مدد چاہنے کا انداز اور طریقہ بتا دیا کہ اس کی حمد وثنا کے بعد اس کی عبادت کرو اور اسی سے مدد چاہو۔

حلِّ لغات:

- ﴿مَالِکِ﴾ مَلَکَ یَمْلِکُ (ض) سے اسم فاعل ہے، جس کے معنی ''اختیار رکھنے والا'' کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کے تصرف پر قدرت اور اختیار رکھنے والا۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾(آل عمران:٢٦)

''(اے نبی ﷺ!) تم کہو: اے تمام بادشاہت کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت سے نواز دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے، بادشاہت چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

- ﴿یَوْمِ﴾ کے لغوی معنی ''طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب کا وقت'' کے ہیں۔ لیکن اس کا اطلاق اس کے مختلف اوقات پر بھی ہوتا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد باری ہے:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ﴾(المائدۃ:٣)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔''

ظاہر ہے کہ یہ آیت مبارکہ دن کے کسی ایک حصے میں نازل ہوئی۔

- ﴿الدِّیْنِ﴾ بدلے کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد جزا وسزا کا دن ہے۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ دن ہے، جس میں عملوں کا حساب ہوگا، پھر اس کے مطابق جزا دی جائے گی۔

- ﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ میں اِیَّاکَ دونوں جملوں میں اپنے فعل پر مقدم آیا ہے کیونکہ عربوں میں معمول رہا ہے کہ جو اہم بات ہو اس کا ذکر پہلے کیا جائے۔ اِیَّاکَ سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ خاص ہے۔ نَعْبُدُ اور نَسْتَعِیْنُ (دونوں فعل مضارع معروف سے جمع متکلم کے صیغے ہیں۔ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○	''ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام فرمایا، جن پر غضب کا نزول نہیں ہوا اور نہ وہ گمراہ ہی ہوئے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح: سورۃ فاتحہ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں وہ دعا مانگنے کی تعلیم فرمائی ہے جس کی ہر مسلمان کو ہر وقت اور ہر جگہ ضرورت ہوتی ہے یہی حقیقت میں استعانت برب العالمین ہے کیونکہ شیطان کا مشن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کی طرف جانے والی سیدھی راہ سے روکے۔ مختلف انداز میں رکاوٹیں کھڑی کرے۔ سورۃ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾(الاعراف:١٦)

''شیطان نے کہا کہ اس کے سبب کہ تو نے مجھے گمراہ کیا (ان کو روکنے کے لیے) تیری طرف آنے والی سیدھی راہ میں ضرور بیٹھ جاؤں گا۔'' یعنی ہر حیلے بہانے سے تیری طرف آنے نہیں دوں گا۔

اسی طرح سورۃ فاتحہ کو نماز کا حصہ بنا دیا گیا تاکہ ہر نماز میں نمازی صراط مستقیم پر قائم رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طلب گار رہے۔ بخاری و مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

''اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔'' (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام ...... حدیث:٧٥٦ / صحیح مسلم، کتاب الصلوٰة، باب وجوب قراءة الفاتحه فی کل رکعة ...... حدیث:٣٩٤)

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَءْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ۔)) ''جس نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن یعنی سورۃ فاتحہ کی تلاوت نہ کی، پس وہ ناقص ہے۔ آپ نے تین مرتبہ یہ فرمایا۔ یعنی وہ پوری نہیں۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں؟ یعنی ایسی نماز ہو جس میں امام جہری قراءت کر رہا ہو تو پھر کیا کریں؟ انہوں نے جواب دیا: ((اقرأ بها فی نفسك......)) تو اس کو اپنے دل میں پڑھ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر رکھا ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرتا ہے۔ جب بندہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ)) میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ جب بندہ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے: ((اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ)) میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے: ((مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ)) میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور یہ بھی منقول ہے کہ میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ تو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰة، باب قراءة الفاتحة فی کل رکعة...... حدیث:٣٩٥)

صحیح مسلم کی اس روایت سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں پر سورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض ہے اور اس کی قراءت صراط مستقیم پر قائم رہنے کا سبب اور ذریعہ ہے۔

صراط مستقیم کی بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی وضاحت فرما دی کہ اس سے مراد ان لوگوں کی راہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء:٦٩)

''اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا پس وہی لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء کے ساتھ ہوں گے۔ وہی لوگ ہیں جن کا ساتھ بہترین ہوگا۔''

معلوم ہوا کہ نماز میں جس راہ کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صلحاء کی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا کہ جس کو ان کا ساتھ نصیب ہو گیا، وہ بہترین ساتھ ہوگا۔

سورۃ انعام میں رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرایا گیا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾ (الانعام:١٦٢)

''آپ کہہ دیں کہ میرے رب نے صراطِ مستقیم کی طرف میری رہنمائی فرمائی ہے، ایک سیدھے (اور مضبوط) دین کی صورت میں، ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ جو یکسو تھا اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔''

سورۃ آل عمران میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (آل عمران:١٠١)

''اور جس نے اللہ تعالیٰ (کی رسی) کو مضبوطی تھام لیا، بے شک وہ صراط مستقیم کی طرف لگایا گیا۔''

اللہ تعالیٰ کو تھامنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے دین خالص کے تابع رہے یا اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے زندگی گزارے تو اس کو صراط مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق مل جاتی ہے۔

سورۃ آل عمران، مریم اور زخرف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (آل عمران:٥١)

''بے شک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اسی کو اپنانے اور اسی پر قائم رہنے کی نماز میں دعا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں تعلیم دی ہے اور ساتھ ہی ان لوگوں کی راہ سے بچنے کو بھی دعا کا حصہ بنا دیا گیا جو راہِ حق سے بھٹک گئے یا ان کے برے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا جس کی وجہ سے وہ ہلاک اور تباہ ہوئے۔ مفسرین نے جمہور کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ مشرک اور منافق بھی ان میں شامل ہیں۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((اِذَا قَالَ الْاِمَامُ ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ فَقُوْلُوْا :آمِیْن۔)) (صحیح البخاری، کتاب الأذان ، باب جهر المأموم بالتأمین ، حدیث:۷۸۲)

"جب امام غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو۔"

دوسری روایت کے مطابق جب تمہارا کوئی ایک امین کہے اور آسمان میں فرشتے آمین کہیں اور ان کی آپس میں موافقت ہو جائے تو ((غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) "اس کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔" (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ حدیث: ۴۴۷۵)

جامع ترمذی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ پڑھی تو آپ نے آمین کہا اور اپنی آواز کو لمبا کیا۔" (جامع الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی التامین، حدیث:۲۴۸)

سنن ابی داؤد کے مطابق "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز کو بلند فرمایا۔" یہ بھی منقول ہے کہ صحابہ کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کہے تو تم امین کہو. ((یُجِبْکُمُ اللّٰهُ)) اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔" (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشهد فی الصلوۃ ،حدیث:۴۰۴)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آمین کا کیا معنی ہیں؟۔ آپؐ نے فرمایا: ((رَبِّ افْعَلْ)) "اے رب! جو مانگا ہے اسی طرح کر دے۔" امام ترمذی کے مطابق امین کا معنی ہے: ((لاتخیب رجاءنا)) ہماری امیدوں کو برباد نہ کرنا۔ اکثر اہل علم کے نزدیک اس کا معنی ہے۔ ((اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لَنَا)) اے اللہ! ہماری دعا کو قبول کر لے۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والا امام کے پیچھے ہو یا اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔ اس کو سورۃ فاتحہ ختم کرنے پر آمین کہنا چاہیے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ فاتحہ کی برکات سے ہمیں نوازے۔

حلّ لغات:

- ﴿اِهْدِنَا﴾ میں اِهْدِ فعل امر حاضر سے واحد مذکر کا صیغہ ہے اور "نَا" ضمیر منصوب متصل، فعل امر کا مفعول ہے۔
- ﴿الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾: مرکب توصیفی ہے اور دعائیہ جملے کا معنی ہے: ہمیں سیدھی راہ پر چلا اور اسی پر قائم رکھ۔
- ﴿اَنْعَمْتَ﴾ باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور جملے کا معنی ہے: "تو نے نعمتوں سے نوازا۔"
- ﴿الْمَغْضُوْبِ﴾: غَضِبَ یَغْضَبُ (ض) سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔
- ﴿الضَّآلِّیْنَ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ راہ حق کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ البقرۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿1﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚۖ فِيْهِ ۚ
هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿2﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿3﴾ وَالَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿4﴾
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿5﴾

''یہ وہ کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔ متقین کے لیے باعثِ ہدایت ہے۔ جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دے رکھا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

تشریح:

قرآن حکیم کی ان ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے حق اور سچ ہونے اور متقین کی صفات بیان کرنے کے ساتھ نہ صرف ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی گواہی دی ہے بلکہ ان کے بارے میں یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قرآن حکیم کی حقانیت کو واضح کیا ہے کہ یہ کتاب ہر شک وشبے سے پاک اور بالا ہے۔ ذٰلِکَ یہاں ھٰذَا کے معنی میں ہے۔ اگر اس سے مراد اشارہ بعید ہی لیا جائے تو اس کا مشار الیہ لوحِ محفوظ ہوگا، جس میں سے قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ لیکن ذٰلِکَ بمعنی ھٰذَا کی مثالیں قرآن حکیم اور احادیث میں موجود ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کا نام ''البقرۃ'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں بقرہ (گائے) کا ایک قصہ ذکر ہوا ہے جو بنی اسرائیل کے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لیے ذبح کی گئی تھی۔ یہ سورت قرآن حکیم کی سب سے لمبی سورۃ ہے۔ اس میں دو سو چھیاسی آیات ہیں۔ اس میں بہت سے مسائل واحکام اور کئی واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس کی فضیلت کا اندازہ صحیح مسلم کی اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے، اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔'' (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة النافلة فى بيته ...... حديث: ٧٨٠)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جامع الترمذی میں یہ بھی مروی ہے: "لَایَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ" (اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔)'' (جامع الترمذی، ابواب فضائل القرآن...... باب ما جاء فی سورۃ البقرۃ...... حدیث: ۲۸۷۷)

قرآن حکیم کی حقانیت واضح کرنے کے بعد یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ اس سے فائدہ صرف متقین اٹھائیں گے۔ انہی کے لیے یہ کتاب ہدایت کا سبب ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی متقین کی چند بنیادی صفات کا ذکر فرمایا۔

(۱) وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا، اس کے فرشتوں، اس کی جنت اور جہنم، قبر کے عذاب، حشر کے حساب اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ بہت سے واقعات کا مشاہدہ نہیں کیا مگر اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ان تک جو پہنچا اس پر وہ ایمان لے آئے یا لے آئیں گے، یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما "يُؤْمِنُوْنَ" کے معنی "يُصَدِّقُوْنَ" کرتے ہیں، یعنی وہ تصدیق کرتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد اعتقادی، قولی اور عملی ایمان ہے۔ اسد الغابۃ (۶/ ۵۲) میں ابو جمعۃ الانصاری سے مروی ہے کہ میں نے رسول ﷺ کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح بھی آپ کے ساتھ تھے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: کیا کوئی ہم سے بھی بہتر ہے؟ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ((قَوْمٌ يَجِيْئُوْنَ بَعْدِيْ يُؤْمِنُوْنَ بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ)) ''وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے۔ مجھ پر ایمان لائیں گے۔ حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔''

(۲) متقین کی دوسری صفت "يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ" بیان ہوئی۔ یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز وہ تحفہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول ﷺ کو معراج کی رات عطا فرمایا۔ جو پڑھنے میں پانچ ہیں لیکن حقیقت میں ان کا اجر و ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہے۔ کیونکہ آغاز میں پچاس ہی فرض ہوئیں لیکن آخر میں پانچ رہ گئیں۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا کہ میں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں۔ پھر نماز قائم کرنے کو کہوں، پس نماز کے لیے جب اذان ہو جائے تو کسی آدمی کو نماز پڑھانے کو کہوں اور خود پیچھے رہوں اور دیکھوں کہ کون نماز میں شامل نہیں ہوا تو ان کے گھروں کو جلا دوں۔'' (صحیح بخاری کتاب الاذان، باب وجوب صلوۃ جماعۃ، حدیث: ۶۴۴)

صحیح بخاری میں یہ بھی مروی ہے کہ ''جب کوئی اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لیے نکلتا ہے تو اس کے ہر قدم پر اس کا ایک گناہ گرا دیا جاتا ہے اور ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب تک وہ نماز والی جگہ میں بیٹھا تسبیحات وغیرہ میں مشغول رہتا ہے۔ فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ جب تک کوئی ایک تمہارا نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔'' یعنی نماز کا اجر و ثواب اس کو ملتا رہتا ہے۔ اس لیے متقی لوگ نماز کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، حدیث: ۶۴۷)

(۳) تیسری صفت ان کی یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ درحقیقت مالی شکرانے کی صورت ہے۔ اہل تقویٰ اپنے مالوں کی نہ صرف زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی اللہ کی راہ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عجیب قانون ہے کہ ایسے لوگوں کے مال میں کمی نہیں ہونے دیتا۔ سورۃ سبا:۳۹ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَآ اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ﴾ ''جو بھی تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ تمہیں وہ اور دے دیتا ہے۔''

(۴) چوتھی صفت تمام کتابوں پر ایمان رکھنا ہے۔ مسلمانوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی تمام کتابوں اور صحیفوں کو ان کی اصلی حالت وصورت میں حق مانتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ کو شیطان نے راہِ حق سے ہٹا دیا اور انہوں نے حق کو ٹھکرا دیا۔

(۵) پانچویں صفت آخرت پر یقین رکھنا ہے۔ یعنی تمام کائنات ایک دن ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پانے کے لیے پھر زندہ کیا جائے گا۔ جس شخص کا آخرت پر ایمان ہوگا، وہ کبھی بھی اس کو خراب کرنا نہیں چاہے گا۔ کیونکہ دنیا کی زندگی تو عارضی ہے۔ لیکن آخرت میں جو نصیب ہوگا یا انسان اپنے اعمال کے مطابق پائے گا، وہ دائمی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے: ﴿وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ﴾ (سورۃ التغابن:۱۱) ''جو اللہ پر ایمان لے آتا ہے اللہ اس کے دل کو اپنی ہدایت سے نوازتا ہے'' اور ہدایت ہی اس کو متقین کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اعلان کر دیا کہ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پانے والے اور وہی کامیاب ہونے والے ہوں گے۔

حلِّ لغات:

- ﴿الٓمّٓ﴾ کے بارے میں مفسّرین نے کئی اقوال اور تاویلیں نقل کی ہیں لیکن سب سے اچھا قول اور بہترین بات یہی ہے کہ ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ'' (اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے کہ اس کی اس سے مراد کیا ہے)
- ﴿الْكِتٰبُ﴾ سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔
- ﴿رَیْبَ﴾ کے معنی شک وشبہ کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ریب کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں کوئی وہم ہو جائے اور بعد میں اس کا ازالہ ہو جائے۔
- ﴿هُدًی﴾ هَدٰی یَهْدِی (ض) سے مصدر ہے، قرآن حکیم میں ہدایتِ الٰہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ بقرہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ:۳۸)

''پس تمہارے پاس یقیناً میری ہدایت آئے گی، سو جنہوں نے میری ہدایت کی اتباع کی ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے۔''

سورۂ بقرہ ہی میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ﴾ (البقرۃ:۱۲۰)

''تم کہہ دو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ میں ”ل“ حرف جر اور متقین اسم مجرور ہے جو متقی کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو ہر اس چیز اور کام سے بچائے جو گناہ کا موجب ہو سکتا ہو۔ ﴿يُؤْمِنُوْنَ. يُقِيْمُوْنَ. يُنْفِقُوْنَ اور يُوْقِنُوْنَ﴾ چاروں فعل مضارع جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ ان کے معانی علی الترتیب یوں ہیں: ”وہ ایمان رکھتے ہیں۔ قائم کرتے ہیں۔ خرچ کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں۔“ ان تمام کلمات میں متقین کی صفات کا بیان ہے۔

❁ ﴿اَلْمُفْلِحُوْنَ﴾ اَفْلَحَ يُفْلِحُ (بابِ افعال) سے اسم فاعل جمع مذکر کا صیغہ ہے اور معنی ہیں ”کامیاب ہونے والے“

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿6﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿7﴾

”بے شک جنھوں نے حق قبول کرنے سے انکار کیا، ان کے لیے برابر ہے کہ تم نے انھیں ڈرایا ہے یا نہیں ڈرایا، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔“

تشریح:

ان آیاتِ مبارکہ میں خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ حق کو ٹھکراتے اور کفر پر ڈٹے رہتے ہیں اور ان کی موت بھی کفر پر ہی ہوتی ہے، ڈرانے والا ان کو ڈرائے یا نہ ڈرائے ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ ایمان کی طرف ان کا رجحان و میلان نہیں ہوتا۔ انجام کار وہ جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ حق کو قبول نہ کرنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے اور ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ گمراہی کو اپناتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ وہ جس راہ پر چل رہے ہیں، وہی بہترین ہے۔ سورۂ کہف: ۱۰۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴾

”کیا کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ میرے علاوہ میرے بندوں کو دوست بنا لیں؟ (یعنی وہ ان کے کام آئیں گے؟) ہم نے کفار کی مہمان نوازی کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔“

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝ ﴾

(الکہف: ۱۰۳۔۱۰۶)

”تم کہہ دو! کیا ہم تم کو ان کے بارے میں بتائیں جو اعمال میں بہت زیادہ خسارے میں ہوں گے۔ جن کی کوشش دنیاوی زندگی ہی میں برباد ہو گئی اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ وہی لوگ ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس سے ملاقات کا انکار کیا۔ پس ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ان کے لیے قیامت کے روز ہم ترازو قائم نہیں کریں گے۔"

"جو انھوں نے کفر کیا، میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔ اس کے سبب جہنم ان کی جزا ہوگی۔"

جب جھٹلانے والوں کی ذہنی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ برائی کو وہ اچھائی تصور کرتے رہتے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اچھی بات کا ان کے دلوں پر اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے کان سنتے ہیں اور گمراہی کا ایسا پردہ ان کی آنکھوں پر پڑ جاتا ہے کہ اچھائی ان سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے آغاز ہی میں واضح کر دیا کہ متقین تو اس کی تعلیم کے مطابق عمل کریں گے۔ اس کو حق سچ مانتے ہوئے اس پر ایمان رکھیں گے۔ لیکن ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کو ڈرایا جائے گا اور ان کو بتایا جائے گا کہ جو تم کر رہے ہو، اس کا انجام عذاب عظیم ہے۔ اس کے باوجود وہ برائی ترک کرنے پر تیار نہ ہوں گے۔ یہ بنیادی نکتہ اس لیے بیان کر دیا گیا کہ قیامت تک مبلغین اسلام ہرگز نہ سوچیں کہ ان کی تبلیغ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق حق کو اپنا لے گی۔ بلکہ ایسے لوگوں کی اکثریت ہمیشہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

﴿ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۰۰) "ان کے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔"

﴿ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ (غافر:۵۹) ﴿ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (الجاثیۃ:۲۶)

"لوگوں میں سے اکثر شکر نہیں کریں گے۔" ......"نہ ہی اکثر جانتے ہیں۔"

سورہ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ (یوسف:۱۰۶)

"ان میں سے اکثر ایمان لانے کے باوجود شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں اپنا قانون بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرایا:

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴾ (یونس:۱۰۸)

"تم کہو کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے حق تمہارے پاس آ گیا۔ پس جو کوئی ہدایت پائے گا وہ اپنے ہی لیے ہدایت پائے گا۔ اور جو گمراہی کو اپنائے گا تو اس کی گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہوگا اور میں تم پر وکیل (داروغہ/ نگران) نہیں ہوں۔"

اب اگر کوئی ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ سے یہ سمجھے کہ جب اللہ ہی دلوں، آنکھوں پر مہر لگا دیتا ہے تو اس میں انسان کا کیا قصور ہے؟ اس کی وضاحت قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اچھی طرح فرمائی ہے۔ سورۃ الصّف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ (الصف:۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔''

یعنی جب انہوں نے ٹیڑھے پن پر ڈٹے رہنے کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی پر لگا دیا۔ یہی دلوں اور کانوں پر مہر لگانا ہے اور آنکھوں پر پردے کا پڑ جانا ہے۔ اسی کی وضاحت سورۃ النساء میں یوں ہوئی:

﴿ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾(النساء:۱۵۵)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس ان سے تھوڑے لوگ ایمان لائیں گے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا، سابقہ قوموں میں لوگوں کی اکثریت یہی کچھ کرتی تھی۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾(الانعام:۱۱۶)

''اگر تم زمین میں اکثریت کی اتباع کرو گے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے۔''

آج بھی زمین میں اکثریت اللہ کی راہ پر نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں ان کی اتباع کرنے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دکھائی ہوئی راہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسی میں ہماری بھلائی ہے اور اسی پر چل کر ہم کامیاب اور کامران ہو سکتے ہیں۔

حلِّ لغات:

- ﴿ اِنَّ ﴾ عربی قواعد صرف و نحو میں حرف مشبّہ بالفعل کہلاتا ہے جو شک و شبہ کو دور کرنے اور یقین کا معنی پیدا کرنے کے لایا جاتا ہے۔ ابتدائے کلام میں ہو تو اِنَّ اور اگر درمیان کلام میں آئے تو اَنَّ کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔
- ﴿اَلَّذِيْنَ﴾ اسم موصول اَلَّذِیْ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے: ''وہ جو''
- ﴿كَفَرُوْا﴾ فعل ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ ''ک ف ر/کفر'' ہے جو ایمان کی ضد ہے۔ کفر کے لغوی معنی ''چھپانا اور ڈھانپنا'' کے ہیں۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے حق کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو چھپایا اور ظاہر ہونے میں رکاوٹ بنے، ان کے لیے کہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ کَفَرُوْا کے معنی ہیں کہ ''انہوں نے انکار کیا، حق کو ٹھکرایا۔''
- ﴿سَوَآءٌ﴾ سے مراد ایک ہی جیسا ہے۔ یعنی حق ان تک پہنچایا جائے یا نہ پہنچایا جائے۔
- ﴿ءَاَنْذَرْتَهُمْ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ ہے، اَنْذَرْتَ باب افعال کے فعل ماضی معروف سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور هُمْ (مفعول/منصوب متصل کی) ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔
- ﴿اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ﴾ میں اَمْ حرف عطف "لَمْ" نفی جحد "تُنْذِرْ" فعل مضارع سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ اور هم ضمیر کفار ہی کی طرف لوٹتی ہے۔ پورے جملے کے معنی ہیں: آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں
- ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ میں لا نفی کا اور يُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں: ''وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ﴿خَتَمَ﴾: فعل ماضی معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔
- ﴿عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ﴾ میں ''علٰی'' حرفِ جر، واو عاطفہ، قُلُوْب (قلب کی جمع) اور سمع (کان) مجرور ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔
- ﴿اَبْصَارِهِمْ﴾ میں اَبْصَار بصر کی جمع ہے اور ضمیر ھُمْ کفار کی طرف راجع ہے یعنی کفار کی آنکھیں۔
- ﴿غِشَاوَةٌ﴾ سے مراد پردہ ہے۔
- ﴿عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ مرکب توصیفی ہے۔ اس سے مراد ''بڑا عذاب'' ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿8﴾ يُخٰدِعُوْنَ
اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿9﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿10﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿11﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿12﴾

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان والے ہے ہی نہیں۔ وہ (اپنی طرف سے) اللہ اور اہل ایمان کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو ہی دھوکے میں مبتلا کیے ہوتے ہیں مگر ان کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بیماری کو بڑھا دیا ہے اور جو وہ جھوٹ بولا کرتے تھے، اس کے سبب ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں: بے شک ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! بے شک وہی مفسد ہیں لیکن وہ جانتے نہیں۔''

تشریح:

سورۂ بقرہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے چار ایات میں مومنوں کی صفات بیان کرنے کے بعد دو آیتوں میں کفار کے کفر کو اجاگر فرمایا۔ پھر ۱۳ آیات میں منافقوں کی منافقت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر فرمایا تا کہ اہل ایمان پر ان کی منافقت اچھی طرح عیاں ہو جائے اور ان کی دھوکہ دہی سے محفوظ رہیں۔ مذکورہ آیات مبارکہ میں ان کی منافقت کا بنیادی پہلو واضح کیا گیا ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کرتے پھرتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں ایمان کی بجائے اسلام دشمنی سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اپنے ظاہری ایمان کا چرچا کر کے ان کو یقین ہوتا ہے کہ اس طرح وہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا کیے ہوتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کو کون دھوکا دے سکتا ہے؟ جس سے زمین و آسمان کی کوئی شے پوشیدہ نہیں، جو علیم و

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خبیر اور علی کل شئ قدیر ہے، جس کا علم کل کائنات کو محیط ہے۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (الانعام:٥٩)

''اور جو بھی تری اور خشکی میں ہے، اسے اس کا علم ہے اور جو بھی پتا (زمین پر) گرتا ہے اسے وہ جانتا ہے۔ اور زمین کے اندھیروں (یعنی اس کی گہرائیوں) میں جو بھی دانہ ہے، اور ہر گیلی اور خشک چیز کا ذکر کتاب مبین میں موجود ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی اسی ایک صفت کو آج کا مسلمان اپنے سامنے رکھے تو بہک نہیں سکتا۔ منافقین چونکہ اللہ تعالیٰ کی اسی صفت (علم غیب) کی معرفت سے محروم تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اپنے دھوکے ہی میں غرق کر دیا۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ بڑی ہوشیاری اور چالاکی کا مظاہرہ کر رہے ہیں حالانکہ وہ اپنی تباہی اور بربادی کا سامان اکٹھا کر رہے تھے۔

منافقت کے بارے میں ہمارے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ جس شخص کے قول و فعل میں تضاد ہو وہ منافق ہوتا ہے۔ منافقت کی یہ تعبیر درست نہیں۔ منافق کے ظاہری قول و فعل میں موافقت ہوتی ہے لیکن اس کے باطن میں اسلام دشمنی پوشیدہ ہوتی ہے۔ جیسے ہی اس کو موقع ملتا ہے، وہ اسلام اور اسلامی تعلیم کا مذاق اڑاتا ہے، اسلام دشمن طاقتوں کا بھرپور ساتھ دیتا ہے۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھا کرتا تھا، آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرتا تھا، آپ ﷺ کے رسول حق ہونے کا اقرار کیا کرتا تھا لیکن جب آپ کو سخت مدد کی ضرورت تھی تو جنگ احد کے موقع پر اپنے ساتھیوں سمیت الگ ہوگیا۔ بخاری و مسلم کی روایات کے مطابق آپ نے اس کا جنازہ پڑھایا، اپنا مبارک کرتہ اس کا کفن بنایا لیکن آسمان سے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَا تُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ (التوبۃ:٨٤)

''ان میں سے کوئی ایک مر جائے تو آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھانی اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہونا ہے۔ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ فاسق تھے۔'' (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله استغفر لهم أو لا ...... حديث: ٤٦٧٠، صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين و احكامهم، باب صفات المنافقين ...... حديث: ٢٨٨٤)

عبداللہ بن ابی آپ کی مدنی زندگی میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو دھوکا دے رہا ہے، لیکن اس کی موت پر اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ وہ کافر و فاسق تھا۔ کافر کا کفر تو واضح ہوتا ہے لیکن منافق دونوں جانب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا ساتھ اس لیے دیتا ہے کہ ان سے اپنی جان، عزت اور مال کی حفاظت کا خواہش مند ہوتا ہے۔ کفار کے سامنے اپنے دل کی بات اس لیے کہتا ہے کہ حقیقت میں وہ ان کا ہی ساتھی ہوتا ہے۔ منافق لوگ مسلمانوں کے ملکوں میں فتنہ و فساد

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برپا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں لیکن مسلمانوں کو تاثر یہ دیتے ہیں کہ ہم اصلاح کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمادیا ہے کہ وہی اصلاح کے لبادے میں فسادی ہیں۔ ان کا المیہ یہ ہے کہ ان کو خود بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ منافق ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے پر ڈٹے رہتے ہیں۔ یہی وہ دھوکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو مبتلا رکھتا ہے۔ اگر پاکستان میں ایمان داری کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو بڑے بڑے لوگوں کی اکثریت اسی بیماری کا شکار نظر آئے گی۔

حلِّ اللغات:

- ﴿النَّاسِ﴾ انسان اور انسانۃ کی جمع علی غیر اللفظ ہے اور اس کی اصل کے بارے میں تفسیر قرطبی میں منقول ہے کہ یہ "النَّوس" سے ہے جس کا معنی حرکت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نَسِیَ سے ہے۔ سورۃ طٰہٰ: (۱۱۵) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ ﴾

''اور آدم کو ہم نے پہلے ہی تاکید کی تھی مگر وہ بھول گیا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ((نَسِيَ آدَمُ عَهْدَ اللهِ فَسُمِّيَ اِنْسَانًا)) کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ بھول گئے، اس لیے ان کو انسان کہا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((نَسِيَ اٰدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ)) آدم علیہ السلام بھول گئے، ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ امام قرطبی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کی اصل اُنس ہے۔ ((سُمِّيَ اِنْسَانًا لِاُنْسِهٖ بِحَوا)) آدم علیہ السلام کو اس بنا پر انسان کہا گیا کہ ان کو حواء سے اُنس تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جو اُنس ان کو اپنے رب سے تھا۔ ایک شاعر کا شعر ہے:

وَمَا سُمِّيَ الْاِنْسَانُ اِلَّا لِاُنْسِهٖ

وَلَا الْقَلْبُ اِلَّا اَنَّهٗ يَتَقَلَّبُ

''انسان کا نام انسان اس کے اُنس کی وجہ سے رکھا گیا اور دل کو دل اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حرکت میں رہتا ہے۔''

- ﴿يُخٰدِعُوْنَ۔ يَخْدَعُوْنَ اور يَشْعُرُوْنَ﴾ فعل مضارع معروف سے جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ يُخٰدِعُوْنَ۔ باب مفاعلہ سے اور يَخْدَعُوْنَ باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے۔ دونوں کا معنی دھوکا دینا ہے۔ يَشْعُرُوْنَ سے پہلے ما ''نافیہ ہے اور معنی یہ ہیں: ''وہ جانتے نہیں ہیں۔''
- ﴿ مَرَضٌ ﴾ کا لغوی معنی بیماری ہے لیکن یہاں منافقوں کے دلوں میں جو ٹیڑھا پن ہے اس کو واضح کرنے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ جسمانی بیماری کا علاج تو بیماری کے مطابق کیا جاتا ہے لیکن نفاق جیسی بیماری کا علاج بہت مشکل ہوتا ہے، کیونکہ وہ دلوں کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔
- ﴿فَزَادَ﴾ میں ف حرف عطف ہے اور زاد باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، جس کا معنی ہے ''بڑھا دیا''
- ﴿ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ مرکب توصیفی ہے۔ اور معنی ہیں: ''دردناک عذاب''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿ قِيلَ ﴾ باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور معنی ہے: ''کہا گیا'' اس سے پہلے اذا ہے۔ جب وہ ماضی پر آئے تو اس کا معنی مستقبل میں کر دیتا ہے۔

❁ ﴿مُصْلِحُونَ اور المُفْسِدُونَ﴾ آپس میں ضدین ہیں۔ مُصْلِحُونَ کا معنی: اصلاح کرنے والے اور المُفْسِدُونَ کا معنی ہے: فتنہ فساد برپا کرنے والے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَآ آمَنَ النَّاسُ قَالُوٓا أَنُؤْمِنُ كَمَآ آمَنَ السُّفَهَآءُ ۗ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿13﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوٓا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيٰطِينِهِمْ قَالُوٓا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿14﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿15﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدَىٰ ۖ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿16﴾

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح لوگ ایمان لائے تم بھی ایمان لے آؤ۔ تو کہتے ہیں: کیا ہم اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح بیوقوف ایمان لے آئے۔ آگاہ ہو جاؤ! بے شک وہی بیوقوف ہیں لیکن وہ جانتے نہیں۔ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے طاغوتی سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ بے شک ہم (اہل ایمان سے) مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حقیقت میں ان سے مذاق کر رہا ہے اور ان کو گمراہی میں ڈھیل دے رہا ہے اور وہ (اسی میں) بھٹک رہے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو خریدا۔ پس ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ دیا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہونے والے تھے۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں منافقوں کی منافقت کو مزید اجاگر کیا گیا ہے کہ اہل ایمان کے بارے میں ان کو غلط فہمی تھی کہ وہ لوگ دین کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے محمد ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ اپنی گمراہی کو وہ حق اور سچ سمجھتے تھے جب کسی انسان کی کیفیت اس انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اس کا معاملہ پھر صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اصلاح تو اس کی ہوتی ہے کہ جس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن جو دوسروں کو بیوقوف سمجھے اور اپنے آپ کو عقل مند تو شیطان اس پر ہمیشہ مسلط رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے اس رویے کو قرآن حکیم میں بیان فرما دیا تاکہ امت محمدیہ اس سے محفوظ رہے۔ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو ٹھکرانے والے جب کہتے کہ کیا اس طرح ہم ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب خود ارشاد فرمایا کہ درحقیقت یہی لوگ بیوقوف ہیں، ان کی بدنصیبی یہ ہے کہ ان کو اس کا علم نہیں۔ اہل ایمان کے سامنے تو اپنے ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن ایمان کی نعمت سے محروم رہنے والے بڑے بڑے لوگوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پاس جب اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ اہل ایمان کے سامنے ہم جو کچھ کہتے ہیں، وہ ان سے مذاق ہے۔ اسی دھوکہ دہی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دھوکے میں مبتلا رکھا۔ سورۃ توبہ میں ان کے لیے اعلان کر دیا۔

﴿ وَعَدَاللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ والْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَجَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴾(التوبة: ٦٨)

''اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اورعورتوں اور کفار سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی ان کو کافی ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہوگا۔''

سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَلَهُمْ نَصِيْرًا ﴾(النساء: ١٤٥)

''بے شک منافق (جہنم کی) آگ کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے اور آپ ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''

منافقوں کا ایمان کے بارے میں ایسا رویہ اختیار کرنا، ان کے تذبذب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سورۃ نساء ہی میں اللہ تعالیٰ نے یوں واضح فرمایا:

﴿مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَلَهٗ سَبِيْلًا ﴾(النساء: ١٤٢)

''وہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ نہ ادھر کے ہوتے ہیں اور نہ ادھر کے اور جس کو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی کی وجہ سے گمراہ کر دے تو آپ اس لیے کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

پھر ان کا انجام یہی ہوتا ہے کہ اپنی گمراہی میں ہی وہ غرق رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے کر پریشان اور حیران رکھتا ہے کبھی وہ اسلام کو سچا اور کبھی غلط سمجھتے ہیں۔ منافقوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ دنیا میں وہ اللہ اور اس پر ایمان لانے والوں سے تو مذاق کرتے ہیں لیکن ایک دن ایسا آئے گا کہ ان سے بھی مذاق ہوگا۔

﴿ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴾ (المطففين: ٣٤)

''پس اس دن کفار کے انجام کو دیکھ کر اہل ایمان ہنسیں گے۔''

﴿ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴾ (المطففين: ٣٥)

''جنتی تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔''

﴿ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾(المطففين: ٣٦)

''کفار جو کچھ کیا کرتے تھے۔ کیا ان کو اس کا بدلہ مل گیا؟''

جو لوگ جس رنگ میں دین کی تعلیم کو ٹھکراتے ہیں، ان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے ہمیں آگاہ کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ انھوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو خریدا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جنہوں نے ایمان کی بجائے کفر کو پسند کیا۔ کیونکہ ایمان تو ان کے پاس تھا ہی نہیں لہٰذا وہ ایمان کے بدلے میں گمراہی کیسے خرید سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اشتراء کا معنی شراء کی بجائے استحبوا کیا ہے۔ گھاٹے، نقصان کو واضح کرنے کے لیے تجارت کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ یعنی منافقوں نے ہدایت کو ٹھکرایا اور گمراہی کو اپنایا اور انہوں نے ایسا کرنے میں نقصان ہی اٹھایا اور اپنے اسی رویہ کی بنا پر وہ ہدایت سے بھی محروم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو نازل فرما کر اس کی حفاظت کا ذمہ اس لیے لے رکھا ہے۔ تاکہ ہم اس کو پڑھیں اور اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ اس کو سمجھ کر ہر قسم کی منافقت سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں اور دین حق کی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق کے اللہ تعالیٰ سے طلب گار رہیں۔

حلِّ اللغات:

❁ ﴿اٰمِنُوْا﴾ اٰمَنَ یُؤْمِنُ سے فعل امر حاضر جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: ایمان لے آؤ۔ اٰمَنَ کا معنی ہے: وہ ایمان لایا۔ نُؤْمِنُ کا معنی ہے: ہم ایمان لائے ہیں یا لائیں گے۔ اٰمَنَّا: کا معنی ہے: ہم ایمان لائے۔ یہاں ایمان لانے سے مراد سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق ہے۔

❁ ﴿السُّفَهَآءُ﴾ السَّفِیْهِ کی جمع ہے اور اس سے مراد بیوقوف لوگ ہیں۔ عربوں میں جو کپڑا پہنتے ہوئے گھس جائے۔ پرانا اور ردی ہو جائے اور جس کو اچھی طرح سے نہ بُنا گیا ہو، اس کو ﴿ثَوْبٌ سَفِیْهٌ﴾ کہتے ہیں۔ السَّفَهُ کی ضد الحلم ہے۔ یعنی حلم (عقل) کی ضد بیوقوفی ہے۔

❁ ﴿لَقُوْا﴾ اور ﴿خَلَوْا﴾ دونوں فعل ماضی جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں اور ابواب ناقص میں سے ہیں۔ پہلا لَقِیَ یَلْقٰی اور دوسرا خَلَا یَخْلُوْا ہے۔ دونوں سے پہلے اذا ہے۔ جس سے معنی بنتا ہے۔ جب وہ کھلے طور پر ملتے ہیں اور تنہائی میں الگ ہو کر بات کرتے ہیں۔ امام قرطبی نے خَلَوْا کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ ذھبوا وانصرفوا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ بعد میں شَیٰطِیْنِهِمْ آیا ہے۔ یعنی جب وہ اپنے شیطانوں کی طرف جاتے ہیں یا لوٹ کر واپس آتے ہیں۔ شَیَاطِیْن: سے مراد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق کفار کے سردار ہیں۔

❁ ﴿مُسْتَهْزِئُوْنَ﴾ مُسْتَهْزِءٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد جھٹلانے اور مذاق کرنے والے ہیں۔

❁ ﴿یَمُدُّهُمْ﴾: میں هُمْ ضمیر استهزاء کے مرتکب ہونے والوں کی طرف لوٹتی ہے اور یَمُدُّ: فعل مضارع واحد مذکر غائب ہے۔ اللہ اس کا فاعل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہا ہے۔

❁ ﴿فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ میں فی حرفِ جر اور طُغْیَانِهِمْ سے مراد ان کا کفر و ضلالت اور حدوں سے تجاوز کرنا ہے۔

❁ ﴿یَعْمَهُوْنَ﴾ فعل مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: وہ اپنی گمراہی میں حیران و پریشان ہو کر بھٹک رہے ہیں۔

❁ ﴿فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾ کا معنی ہے: پس ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿17﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿18﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿19﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿20﴾

''ان (منافقوں) کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص نے آگ بھڑکائی اور جب اس کا اردگرد روشن ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے ان (منافقین) کی روشنی کو ختم کر دیا اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے وہ دیکھ نہیں رہے۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں پس وہ نہیں لوٹیں گے۔ ان کی مثال آسمان سے برسنے والی بارش کی طرح ہے جس میں اندھیرے، کڑک اور بجلی ہو۔ زبردست کڑک کی وجہ سے اپنے کانوں میں وہ اپنی انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں تاکہ موت سے بچ جائیں۔ حالانکہ اللہ کافروں کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو اچک لے۔ جب بجلی ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو اس میں وہ چلتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان کی قوتِ سماعت اور بینائی ختم کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی منافقت کو واضح کرنے کے لیے دو بڑی خوبصورت مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی مثال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ نور اور نار کے درمیان جو فرق ہے اس سے آگاہی حاصل ہو جائے۔ نور اور نار دونوں کا مادہ ''ن و ر'' ہی ہے، اسی لیے نار کی تصغیر نُوَيْرَةٌ اور جمع نِيْرَانٌ ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں لفظ ''نور'' آیا ہے وہاں بھلائی کا تصور ابھرتا ہے جب کہ نار کو خوف کا ذریعہ بنایا گیا ہے، حالانکہ روشنی نور سے بھی حاصل ہوتی ہے اور نار بھی اس کا سبب ہے۔ لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نار کی مثال اس لیے دی کہ عربوں میں رواج تھا کہ جب کوئی معاہدہ کرتے تو آگ جلا کر اس میں نمک ڈالتے اگر چٹکتا تو اس کو اپنے معاہدے کی مضبوطی جانتے۔ اس آگ کو نار التهويل کہا جاتا۔ اسی طرح رات کے وقت آگ کسی بلند جگہ پر روشن کی جاتی، تاکہ گزرنے والا مسافر وہاں آئے اور مہمان نوازی کا لطف اٹھائے۔ اس آگ کو نار القریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جتنی زیادہ آگ نمایاں کی جاتی اتنا ہی فخر کا ذریعہ بنتی۔ جنگ کا اعلان کرنے کے لیے بھی آگ بھڑکائی جاتی تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔ اس کا نام نار الانذار رکھا گیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ جنگ کے لیے جب عرب کہیں جاتے ہوئے پڑاؤ ڈالتے تو کثرت سے آگ روشن کرتے۔ تاکہ ان کی تعداد میں کثرت کا پہلو نمایاں رہے۔ اس آگ کو نَارُ الاسْتِکْثَار پکارا جاتا تھا۔

اسی لیے عربوں کو سمجھانے کے لیے آگ کی مثال دی کہ منافقین کے دلوں میں ایمان کی روشنی جب پیدا ہوتی ہے تو ان کی منافقت کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان کو گمراہی میں ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ نور سے محروم ہو کر نار کا ایندھن بننا ان کا مقدر ہو جاتا ہے۔ پھر منافقت ایسا رنگ اختیار کرتی ہے کہ نور والی کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ ہدایت قبول کرنے کے سلسلے میں بہرے گونگے اور اندھے ہو جاتے ہیں۔ ایمان کی روشنی کی طرف ان کا رجوع ممکن نہیں رہتا۔ سورۃ المنافقون: (۳) میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴾

''یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے۔ پھر انہوں نے کفر کیا۔ پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ پس وہ سمجھتے نہیں''

منافقوں کے بارے میں دوسری مثال آسمان سے برسنے والی ایسی بارش کی دی گئی ہے جس کے ساتھ دن کے اجالے کو اندھیرے میں تبدیل کرنے والے بادل ہوں۔ جن میں گرج بھی ہو۔ اس کڑک سے بچنے کے لیے منافق لوگ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہوں۔ اس مثال میں بھی ان کے ایمان کی کیفیت کو واضح کیا گیا ہے یعنی بارش اللہ تعالیٰ کی عموماً رحمت ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کے ساتھ تہ بہ تہ سیاہ بادل ہوں اور ان میں گرج اور بجلی کی چمک بھی ہو۔ بجلی کے چمکنے کے ساتھ خوفناک کڑک بھی ہو تو اس سے دل دہل جاتے ہیں۔ اسی طرح ایمان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، دنیا اور آخرت کو سنوارنے کا سبب اور ذریعہ ہے، لیکن جب اس کے ساتھ منافقت کے مختلف پہلو بھی شامل ہوں تو منافقوں کے دلوں میں خوف سمایا رہتا ہے کہ کہیں اہل ایمان ان کی منافقت سے آگاہ نہ ہو جائیں اور دنیا میں ہی ان کو اس کی سزا نہ مل جائے۔ بادلوں میں سے جب بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی ایک لمحہ کے لیے ہوتی ہے۔ اندھیرے میں چلنے والا اتنی کم مدت میں راستہ کیسے تلاش کر سکتا ہے۔ یہی کیفیت منافقوں کے ایمان کی ہوتی ہے۔ منافقت سے نکلنے کے لیے ان کا ایمان ان کو فائدہ نہیں دیتا۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ » امام مسلم نے یہ بھی نقل کیا ہے۔ « وَ اِنْ صَامَ وَ صَلّٰی وَ زَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ » (صحیح البخاری کتاب الایمان، باب علامات المنافق، حدیث:۳۳، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق، حدیث:۵۹)

''منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اگرچہ وہ روزے رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ کفار اس کے گھیرے میں ہیں۔ قادر مطلق ہونے کے ناطے وہ چاہے تو ان کی قوتِ سماعت اور بینائی ختم کر دے، لیکن اپنے قانون کے تحت وہ ان کو ڈھیل دے رہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ایمان داری کے ساتھ ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی اکثریت شعوری یا غیر شعوری طور پر منافقت کا شکار ہے۔

حلِّ اللغات:

- ﴿مَثَلُهُمْ﴾ میں ھم ضمیر منافقوں کی طرف راجع ہے۔ یعنی منافقوں کی مثال۔ اہل لغت کے نزدیک مَثَلٌ مِثْلٌ اور مَثِيلٌ ایک ہی معنی یعنی تشبیہ و تمثیل کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔
- ﴿اِسْتَوْقَدَ﴾ باب استفعال سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور ﴿نَارًا﴾ اس کا مفعول ہے۔ اس کا معنی ہے: ''اس نے آگ بھڑکائی۔''
- ﴿ظُلُمٰتٌ﴾ ظلمۃ کی جمع ہے۔ اس سے مراد اندھیرے ہیں۔
- ﴿يُبْصِرُوْنَ﴾ باب افعال سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے، لائے نفی کی وجہ سے معنی ہیں: وہ دیکھتے نہیں۔
- ﴿صُمٌّ. بُكْمٌ. عُمْيٌ﴾ تینوں اسمائے صفت ہیں اور جمعِ مکسر ہیں۔ ان کے واحد علی الترتیب یہ ہیں ''اَصَمُّ (بہرا) اَبْكَمُ (گونگا) اَعْمٰی (اندھا) یعنی منافق بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ جس طرح بہرے گونگے اور اندھے کو دنیا کی بہت سی نعمتوں سے فائدہ نہیں پہنچتا، اسی طرح منافق لوگ حق پانے سے محروم رہتے ہیں۔
- ﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ میں او بمعنی ''واؤ'' (اور) ہے۔ جیسا کہ امام طبری سے منقول ہے۔ کصیب میں ''کاف'' حرفِ جر (تشبیہ کا) اور صیب اسی کی وجہ سے مجرور ہے۔ من حرف جر اور السمآء مجرور ہے۔ جملے کے معنی ہیں ''اور منافقوں کی مثال آسمان سے برسنے والی بارش کی طرح ہے۔
- ﴿رَعْدٌ﴾ سے مراد گرج اور ﴿بَرْقٌ﴾ سے مراد بادلوں میں چمکنے والی بجلی ہے۔
- ﴿الصَّوَاعِقِ﴾ الصاعقۃ کی جمع ہے۔ جب گرج میں شدت پیدا ہو جائے تو اس کو الصاعقۃ کہا جاتا ہے۔ سورۂ اعراف: ۱۴۳ میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی اور اسے ریزہ ریزہ کر دیا تو ﴿خَرَّ مُوسٰى صَعِقًا﴾ ''موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر گئے۔'' یعنی تجلی میں ایسی کڑک تھی جسے موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے۔
- ﴿مُحِيْطٌ﴾ سے مراد گھیرنے والا ہے۔
- ﴿يَكَادُ﴾ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ حصولِ خبر کے قرب کے لیے یہ فعل استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ہے: قریب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿21﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا، پھر تمہارے لیے پھلوں کا رزق تیار

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾	کیا۔ پس تم اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو۔"

تشریح:

سورۂ بقرہ کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اپنے خالق و مالک کی ہی عبادت کریں، اس کی ذات و صفات اور عبادت میں کسی اور کو اس کا شریک قطعاً نہ بنائیں اور نہ ہی کسی کو اس کے برابر سمجھیں۔ کیونکہ انسانوں اور تمام کائنات کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ اکیلا ہی خالق ہے اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے، اس کی حقیقی بادشاہت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ سورۂ فرقان: (۲،۳) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا o وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴾

"وہی ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اس نے (اپنے لیے) کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس ساری بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے ہر چیز کی تخلیق کی اور اس کا بہترین اندازہ کیا۔ اور لوگوں نے (یعنی کفار و مشرکین نے) اس کے علاوہ معبود بنا لیے۔ حالانکہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ نہ وہ اپنے نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ موت و حیات اور موت کے بعد دوبارہ اٹھانے کے مالک ہیں۔"

شرک کا مرتکب ہر شخص اگر سورۃ الفرقان کی مذکورہ آیات پر ایمان داری کے ساتھ غور کرے تو اس کے شرک کا ابطال خود بخود ہو جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ خود اعلان کر دے کہ اس کے علاوہ جن کو پکارا جاتا ہے یا جن سے مدد اور نصرت کی التجا اور دعا کی جاتی ہے، ان کو خود اپنے لیے کوئی اختیار نہیں۔ اپنے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں تو دوسروں کے لیے وہ کیا کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ وضاحت سورۃ النحل: ۲۰، ۲۱ میں ہوتی ہے:

﴿ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ o اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴾

"اور جنہیں یہ لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ مردہ ہیں، ان میں زندگی نہیں اور ان کو (یہ بھی) معلوم نہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا!"

یہاں اموات سے بات پوری ہو جاتی ہے لیکن ﴿غیر احیآء﴾ کے ساتھ ہر قسم کا شک و شبہ دور کر دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان لوگوں کی بھی نفی ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شرک صرف بتوں تک محدود ہے۔ یعنی بتوں کو پکارنا، ان کی عبادت کرنا اور ان سے مشکلات اور مصائب کو دور کرنے کی دعا کرنا ہی شرک ہے، اہل قبور سے استعانت شرک کے زمرے میں نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے واضح فرما دیا کہ اللہ کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں یعنی اللہ کے سوا جس کو بھی پکارا جائے گا، چاہے وہ اہل قبور ہوں یا کوئی اور وہ کسی بھی شے کے خالق نہیں اور نہ ہی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں مومنوں، کافروں اور منافقوں کی صفات بیان کرنے کے بعد خالصتاً اپنی عبادت کا حکم دیا۔ ساتھ وجہ بھی بیان فرما دی کہ اللہ اکیلا انسانوں، زمین اور آسمانوں کا نہ صرف خالق ہے، بلکہ انسانوں کی خوراک کا بندوبست بھی وہی کرنے والا ہے۔ اس نے اس کی ہلکی سی جھلک بھی دکھا دی کہ وہ کس طرح آسمان میں بادلوں کو جمع کر کے ان میں سے پانی برساتا ہے۔ جس سے پھل، اناج اور سبزہ اُگاتا ہے۔ پانی نہ برسے تو قحط سالی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی انسان نے غور ہی نہیں کیا کہ وہ تو کھیت میں ہل چلا کر بیج ڈال دیتا ہے۔ آگے اس بیج کو زندگی اور پھر ہریالی کون عطا کرتا ہے۔ پھر اسی ہریالی میں دانے کون لگاتا ہے۔ اے انسان! تو پھلوں کے چھوٹے چھوٹے پودے زمین میں دباتا ہے، ان کو درختوں کی صورت میں پروان کون چڑھاتا ہے؟ جن پر طرح طرح کے مزے دار پھل لگتے ہیں اور انسانوں کے لیے رزق بن جاتے ہیں۔ کوئی بیچتا ہے تو کوئی کھاتا ہے۔

اے انسان! تو نے اپنی تخلیق پر غور نہیں کیا۔ تیری تخلیق کا آغاز کیسے ہوتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں تجھے خوراک کون پہنچاتا ہے۔ ماں کے پیٹ کے اندھیروں میں تیری پرورش کون کرتا ہے۔ تیری پیدائش کے بعد تیری ماں کا دودھ تیری خوراک کون بناتا ہے۔ تو نے کبھی اپنی بناوٹ پر غور نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے کتنا خوبصورت بنایا۔ تجھے صحت وعافیت سے نوازا۔ تجھے بے حساب اور لاتعداد نعمتوں سے مالا مال کیا۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان عام ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (النحل:۱۸)

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔''

اس کے باوجود کوئی بدنصیب اپنے رب حقیقی کے علاوہ کسی اور کو پکارے اس کے در پر جا کر اللہ کا حق اس کو دے تو یہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان: (۱۳) میں فرمایا:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾

''بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔''

ظلم کا معنی ہے: "وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ" یعنی کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھ دینا۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ جب اس میں شرک کی ملاوٹ ہو جائے گی تو اس کے مرتکب ہونے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے محروم کر دے گا۔ سورۃ المائدہ:۷۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾

''جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے۔ اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی جب تک شرک سے وہ تائب نہیں ہوگا، جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات ہی میں اپنی مخلوق کو اپنے حقیقی خالق کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے، تاکہ کسی کے بہکاوے میں آ کر انسان شرک میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت برباد نہ کرے۔ انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائے۔

حلّ اللغات:

- ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ﴾ میں ''یا'' حرف نداء ''اَیُّ'' منادٰی ''ھَا'' تنبیہ کے لیے اور ''اَلنَّاسُ'' نحویوں کے مطابق اَیُّ کی صفتِ مرفوع ہے اور یہ دنیا کے تمام لوگوں سے خطاب ہے۔ اس میں کفار، یہود و نصاریٰ اور دیگر تمام لوگ شامل ہیں۔ یعنی اے لوگو!
- ﴿اُعْبُدُوْا﴾ فعل امر حاضر سے جمع مذکر کا صیغہ ہے اور ﴿رَبَّکُمْ﴾ اس کا مفعول ہے اور معنی ہیں: ''اپنے رب کی عبادت کرو۔'' عبادت سے مراد اطاعت، تَعَبُّد، تَنَسُّک ہے خضوع و تذلل اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کے دین کے مطابق عمل کرنا ہے۔
- ﴿لَعَلَّکُمْ﴾ میں لعل رجاء (امید) اور توقع کے لیے استعمال ہوا ہے، جب کہ کم ضمیر خطاب ہے جو النَّاس کی طرف راجع ہے۔
- ﴿تَتَّقُوْنَ﴾ وقایۃ (مادہ و ق ی) سے مشتق ہے جس کے معنی ''پرہیز، احتیاط، بچاؤ اور ڈھال'' وغیرہ کے ہیں۔ یہ باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور اس کے معنی ہیں: ''تم متقی بن جاؤ'' یعنی جہنم کی آگ سے بچ جاؤ۔
- ﴿فِرَاشًا﴾ سے مراد بچھونا اور ﴿بِنَآءً﴾ سے مراد چھت ہے۔ یعنی زمین تمہارے لیے بچھونا اور آسمان تمہارے لیے چھت ہے۔
- ﴿مَآءً﴾ پانی، مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
- ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا﴾ فعل نہی سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔
- ﴿اَنْدَادًا﴾ اس کا مفعول ہے، جو نِدٌّ کی جمع ہے۔ معنی یہ: ''اللہ کے شریک نہ بناؤ۔'' یعنی اس کی ذات و صفات اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ایک شاعر کا شعر اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

نَحْمَدُ اللّٰهَ وَلَا نِدَّ لَهٗ
عِنْدَهُ الْخَيْرُ وَمَا شَآءَ فَعَلَ

''ہم اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف کرتے ہیں جب کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی کے پاس ہر قسم کی بھلائی ہے اور جو چاہتا ہے، وہ کرتا ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿23﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿24﴾

''اور اگر تم اس کے بارے شک کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمایا، تو تم اس کی مثل ایک سورۃ ہی بنا لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے سب معبودوں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ اگر تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہیں کرسکو گے، تو اس آگ سے بچ جاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ وہ (آگ) کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق و تائید بڑے ہی خوبصورت انداز میں بیان فرمائی گئی ہے۔ چونکہ اہل مکہ آپ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ اس پر کچھ بھی نازل نہیں ہوتا۔ سورۃ النحل :۱۰۳ میں کفار کا قرآن حکیم کے بارے میں جو کہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمایا ہے:

﴿ يَقُوۡلُوۡنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ﴾

''وہ کہتے ہیں کہ اس کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔''

یعنی اسے کوئی سکھاتا ہے اور یہ ہمیں آ کر سناتا ہے۔ دوسرا تصور یہ تھا کہ یہ خود گھڑ کر ہمیں پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی باطل سوچوں کا خود جواب ارشاد فرمایا۔ اگر تمہیں ہمارے رسول کی رسالت مشکوک دکھائی دیتی ہے۔ اس پر نازل ہونے والے کلام کو تم حق نہیں سمجھتے۔ تو تم بھی ویسا کلام بنا کر دکھا دو۔ یہاں یہ اہم بات بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر جب قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا۔ اس وقت عربی زبان اپنے عروج پر تھی۔ اہل عرب اپنے مقابلے میں زبان دانی کے اعتبار سے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ شعر گوئی میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو چیلنج دیا کہ تم بھی ایسا کلام بنا کر دکھاؤ۔ سورۃ بنی اسرائیل: (۸۸) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴾

''تم کہہ دو کہ اگر سارے انسان اور جن اکٹھے ہو کر اس قرآن کی مثل (کوئی کلام بنا کر) لانا چاہیں تو اس کی مثل (بنا کر) نہیں لا سکتے، اگرچہ سب ایک دوسرے کے مدد و معاون بن جائیں۔''

لیکن کسی بھی بڑے سے بڑے شاعر کو جرأت نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کلام بنانے کی کوشش کرتا۔ اسد الغابۃ (ج ۴ ص ۵۱۴۔۵۱۵) میں ایک روایت ہے کہ حضرت لبید رضی اللہ عنہ بن ربیعہ عرب کے بہت بڑے شاعر تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے ان کو مالا مال فرمایا تو انہوں نے شعر گوئی بند کر دی۔ ایک موقع پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کہا کہ اپنے اشعار میں سے چند شعر سنائیں۔ تو کہا۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران یاد کرائی ہے۔ تب سے میں نے شعر کہنے چھوڑ دیئے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ بات اتنی اچھی لگی کہ انہوں نے ان کے وظیفے میں پانچ سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ تفسیر ابن کثیر ص ۶۲ میں مروی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب مسلمان نہ ہوئے تھے تو ان دنوں وہ مسیلمہ کذاب کے پاس گئے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ مکہ میں کوئی نئی سورۃ نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ایک چھوٹی سی سورۃ نازل ہوئی ہے جو بے حد فصیح و بلیغ اور انتہائی جامع ہے۔ پھر سورۃ العصر اس کو سنا دی۔ مسیلمہ کذاب نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورۃ کا نزول ہوا ہے۔ وہ یہ ہے:

یاوبر یا وبر۔ انما انت اذنان و صدر وسائرك حقر وفقر۔

''چوہے اے جنگلی چوہے، تیرا وجود دو کانوں اور سینے کے سوا کچھ نہیں۔ باقی تو سراسر ہیچ و ناچیز ہے۔''

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پھر کہنے لگا: ''کَیْفَ تَرٰی؟'' کیا خیال ہے؟ یعنی کیسا کلام ہے؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''وَاللّٰهِ لَتَعْلَمُ اَنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ تَكْذِبُ'' (اللہ کی قسم! تو جانتا ہے کہ مجھے معلوم ہے بے شک تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔)

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''اگر لوگ غور و تدبر اور عقل و ہوش سے صرف سورۃ العصر ہی سمجھ لیں تو ان کو کفایت کرے۔''

صحیح بخاری مع الفتح (۶۱۹/۸) اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نبی علیہ السلام کو ایسے معجزے دیئے گئے جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ تعالیٰ کی وحی یعنی قرآن حکیم ہے۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ میری اتباع کرنے والوں کی تعداد دوسرے نبیوں کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔'' (صحیح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم الى جميع الناس ونسخ...... حديث: ۱۵۲)

مسلمانوں کی اکثریت آج آپ کے معجزے سے فائدہ نہیں اٹھا رہی اس ضابطۂ حیات کو چھوڑ کر طاغوتی ضابطوں کی پیروی کر رہی ہے۔ حالانکہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ دنیا اور آخرت میں خیر و برکت کا ضامن ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ))(صحيح البخارى، كتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن و علمه، حديث:۵۰۲۷)

''تمہارا بہترین شخص وہ ہے کہ جو قرآن پڑھے اور پھر دوسروں کو پڑھائے۔''

مسلم کی روایت کا حصہ ہے: ''قرآن پڑھا کرو قیامت کے روز تمہارا شفیع ہوگا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: ''اس کو نظر انداز کرتے ہوئے جب مسلمان کہیں اور بھلائی کا متلاشی ہوگا تو سوائے ذلت اور رسوائی کے کچھ نہیں پائے گا۔''

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب فضل قراءة القرآن و سورة البقرة، حديث:۸۰۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح مسلم میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ أَقْوَامًا وَ يَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ))(صحیح مسلم ، کتاب الصلوٰۃ ، باب فضل من قوم بالقرآن و یعلمه……حدیث:۸۱۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (یعنی قرآن حکیم کے مطابق عمل کرنے) کی وجہ سے بہت سی قوموں کو بلند کرتا ہے اور بعض دیگر قوموں کو اس (کی تعلیمات ٹھکرانے) کی وجہ سے ذلیل کر دیتا ہے۔''

ان کا انجام وہ ہوگا کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں کر دیا ہے۔ ان میں نہ صرف شک و شبہ سے بچنے اور قرآن حکیم کو سچ و حق ماننے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ بلکہ اس آگ سے بھی محفوظ رہنے کی تلقین کی گئی ہے کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور وہ ایسی آگ ہوگی کہ جس کی تیزی میں کمی واقع ہونے کا کوئی امکان نہ ہوگا۔

حلِّ لغات:

- ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ﴾ میں واو عاطفہ، اِنْ شرطیہ، كُنْتُمْ فعل ماضی معروف سے صیغہ جمع مذکر حاضر، فِيْ حرفِ جر۔ رَيْبٍ اسم مجرور ہے اور جملے کے معنی ہیں: ''اور اگر تم شک میں ہو''
- ﴿ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا﴾ میں مِمَّا اصل میں مِنْ مَا تھا۔ مِنْ حرف جر اور مَا موصولہ ہے، نَزَّلْنَا اب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے، عَلٰى حرف جر، عَبْدِنَا مجرور ہے اور معنی ہیں: ''جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمایا'' عَبْدِ سے مراد محمد رسول اللہ ہیں۔ ﴿مِمَّانَزَّلْنَا﴾ سے مراد قرآن حکیم ہے۔
- ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ میں فَاْتُوْا: فعل امر حاضر جمع مذکر، ب حرفِ جر، سُوْرَةٍ مجرور، من حرف جر اور مِثْلِهٖ مجرور ہے۔ مِثْلِهٖ مراد اس کی مثل یعنی قرآن حکیم کی مثل تم ایک سورت ہی لے آؤ۔
- ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ میں واو عاطفہ، اُدْعُوْا فعل امر حاضر ہے جمع مذکر کا صیغہ مِنْ حرفِ جر اور دُوْنِ اللّٰهِ مرکب اضافی مجرور ہے۔ شُهَدَآءَكُمْ سے مراد ''اپنے مددگار'' ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اللہ کے علاوہ جو بھی تمہارے مددگار ہوسکتے ہیں، ان کو بلالو۔ یعنی قرآن حکیم کی ایک سورۃ جیسی سورۃ بنانے میں اپنی مدد اور نصرت کے لیے جسے چاہو بلالو۔
- ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ معنی ہیں: ''اگر تم سچے ہو''
- ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ میں اِنْ شرطیہ، ﴿لَمْ تَفْعَلُوْا ﴾ میں لَمْ نفی جحد۔ یہ فعل مضارع پر آکر اس کے آخر میں جزم دیتا ہے۔ اور معنی ماضی منفی میں کر دیتا ہے۔ لَنْ فعل مضارع کے آخر کو نصب دیتا ہے اور تاکیدی نفی کے ساتھ معنی کو مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ تَفْعَلُوْا۔ فعل مضارع جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ''اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔'' یعنی قرآن حکیم کی سورۃ کی مثل تم کوئی سورت نہیں بنا سکو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کفار مکہ کو چیلنج تھا۔ تاریخ گواہ ہے۔ اہل عرب میں سے کوئی بھی قرآن حکیم کی مثل کلام نہ بنا سکا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۞ ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ میں فَاتَّقُوا فعل امر حاضر جمع مذکر، النَّارَ اس کا مفعول، الَّتِىْ اسم موصول، وَقُوْدُهَا میں "ھا" ضمیر النَّارَ کی طرف راجع ہے اور وَقُوْد سے مراد وہ ایندھن ہے جس سے آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ النَّاسُ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کو ٹھکرانے والے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ الْحِجَارَةُ سے مراد گندھک کے وہ خاص پتھر ہیں جن سے آگ کو تیز کیا جائے گا۔

۞ ﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ کے معنی ہیں: "جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿25﴾

اور تم انہیں بشارت دے دو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ بے شک ان کے لیے ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جب بھی ان کو پھلوں کی صورت میں رزق دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا حالانکہ ان کو ملتے جلتے پھل دیے جائیں گے، اور ان باغات میں ان کے لیے صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿26﴾

بے شک اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بھی ہلکی چیز کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ پس جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے؟ (انہیں بتا دو کہ) اسی کے ذریعے وہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت سے نوازتا ہے اور وہ فاسقوں ہی کو گمراہ کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿27﴾

جو اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو (قسموں سے) مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جس کو ملانے کا حکم دیا، اس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ وہی لوگ گھاٹے والے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح:

چونکہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں کفار اور منافقین کی صفات کا ذکر ہوا اور ان کا جو انجام ہونے والا ہے اس کا بھی اعلان کر دیا گیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے والوں اور نیک اعمال کو اپنانے والوں کو بشارت دے دی کہ وہ جنتی باغات میں ہوں گے اور وہاں ان کا ٹھکانا عارضی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا))(صحيح البخاري كتاب الرقاق، باب مثل الدنيا في الآخرة،حديث:٦٤١٥)

''جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے۔ اس سے بہتر ہوگی۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر کوئی گھڑ سوار اس کے سایے میں ایک سو سال سفر کرتا رہے تب بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ جنت کی ایک عورت اگر دنیا پر اپنے آپ کو ظاہر کرے تو زمین اور جنت کے درمیان والی فضا روشن ہو جائے اور اس کی خوشبو ہر سو پھیل جائے۔

(صحيح البخاري، كتاب الجهاد، والسير، باب الحور العين و صفتهن، حديث:٢٧٩٦)

سورۂ فصلت میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے:

﴿ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴾(فصلت:٣١)

''اس میں تمہارے لیے وہ کچھ ہوگا جس کی تمہارے نفس خواہش کریں گے اور تمہارے لیے وہ کچھ (بھی) ہوگا جو تم مانگو گے''

یہاں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ ایمان کی تصدیق کرنے والے اعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے جہاں جزا کا ذکر قرآن حکیم میں ہوتا ہے وہاں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... ﴾

ہمارے ہاں بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا پڑھ لینا ہی مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے اور اسی وجہ سے بے عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی گرفت کا خوف پیدا نہیں ہوتا۔ جو سراسر شیطان کا بہکاوا ہے۔

منافقوں کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان کیں تو انہوں نے کہا: بھلا ایسی مثالیں دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا۔ وہ پروردگار ہونے کے ناطے جو چاہے بیان کرے۔ مچھر یا اس سے بھی ہلکی چیز کی مثال سمجھانے کے لیے بیان کرے۔ وہ حکمت والا ہے۔ اپنی حکمت کو وہی سمجھنے والا ہے۔ مچھر کی مثال کے بارے میں ربیع سے مروی ہے کہ جب مچھر بھوکا رہتا ہے تو زندہ رہتا ہے اور کھا کھا کر موٹا ہو جائے تو مر جاتا ہے۔ اس میں نکتے کی بات یہ ہے کہ کفار و منافقین کو اللہ تعالیٰ بے حساب دیتا ہے۔ تاکہ دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزار کر وہ جہنم کا ایندھن بن جائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مومنوں کا طرز عمل ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن حکیم کے بارے میں ان کے دل صاف اور شفاف رہتے ہیں اس کی ہر آیت پر ان کا یقین محکم ہوتا ہے۔ صرف اللہ کا ورد ان کی زبانوں پر جاری رہتا ہے۔ جب کہ انکار کرنے والے مختلف اعتراضات اور تاویلوں کے سہارے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اپنے اسی عمل کی بنا پر وہ دائرۂ اسلام سے نکل جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔ گمراہی ہی پر ان کی موت واقع ہوتی ہے۔ اپنی اسی گمراہی کی وجہ سے اللہ اور اس کے بندے کے درمیان جو عہد ہے اسے بھول جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (الذاریٰت: ۵۶)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

یعنی میرے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ گمراہ لوگوں کا معمول ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے، وہ ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ دین کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرتے ہیں۔ بے حیائی اور بے غیرتی کو عام کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ آخرت کے تصور کو مسخ کرتے ہوئے دنیا اور اس میں ملنے والی عزت و شہرت کو اہمیت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے فیصلہ فرما دیا کہ وہی گھاٹے والے ہیں۔ اس سے بڑھ کر نقصان کیا ہوگا کہ دنیا میں ملنے والی ہر چیز دنیا میں رہ جاتی ہے اور آخرت برباد ہوجاتی۔ نعوذ باللہ من ذلک.

حلِّ لغات:

- ﴿بَشِّرِ﴾ باب تفعیل سے فعل امر حاضر کا صیغہ واحد مذکر ہے اور معنی ہیں: ''تم بشارت دو۔''
- ﴿اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا﴾ دونوں فعل ماضی سے جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں۔
- ﴿الصّٰلِحٰتِ﴾ اَلصّٰلِحَۃُ کی جمع ہے اور عَمِلُوْا کا مفعول ہے اور معنی ہیں: ''جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔''
- ﴿جَنّٰتٍ﴾ جَنَّۃٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد ایسے باغات ہیں جن میں بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوں گے۔
- ﴿كُلَّمَا﴾ ''جب بھی''
- ﴿رُزِقُوْا. رُزِقْنَا اور اُتُوْا﴾ تینوں فعل ماضی مجہول کے صیغے ہیں۔ رُزِقُوْا سے مراد ''ان کو رزق دیا جائے گا۔'' رُزِقْنَا ''ہمیں رزق دیا گیا'' اُتُوْا سے مراد ''وہ دیے گئے۔''
- ﴿أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ مرکب توصیفی ہے۔ اَزْوَاجٌ چونکہ زَوْجٌ کی جمع یکسر ہے، اس لیے اس کی صفت مُطَهَّرَةٌ مؤنث لائی گئی ہے۔ اس سے مراد پاک صاف مطہر بیویاں ہیں جو اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو جنت میں نصیب ہوں گی۔
- ﴿خٰلِدُوْنَ﴾ خَالِدٌ کی جمع ہے جو خُلُوْدٌ سے اسم فاعل ہے۔ اس میں نیک لوگوں کے لیے بشارت ہے کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ﴿يَسْتَحْيٖ﴾ باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، جب کہ اس سے پہلے ''لا'' ہے، اس کے معنی ہیں: ''وہ شرماتا نہیں ہے۔''
- ﴿اَنْ يَضْرِبَ﴾ میں اَنْ: مصدریہ ہے اسی کی وجہ سے يَضْرِبَ کے آخر میں زبر آئی ہے۔ يَضْرِبُ: فعل مضارع معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کا عمومی معنی ہے: ''وہ مارتا ہے یا مارے گا۔'' لیکن یہاں يُبَيِّنُ (بیان کرے گا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
- ﴿مَثَلًا﴾ اس کا مفعول ہے۔
- ﴿بَعُوْضَةً﴾ (ب ع ض) سے فعولۃ کے وزن پر ہے اور اس کی جمع بَعُوْض ہے۔ اس سے مراد ''مچھر'' ہے۔
- ﴿مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا﴾ میں ماذا اسم واحد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کون سی شے کا ارادہ کیا ہے؟
- ﴿الْفٰسِقِيْنَ﴾ الفاسق کی جمع ہے۔ عربوں میں کسی شے سے خروج کو ''فسق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سورۂ کہف میں ابلیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ. (اپنے رب کے حکم سے وہ نکل گیا) یعنی اس کو نہ مانا، اطاعت گزاری کا مظاہرہ نہ کیا۔
- ﴿مِيْثَاقِهٖ﴾ میں میثاق سے مراد وہ عہد ہے جس کو قسم کھا کر پکا کیا جائے اور ضمیر ''ہ'' عہد کی طرف راجع ہے۔ اس سے مراد انسان کا اپنے خالق سے اس کی بندگی اور عبادت کا فطری عہد ہے جس کا وہ خیال نہیں کرتا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿28﴾	''تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو۔ حالانکہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر تمہیں وہ مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿29﴾	وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین میں سب کچھ پیدا کیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ پس ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمانوں کی صورت عطا کر دی اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں انسان کی تخلیق کی ابتداء اور انتہاء اور جو کچھ اس کے لیے زمین میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور آسمانوں کی تخلیق کس طرح ہوئی؟ اس کا ذکر کرتے ہوئے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ ایسے خالق عظیم کی وحدانیت کا انکار اور اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ناشکری کیسے ہوسکتی ہے۔ ایسا خالق جو انسان کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، اس کی اجل کے مطابق اس کو دنیا میں زندہ رکھتا ہے۔ زمین میں اس نے جو کچھ انسانوں کے لیے پیدا کیا۔ اس سے نوازتا ہے۔ اس کے لیے اس کا مقرر کردہ رزق مہیا کرتا ہے۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ کے قانون کے تحت پھر اس کو مارتا ہے۔ پھر قیامت کے روز اپنی ساری مخلوق کو دوبارہ اٹھانے والا ہے۔ وہ جو سات آسمانوں کو بنانے والا ہے۔ جو ہر شے کے بارے میں پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ اس کی وحدانیت کا انکار کرنا۔ اس کے ساتھ غیر کو شریک کرنا اس سے بڑھ کر تعجب اور حیرانی کی کیا بات ہوسکتی ہے؟ سورۃ الانعام: (۱،۲،۳) میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ o هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ o وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ o ﴾

”سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی اور جس نے اندھیرے اور روشنی بنائی، پھر (بھی) کفر کرنے والے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک مدت مقرر کر دی اور مقرر کردہ مدت اس کے پاس موجود ہے۔ پھر بھی تم شک کرتے ہو۔ اور وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (یعنی اس کا علم و قدرت ہر جگہ موجود ہے) وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے اور جو تم کماتے ہو، اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“

سورۃ النازعات: ۲۷ تا ۳۳ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا o رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا o وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا o وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا o اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا o وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا o مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ o ﴾

”کیا تمہاری تخلیق مشکل ہے یا آسمان کی؟ جس (اللہ) نے اسے بنایا اس نے اس کی چھت کو بلند کر کے ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور اس کی راتوں کو تاریک اور دنوں کو روشن کیا۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھا دیا۔ اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس پر گاڑ دیا۔ جو تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لیے سامانِ حیات ہے۔“

سورۃ عبس: (۲۴ تا ۳۲) میں مزید تفصیل بیان ہوتی ہے:

﴿ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖۤ o اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا o ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا o فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا o وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا o وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا o وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا o وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا o مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ o ﴾

”انسان کو اپنے کھانے پر غور کرنا چاہیے کہ کس طرح ہم نے خوب بارش برسائی۔ پھر زمین کو پھاڑا اس میں اناج اگائے۔ انگور اور ترکاری، زیتون اور کھجور اور گنجان باغات، میوہ اور چارہ بھی اُگایا۔ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لیے فائدے کا سامان ہے۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اتنی کھلی نشانیوں کے باوجود انسان رحمٰن کی بجائے شیطان کی پیروی کرتے ہوئے اپنے رب کی وحدانیت کا انکار کرے اور اس کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر شکر گزار نہ ہو تو اس سے بڑھ کر تعجب بلکہ نقصان والی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔؟

سورۃ عبس: (۱۷تا۲۲) ہی میں ناشکرے انسان کے بارے میں فرمایا:

﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ o مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ o مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ o ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ o ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ o ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ o ﴾

''ہلاک ہو جائے انسان، کتنا ناشکرا ہے! اللہ تعالیٰ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے۔ اس کو پیدا کر کے اس کی تقدیر مقرر کی۔ پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔ پھر اسے مار کر اس کو قبر میں دفن کرا دیا'' پھر جب چاہے گا تو اس کو قبر سے اٹھائے گا۔'' یعنی زندہ کرے گا۔

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی ایجاز و اختصار کے ساتھ سورۃ بقرہ کی دو آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔ تاکہ اس کی مخلوق بھٹکنے سے بچ جائے۔ رب حقیقی کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر اس کی جنت کی مالک بن جائے۔ آج فتنے کا دور ہے۔ طاغوت پوری قوت کے ساتھ مختلف حربوں سے دین حق کو مسخ کرنے میں کوشاں ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ قرآن حکیم کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں اور سمجھ کر اس کی تعلیم کے مطابق عمل کریں کیونکہ یہی نسخہ ہماری نجات کا ہے۔ اگر اسے اپنایا نہ گیا تو تباہی اور بربادی کے سوا ہمارے حصے کچھ نہیں آئے گا۔

حلِّ لغات:

- ﴿كَيْفَ﴾ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: (۱) شرط: اس صورت میں اس کے بعد دو ایسے فعلوں کا آنا ضروری ہے جو لفظاً اور معناً متفق ہوں۔ جیسے: كَيْفَ تَصْنَعُ اَصْنَعُ ''جیسا تم کرو گے ویسا ہی میں کروں گا۔'' (۲) استفہام: اس صورت میں اسم اور فعل دونوں پر آتا ہے۔ جیسے: كَيْفَ اَنْتَ؟ تم کیسے ہو؟ یہاں آیت نمبر ۲۸ میں كَيْفَ دوسرے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔
- ﴿تَكْفُرُوْنَ﴾ فعل مضارع معروف سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اس کا مادہ کفر ہے اور کفر کے لغوی معنی ''کسی چیز کے چھپا لینے'' کے ہیں۔ اسی لیے رات کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے: اَلْقَتْ ذُكَاءُ يَمِيْنَهَا فِيْ كَافِرٍ (سورج نے اپنا دایاں ہاتھ رات کے اندر ڈال دیا۔ یعنی غروب ہو گیا۔) کفران نعمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سب سے بڑا کفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبوت و شریعت کا انکار ہے۔
- ﴿يُمِيْتُكُمْ اور يُحْيِيْكُمْ﴾ میں ''كُمْ'' ضمیریں کفر کے مرتکب ہونے والوں کی طرف راجع ہیں جب کہ يُمِيْتُ اور يُحْيِيْ دونوں فعل مضارع سے واحد مذکر غائب کے صیغے میں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کا فاعل ہے۔ یعنی وہی تم کو مارے گا اور پھر تم کو زندہ کرے گا۔
- ﴿تُرْجَعُوْنَ﴾ فعل مضارع مجہول سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: ''تم لوٹائے جاؤ گے''
- ﴿اِسْتَوٰى﴾ باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس کا مادہ ''س و ی'' ہے جو برابر، ہموار

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا ٹھیک کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر اس کے بعد حرف جر ''علی'' آ جائے تو معنی ہوتے ہیں ''چڑھنے اور قرار پانے'' کے اور اگر اس کے بعد حرف جر ''الی'' آ جائے تو پھر معنی ہوں گے متوجہ ہونے اور قصد کرنے کے۔ یہاں اِستوٰی کے بعد الی ہے لہٰذا معنی ہیں: ''پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔''

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿30﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿31﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿32﴾

''اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، تو فرشتوں نے عرض کیا: کیا تو زمین میں اس کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری عظمت و بزرگی کا ذکر کرتے ہیں۔ (اللہ نے) فرمایا: میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیے۔ پھر ان کو فرشتوں پر پیش کرتے ہوئے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے مجھے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے عرض کیا: تو پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں عطا فرمایا بے شک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔''

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانِ اول (آدم علیہ السلام) کی تخلیق سے پہلے جو اعلان فرمایا اور اسے سن کر فرشتوں نے جو عرض کیا اور علیم و حکیم نے جو جواب دیا، ان آیات میں اس کا ذکر ہوا ہے۔

ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق و مالک ہونے کا چونکہ ذکر فرمایا، اس لیے انسان کی تخلیق کی جس حکمت کے تحت ابتدا ہوئی اس کی بھی وضاحت فرما دی۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان سنتے ہی فرشتوں نے جو سوال کیا، وہ اعتراض کے طور پر نہیں تھا، بلکہ وہ جاننا چاہتے تھے کہ ہم تو دن رات اس کی حمد و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود انسان کی تخلیق کی کیا ضرورت ہے؟ رہی بات یہ کہ ان کو کیسے معلوم ہوا کہ انسان اور اس کی اولاد زمین میں فتنہ و فساد برپا کرے گی؟ اس کے جواب میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

((كَانَ اللّٰهُ اَعْلَمَهُمْ اَنَّهٗ اِذَا كَانَ فِى الْاَرْضِ خَلْقٌ اَفْسَدُوْا فِيْهَا وَ سَفَكُوا الدِّمَآءَ))

''اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کو بتایا تھا کہ جب زمین میں مخلوق ہوگی تو وہ اس میں فساد کرے گی اور خون بہائے گی۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی بنا پر فرشتوں نے عرض کیا: اے رب! تو اس کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ تفاسیر میں، یہ بھی منقول ہے کہ چونکہ فرشتوں نے مشاہدہ کیا تھا کہ انسان سے پہلے جنوں کی جب زمین میں تخلیق ہوئی تو انہوں نے وہی کچھ کیا جس کا ذکر فرشتوں نے بارگاہِ الٰہ میں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر اپنی حکمت کا مظاہرہ یوں فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کے علم سے نواز دیا جن کا فرشتوں کو علم نہ تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے حضرت انسان کو جو شرفِ اعلیٰ ملا ہے، وہ علم کی وجہ سے ہے۔ یہاں ایک بڑا ہی خوبصورت پہلو نمایاں کیا گیا ہے کہ جس چیز یا مسئلے کے بارے میں علم نہ ہو اس میں معذوری کر لینا بہتر ہے جیسا کہ فرشتوں نے کہا جن چیزوں کے بارے میں وہ لاعلم تھے اس کا انہوں نے اقرار کرلیا اور اللہ تعالیٰ کے علیم وحکیم ہونے پر انہوں نے گواہی دے دی۔ انسان کی سب سے بڑی جہالت یہ ہے کہ نہ جاننے کے باوجود اپنے آپ کو سب کچھ جاننے والا ظاہر کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان سے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کرتے جس کا انہیں علم بھی ہوتا تو وہ پھر بھی کہتے: "اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ" (اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔)

زمین میں انسانی خلافت کے بارے میں علمائے امت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ کوئی عورت نہیں ہوسکتی۔ خلافت کے لیے پہلی شرط اس کا مرد ہونا ہے۔ مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ آزاد، بالغ، عقل مند، عادل، مجتہد، سلیم الاعضاء، فنون جنگ اور رائے سے باخبر ہونا بھی لازم ہے۔

سورۃ ص: ۲۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴾

''اے داود علیہ السلام! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ پس لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے کرو اور خواہشات کی پیروی مت کرنا۔ ایسا کرو گے تو تمہاری خواہشات تمھیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گی، بے شک جو اللہ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہوگا، اس لیے کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے۔''

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ خلیفہ نہ صرف مسلمان مرد ہوگا بلکہ اس کو قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کرنے ہوں گے۔ ان فیصلوں میں اس کی نفسانی خواہشات کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا۔ اگر دنیا میں اس کا کوئی حساب لینے والا نہ ہوگا تو قیامت کے روز اس کو اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا۔ پھر راہ حق سے ہٹ جانے اور خواہشات کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے زبردست عذاب ہوگا۔ آج کل کئی اسلامی ملکوں میں قرآن وسنت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عورتوں کو سربراہ بنایا جا رہا ہے۔ شرح صدر کے لیے میری کتاب ''اسلام میں عورت کی سربراہی کا کوئی تصور نہیں'' دیکھی جاسکتی ہے۔

حلِّ لغات:

- ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ میں لام حرفِ جر اور ملائکۃ ملک کی جمع ہے۔
- ﴿جَاعِلٌ﴾ جَعَلَ يَجْعَلُ (ف) سے اسم الفاعل ہے اور یہاں خالق کے معنی میں آیا ہے۔ یعنی ''پیدا کرنے والا'' جیسا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ امام طبری رحمہ اللہ نے ابوروق سے نقل کیا ہے۔ سورۂ ص: ۷۱ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ﴾ ''میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں۔''

۞ ﴿خَلِیْفَةً﴾ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے بعض، بعض کے جانشین ہوں گے۔ سورۂ انعام: (۱۶۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا ہے۔'' سورۂ نمل: (۶۲) میں ہے: ﴿وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ ''اور وہ تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔'' تفسیر قرطبی میں ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس ﴿خَلِیْفَةً﴾ (سورۃ البقرہ) سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام و اوامر کے نفاذ کے لیے ان کو زمین میں خلیفہ بنایا اور وہی زمین میں پہلے رسول تھے۔

۞ ﴿یُفْسِدُ. یَسْفِكُ. نُسَبِّحُ اور نُقَدِّسُ﴾ سب فعل مضارع کے صیغے میں۔ یُفْسِدُ کے معنی ہیں ''وہ فساد برپا کرے گا۔'' یَسْفِكُ کا مفعول الدِّمَآءَ ہے اس کے معنی ہیں: ''وہ خون بہائے گا۔'' نُسَبِّحُ کے بعد بِحَمْدِكَ ہے اور اس کے معنی ہیں: ''ہم تیری تسبیح یعنی تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔'' قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد سبحان اللہ کہنا ہے۔ صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا: اَیُّ الْكَلَامِ اَفْضَلُ ؟ ''کون سا کلام افضل ہے؟'' فرمایا: ((مَا اصْطَفَاهُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ (اَوْلِعِبَادِهِ) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ۔)) ''جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں یا بندوں کے لیے پسند فرمایا یعنی سبحان اللہ وبحمدہ''۔ نقدس کے بعد لك ہے۔ یعنی ہم تیری بزرگی اور عظمت کا ذکر کرتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم تسبیح سے مراد نماز لیا کرتے تھے۔ ویسے نماز میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس اور تسبیح ہی ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء باب فضل سبحان اللّٰہ و بحمدہ، حدیث: ۲۷۳۱)

۞ ﴿اَعْلَمُ﴾ فعل مضارع معروف سے واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں: ''میں جانتا ہوں''

﴿اَنْۢبِــُٔوْنِیْ﴾ میں اَنْبَاَ بابِ افعال سے امر حاضر کا صیغہ جمع مذکر ہے اور نِیْ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات عالیہ ہے۔ یعنی مجھے تم خبر دو۔

۞ ﴿الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ ان کے معنی ہیں: ''سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا'' یہ اللہ تعالیٰ کی دائمی صفتیں ہیں۔

قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿33﴾	''(اللہ نے) فرمایا: اے آدم! اُن کو اِن چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے ان کو ان چیزوں کے نام بتا دیے تو (اللہ نے) فرمایا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿34﴾

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا، اس نے انکار کر دیا اور تکبر کا مظاہرہ کیا اور وہ کفار میں سے ہو گیا۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں علم اور اہل علم کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ابلیس کے بارے میں جو اعلان ہوا، اس کا ذکر ہوا ہے۔ مسند احمد (۵/ ۱۹۶) ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں کثیر بن قیس سے مروی ہے کہ میں مسجدِ دمشق میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث کے بارے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں جو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، اس کے علاوہ میری کوئی حاجت نہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص ایسی راہ پر چلے جس میں اس کا مقصود صرف علم کا حصول ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ طالب علم کے مقصود پر اپنی رضا کا اظہار کرتے ہوئے فرشتے اس کے لیے اپنے پر جھکاتے ہیں اور آسمانوں اور زمین میں اللہ کی جو بھی مخلوق ہے وہ عالم کے لیے اللہ سے اس کی بخشش کی دعا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی کے اندر جو مچھلیاں ہیں، وہ بھی اس کے لیے استغفار کرتی ہیں۔ ایک عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر ہوتی ہے۔ بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ نبیوں نے وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑے، انہوں نے علم چھوڑا ہے پس جس نے اس کو حاصل کیا، اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔" (جامع الترمذی، کتاب العلم، باب [ما جاء] فی فضل الفقه علی العبادة، حدیث:۲۶۸۲، ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی فضل العلم، حدیث:۳۶٤۱، سنن ابن ماجة، مقدمه، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، حدیث: ۲۲۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جس علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت دی، اس کے حصول میں کوشاں رہنے والوں کی عزت آج بھی فرشتے کرتے ہیں، آج بھی اہل علم کی فضیلت اسی طرح قائم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ہی ان کو عطا فرمائی۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی اعلان کیا کہ عالم الغیب صرف وہی ہے۔ فرشتوں کو بھی اتنا ہی علم ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا۔ فرشتوں نے خود ہی اس کا اقرار کیا۔ آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھی غیب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو چاہا، جتنا چاہا، جب اور جیسے چاہا آگاہ فرمایا۔ سورۂ انعام:۵۹ میں اعلان ہوتا ہے:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾

"اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا جو شخص بھی غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن حکیم کی نفی کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی نفی قرآن حکیم کے نازل کرنے والے کی نفی ہے جو سراسر کفر ہے۔ ''نعوذ باللہ من ذلک۔''

یہاں یہ تاثر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت ثابت کر دی تو اس نے ان کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں لیکن سورۃ صٓ ۷۲،۷۱ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ o فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ o﴾

''میں ایک بشر مٹی سے بنانے لگا ہوں۔ جب اس کو میں ٹھیک ٹھاک کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گر جانا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ہی فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم ملا تھا۔ چنانچہ ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کر دیا۔ درحقیقت فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے بارے جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ ان کی تخلیق سے پہلے تھا۔ تخلیق کے بعد آدم علیہ السلام کو سجدہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سجدہ تھا، جس نے اپنے ہاتھ سے حضرت انسان کی تخلیق فرمائی۔ جب آدم علیہ السلام عدم سے وجود میں آ گئے، تب ان کو علم سے نوازا گیا اور اسی کے ذریعے ان کو فرشتوں پر فضیلت دی گئی۔

ابلیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور تکبر کا مظاہرہ کیا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو صفائی کا موقع دیتے ہوئے پوچھا:

﴿ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴾ (صٓ:۷۵)

''تمہیں کس چیز نے اس کو سجدہ کرنے سے منع کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا؟ تو نے تکبر کیا یا اپنے آپ کو بڑا سمجھا؟''

اس نے کہا:

﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ (صٓ:۷۶)

''میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس کی تخلیق مٹی سے کی۔''

سب سے پہلے اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھنے کی ابتدا ابلیس نے کی۔ تفاسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ سب سے پہلا گناہ تکبر تھا، جس کا مرتکب شیطان ہوا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب تحريم الكبر و بيلنه، حديث: ۹۱)

شیطان کو بھی اسی گناہ کی سزا ملی تھی کہ اس کو جنت سے نکال دیا گیا اور قیامت تک اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرما دی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کرنے سے ہمیں روکا ہے۔''

حلّ اللغات:

- ﴿ اَنْۢبِئْهُمْ ﴾ میں اَنْبَأَ انفعال سے فعل امر حاضر کا صیغہ واحد مذکر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو خطاب تھا۔
- ﴿ بِاَسْمَآئِهِمْ ﴾ میں ''بِ'' حرف جر ''اسماء'' اسم کی جمع ہے اور ''ھم'' ضمیر چیزوں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے معنی ہیں: ''اے آدم! ان کو یعنی فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتاؤ''

- ﴿اَنْبَاَ﴾ باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور معنی ہے: ''اس نے خبر دی''
- ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ میں ''اَ'' ہمزہ استفہامیہ ۔ لم نفی جحد . لکم میں لام حرف جر اور کم ضمیر مخاطب ۔ لم کا خاصہ ہے کہ جب فعل مضارع پر آتا ہے تو اس کے آخر کو جزم دیتا ہے اور معنی ماضی میں کر دیتا ہے چنانچہ جملے کے معنی ہیں: ''کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا''
- ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ۔ ''یا'' متکلم واحد کی ضمیر ۔ اَعْلَمُ. عَلِمَ يَعْلَمُ سے فعل مضارع کا صیغہ متکلم ہے۔ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ مرکب اضافی ہو کر اَعْلَمُ کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ''بے شک میں آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہوں۔''
- ﴿تُبْدُوْنَ تَكْتُمُوْنَ﴾ دونوں فعل مضارع معروف سے جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں۔
- ﴿اُسْجُدُوْا﴾ فعل امر حاضر سے جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ معنی ہے: ''تم سجدہ کرو'' امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ سجدہ دو طرح کا ہے: ایک اختیاری جو انسانوں کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ سورۃ نجم :۶۲ میں حکم ملتا ہے۔ ﴿ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴾ ''پس اللہ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔'' دوسری صورت (غیر اختیاری) میں تمام انسان، جن، حیوانات اور جمادات شامل ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الرعد: ۱۵) ''جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے۔''
- ﴿اِبْلِيْسَ﴾ سے مراد شیطانوں کا سردار ہے۔ اس بارے سورۃ الکہف :۵۰ میں وضاحت موجود ہے :﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ ''وہ جنوں میں سے تھا'' یعنی جن تھا۔
- ﴿ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ﴾ دونوں فعل ماضی سے واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں اور ان کے معنی ہیں: اس نے انکار کیا اور تکبر کا مظاہرہ کیا۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿35﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿36﴾

''اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو اور اس میں سے تم دونوں جہاں سے چاہو بے حساب کھاؤ لیکن تم نے اس درخت کے قریب نہیں جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پس شیطان نے ان کو اس (درخت) کے بارے میں پھسلا دیا، پھر جہاں وہ تھے وہاں سے ان دونوں کو نکلوایا اور ہم نے کہا کہ تم سب نیچے اتر جاؤ (کیوں کہ) تم سب ایک دوسرے کے دشمن

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿37﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿38﴾

(واقع ہوئے) ہو اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے۔ پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے، پھر اللہ اس پر مہربان ہوا۔ بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ ہم نے کہا کہ تم سب اس میں سے نیچے اتر جاؤ۔ پس ہماری ہدایت تمہارے پاس ضرور آئے گی، جو ہماری ہدایت کی اتباع کرے گا پس اس پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔"

تشریح:

سورۂ بقرہ کی ان آیات مبارکہ میں حضرت آدم علیہ السلام کا جو واقعہ بیان ہوا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ارادے اور عمل پر اختیار کی وجہ سے غلطی اور اس کی اصلاح کے لیے علم الوحی کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قطعاً یہ پسند نہیں کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔ جو بھی اس کا مرتکب ہوگا، اس پر اس کا قانون ضرور جاری ہوگا۔ اگرچہ وہ اس کا کتنا ہی قریبی اور محبوب کیوں نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ ان کی اور ان کی زوجہ کی تخلیق کر کے دونوں کو جنت میں بسایا۔ لیکن جب دونوں شیطان کے وسوسے کا شکار ہو کر ممنوعہ درخت کے پاس چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی نعمتوں سے محروم کر کے زمین پر اتار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کے ذریعے اس نے اپنی مخلوق کو بتا دیا کہ نافرمانی کا ارتکاب کرنے والا اللہ تعالیٰ کے قانون سے بچ نہیں سکتا۔ لیکن جو نافرمان اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے اور اس کی بارگاہ میں جھک کر اس کی بخشش کے طلب گار ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان پر مہربانی فرمائے گا۔ ان کے گناہ معاف کرے گا، کیونکہ وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس عظیم واقعے کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ غم و حزن سے صرف وہی محفوظ رہیں گے جو علم الوحی کے ذریعے اپنی غلطیوں کی اصلاح میں کوشاں رہنے والے ہوں گے۔ جب علم الوحی ترک کر کے کوئی اور ذریعہ اپنایا جائے گا تو اس کا نتیجہ درست نہیں ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعے میں ہمارے لیے جو رہنمائی رکھی ہے اس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حلّ لغات:

- ﴿قُلْنَا﴾ فعل ماضی سے جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: ہم نے کہا۔
- ﴿يٰاٰدَمُ﴾ "یا" حرف ندا اور اٰدَمُ منادیٰ۔ اٰدَمُ سے مراد پہلے انسان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا۔ ان کو جب ٹھیک ٹھاک کر لیا تو پھر ان میں اپنی روح پھونک دی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ﴿اُسْکُنْ اور کُلَا﴾ دونوں فعل امر کے صیغے ہیں اُسْکُنْ کا معنی ہے: تم سکونت اختیار کرو۔ اور کُلَا کا معنی ہے: تم دونوں کھاؤ۔
- ﴿رَغَدًا﴾ سے مراد خوشی اور مرضی سے جی بھر کے کھانا کھانا ہے۔
- ﴿حَیْثُ شِئْتُمَا﴾ میں حَیْثُ۔ ظرفِ مکان مبنی بر ضم ہے جو مکان مبہم (غیر واضح رغیر معین) کے لیے آتا ہے جس کی مابعد کے جملے سے تشریح ہوتی ہے۔ شِئْتُمَا فعل ماضی معروف سے تثنیہ حاضر کا صیغہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ۔
- ﴿لاتقربا﴾ فعل نہی سے تثنیہ حاضر کا صیغہ ہے۔
- ﴿هٰذِهِ﴾ اسم اشارہ (مؤنث) اور ﴿الشَّجَرَةَ﴾ مشار الیہ ہے۔
- ﴿فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ سے واضح کر دیا گیا کہ تم نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے یعنی دونوں کو درخت کے قریب جانے سے روکا گیا۔
- ﴿فَاَزَلَّهُمَا﴾ میں اَزَلَّ باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور هُمَا ضمیر سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مطہرہ ''حوا'' ہیں۔ اس کا معنی ہے: پس شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا۔ سورۂ اعراف :۲۰ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ﴾ ''شیطان نے ان کو وسوسے میں ڈال دیا'' اور ان سے کہا:

﴿مَا نَهٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْتَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ﴾ (الاعراف: ۲۰)

''تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ہمیشہ ہی اس جنت میں رہنے والے نہ ہو جاؤ۔''

﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ (الاعراف: ۲۱)

''اور ان دونوں کو قسموں کے ذریعے یقین دلایا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔''

اس طرح شیطان نے ان سے وہ کام کرا دیا جس سے ان کو روکا گیا تھا۔

- ﴿اِهْبِطُوْا﴾ فعل امر حاضر سے جمع مذکر کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: تم سب نیچے اتر جاؤ۔ هُبُوْطًا: بلندی سے نیچے آنے کو کہتے ہیں۔
- ﴿وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴾ سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ انہیں آسمان سے زمین میں اتارا گیا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے لیے زمین میں رہنے کی جگہ اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے۔
- ﴿تلقّی﴾ باب تفعّل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور معنی ہے: اس نے سیکھا سمجھا اور اخذ کیا۔
- ﴿هُدًی﴾ سے مراد انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو پہنچنے والی ہدایت ہے۔
- ﴿خَوْف﴾ سے مراد انسان کی وہ کیفیت ہے جو کسی صدمے کے نزول سے پہلے ہوتی ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۞ ﴿حُزن﴾ سے مراد وہ کیفیت ہے جو صدمے کے بعد ہوتی ہے۔ یہاں یہ اعلان ہوا ہے کہ ہدایت پر قائم رہنے والوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿39﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿40﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿41﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿42﴾

''اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا اور ان کو جھٹلایا، وہی جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور اس پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا، تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے اور تم سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے نہ بن جاؤ اور میری آیات کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لو اور خاص مجھ سے ڈر جاؤ۔ اور حق وباطل کو باہم خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ اس حال میں کہ تم جانتے ہو۔''

تشریح:

سورۂ بقرۃ کی ان آیات مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ انکارِ وحی اور علم الوحی میں تلبیس (یعنی اس میں جھوٹ موٹ کی آمیزش) دونوں انسان کے لیے مہلک ہیں۔ اگرچہ یہ بات کفارِ مکہ اور بنی اسرائیل کے حوالے سے ہوئی ہے لیکن یہ قانون قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اعلان کسی خاص قوم یا خاص خطے تک محدود نہیں بلکہ اس میں ساری دنیا کے لوگ شریک ہیں اور امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے لیے بھی اس میں ترہیب پائی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ذکر سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانے میں ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ ان کو اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ فرعون کے عذاب سے ان کو نجات دلائی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن کو غرق کر کے ان کے محلات اور جائداد کا انہیں مالک بنا دیا۔ ان کی خوراک کے لیے من وسلوی نازل فرمایا۔ پتھر سے ان کے لیے چشمے جاری فرمائے۔ تختیوں کی صورت میں تورات عطا فرمائی جس میں ان سے عہد لیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد (ﷺ) مبعوث ہوں تو وہ ان کی اتباع کریں گے، ان کے مدد ومعاون بن جائیں گے تو اس کے بدلے میں اللہ ان سے کیے گے وعدے کو نبھائے گا، ان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ لیکن یہود نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو نہ نبھایا، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ڈٹ گئے، قرآن حکیم کی تکذیب کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل ورسوا کر دیا۔ سورۂ حشر: (۲) میں ارشاد ہوتا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭ وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴾

''وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کے مرتکب ہونے والوں کو ان کے گھروں سے پہلے حشر کے لیے نکال دیا۔ تمہارا خیال نہ تھا کہ وہ اپنے گھروں سے یوں نکلیں گے اور انہوں نے گمان کیا کہ ان کے قلعے ان کی حفاظت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کو بچائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ (کا عذاب) ان کو وہاں سے آیا جہاں سے ان کو گمان نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے ہی گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں خراب کرتے تھے۔ اے اہل بصیرت! عبرت حاصل کرو۔''

یہ معاملہ ان کے ساتھ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نہ صرف قرآن حکیم کا انکار کیا بلکہ ان کے پاس جو تورات تھی اس کا بھی انکار کیا اور اس میں بیان کیے گئے اوامر و حقائق میں باطل کی آمیزش کر دی اور یہ کام معمولی معاوضے کے بدلے کیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے ذلت و رسوائی ان پر مسلط کر دی گئی۔

حلِّ لغات:

- ﴿كَفَرُوۡا. كَذَّبُوۡا﴾ دونوں فعل ماضی معروف سے واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ كَفَرُوۡا کا معنی ہے: انہوں نے انکار کیا اور كَذَّبُوۡا کا معنی ہے: انہوں نے جھٹلایا۔
- ﴿بِاٰیٰتِنَا﴾ سے مراد قرآن حکیم اور معجزات ہیں۔
- ﴿یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ میں یا حرف ندا ہے اور بنی اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور قوم ہے۔ اِسۡرَا کا معنی عبد اور ئیل کا معنی اللہ ہے۔ قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کا لفظ زیادہ تر یہود کے لیے استعمال ہوا ہے۔
- ﴿نِعۡمَتِیَ﴾ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نوازا۔
- ﴿اَوۡفُوۡا﴾ باب افعال (مادہ: و ف ی) سے فعل امر حاضر کا صیغہ جمع مذکر ہے اور معنی ہے: تم پورا کرو۔
- ﴿اُوۡفِ﴾ اسی باب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے۔ اصل میں اُوۡفِیۡ تھا، جوابِ امر ہونے کی وجہ سے اس کی ''یا'' گر گئی ہے اور معنی ہے: میں پورا کروں گا۔
- ﴿فَارۡهَبُوۡنِ﴾ میں اِرۡهَبُوۡا فعل امر حاضر سے جمع مذکر کا صیغہ ''ن'' نون مکسورہ اصل میں نی یعنی نون کے بعد ''یا'' بھی تھی جو حذف ہوگئی ہے۔ اس سے مراد سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ عالیہ ہے۔ اس کا معنی ہے: مجھ سے ڈر جاؤ۔ اس سے پہلے اِیَّایَ ہے جس سے واضح کیا گیا ہے کہ صرف مجھ سے ڈرنا ہے۔ میرے سوا تمہارے دلوں میں کسی اور کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح
- ﴿فَاتَّقُوۡنِ﴾ میں بھی ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے مفردات القرآن میں رَهۡبٌ اور تَقۡوٰی میں فرق کے بارے میں لکھا ہے کہ رہب ایسے خوف کو کہتے ہیں جس میں احتیاط اور اضطراب بھی شامل ہو۔ جب کہ ہر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس گناہ اور کام سے اپنے نفس کو بچانے کا نام تقویٰ ہے جو شرعی نقطۂ نظر سے ہلاکت کا سبب ہو سکے۔ اسی خوف کا نام تقویٰ ہے

- ﴿لَا تَلْبِسُوْا﴾ فعل نہی سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: خلط ملط نہ کرو۔
- ﴿تَكْتُمُوْا﴾ بھی یہی صیغہ ہے پچھلے لا پر عطف ہے لہٰذا اس کا معنی ہے: چھپاؤ مت۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿44﴾	''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ تم عقل کیوں نہیں کرتے۔

تشریح:

سورۃ بقرہ کی ان آیات مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ اور اتحادِ ملت قائم کرو اور قول و فعل کے تضاد سے بچو۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کے بغیر اسلامی معاشرہ کبھی مستحکم نہیں ہوسکتا۔ دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھنے میں بڑی حکمت ہے۔ محلے کی مسجد میں جب نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے تو ایک طرف اس کے ذریعے مسلمانوں کو ڈسپلن سکھایا جاتا ہے اور دوسری طرف آپس میں وہ ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ممدو معاون بن جاتے ہیں۔ پیش آنے والی مشکلات پر مل جل کر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ اس کی حکمت پر اللہ تعالیٰ نے یوں روشنی ڈالی ہے۔ سورۃ عنکبوت: (۴۵) کے الفاظ ہیں:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ﴾

''بے شک نماز فحاشی اور منکرات سے روکتی ہے۔''

جب انسان صحیح طور پر نماز قائم کرنے کا عادی ہوجاتا ہے تو وہ فحاشی اور منکرات سے دور ہوجاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جو شخص نماز تو پڑھتا ہے لیکن فحاشی اور منکرات سے بچ نہیں پاتا تو وہ نماز نہیں پڑھ رہا۔ کیونکہ اس کی نماز اسے فائدہ نہیں دے رہی۔ نماز تو وہ تحفہ ہے کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ملا۔ لہٰذا اس کی برکتیں لامحدود ہیں۔ اللہ اور بندے کے درمیان یہ رابطہ ہے۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر رکھی ہے۔ جب میرا بندہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ((حَمِدَنِي عَبْدِي)) میرے بندے نے میری حمد بیان کی اور جب کہتا ہے ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ تو ارشاد ہوتا ہے کہ ((اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي)) میرے بندے نے میری ثنا بیان کی جب کہتا ہے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتا ہے۔((مَجَّدَنِی عَبْدِی)) میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب بندہ کہتا ہے۔ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو ارشاد ہوتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا۔ جب بندہ کہتا ہے۔ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تو ارشاد ہوتا یہ سب میرے بندے کے لیے میرے بندے کے لیے وہ سب کچھ ہے جو اس نے مانگا، جس کا سوال کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ہم پر نماز فرض کی۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ سورۃ البقرۃ: (۲۷۷) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی غم زدہ ہوں گے اس سے بڑھ کر بشارت کیا ہوسکتی ہے؟''

فرضیت زکوٰۃ کی حکمت رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمائی۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔

((تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ)) ''ان کے امیروں سے لی جاتی ہے اور ان کے غریبوں پر لوٹائی جاتی ہے۔''(صحيح البخاري، كتاب الزكوة، باب وجوب الزكوة، حديث:۱۳۹۵،صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدعاء الى الشهادتين و شرائع الاسلام،حديث:۱۹)

یعنی امیری اور فقیری کے درمیان جو بُعد ہوتا ہے زکوٰۃ اس کو کم کرنے کا ذریعہ ہے۔ امیروں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے ڈھائی فیصد غریبوں کو حصہ دار بنا دیا ہے۔ تاکہ غریب لوگ احساس محرومیت کا شکار نہ ہوں اور سب مل کر اچھی زندگی بسر کریں۔

کسی بھی معاشرے کی سب سے بڑی خرابی لوگوں کے قول و فعل میں تضاد کا ہونا ہے اور اس کے بغیر اتحاد ملت قائم ہی نہیں ہوسکتا۔ اتحاد ملت کا قائم ہونا صرف اسی وقت ممکن ہوگا۔ جب معاشرے کے افراد قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق سب آپس میں بھائی بھائی نہ ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے اخلاص اور قربانی کا مجسمہ نہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے سورۃ الصف میں خطاب فرمایا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو کہ تم خود نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی ناراضگی کا سبب یہ ہے کہ تم وہ کہو جو تم خود نہ کرو۔''

حلِّ لغات:

۞ ﴿اَقِيْمُوْا. اٰتُوْا. ارْكَعُوْا﴾ تینوں ہی فعل امر حاضر سے جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ اَقِیْمُوْا کا معنی ہے: قائم کرو۔ اٰتُوْا کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی ہے: ادا کرو اور ارْكَعُوْا کا معنی ہے: رکوع کرو۔

- ﴿الرّٰكِعِيْنَ﴾ الرَّاكِعُ کی جمع ہے جو رَكَعَ يَرْكَعُ (ف) سے اسم الفاعل ہے۔ اور معنی ہیں: رکوع کرنے والے۔
- ﴿بِالْبِرِّ﴾ میں ب حرفِ جر ہے اور البر سے مراد نیکی اطاعت، صدق اور عملِ صالح ہے۔
- ﴿تَنْسَوْنَ﴾ فعل مضارع سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: تم بھول جاتے ہو۔
- ﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ مرکب اضافی اس کا مفعول ہے۔ اَنْفُس، نَفْسٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد اپنا آپ اور اپنی ذات ہے۔ کم ضمیر مخاطب کی ہے۔
- ﴿الْكِتٰبَ﴾ سے یہاں مراد تورات ہے۔
- ﴿تَعْقِلُوْنَ﴾ فعل مضارع معروف سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: عقل کرتے ہو یا کرو گے۔ اس سے پہلے
- ﴿اَفَلَا﴾ ہے اور ہر یہودی سے خطاب ہے کہ تم عقل کیوں نہیں کرتے؟ عقل، جہالت کی نقیض ہے اور یہ رکتے یا روکتے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے عقال البعیر۔ کیونکہ عقال اونٹ کو حرکت سے روکتا ہے۔ تفسیر القرطبی میں الزجاج سے مروی ہے: ((العَاقِلُ مَن عَمِلَ بِمَا اَوجَبَ اللّٰهُ عَلَيهِ فَمَنْ لَمْ يَعْمَل فَهُو جَاهِلٌ۔)) عقلمند وہ ہے جو اس کے مطابق عمل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے۔ پس جس نے وہ عمل نہ کیا تو وہ جاہل ہے۔''

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿45﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿46﴾	''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ بے شک وہ (نماز) گراں ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (نہیں) جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

تشریح:

سورۃ بقرہ کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو صلوٰۃ اور صبر سے مدد لینے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ہی باتیں اللہ تعالیٰ کو بڑی محبوب ہیں اور ان پر عمل کرنے والوں کو وہ اجر عظیم سے نواز دیتا ہے۔ سورۃ زمر: (۱۰) میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مومن کا ہر معاملہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اسے آسانی ملے تو اللہ کا شکر کرتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ہی اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ البقرۃ: (۱۵۳) ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

''اے ایمان والو! صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ (اللہ سے) مدد چاہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۵۔۱۵۷)

''اور ہم کچھ خوف، بھوک اور مالی جانی اور پھلوں کے نقصان سے تمہاری ضرور آزمائش کریں گے۔ پس تم صابروں کو بشارت دے دو جنہیں جب بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: ہم (بھی) اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہی ہیں جن پر رب کی طرف سے نوازشیں اور رحمتیں (اترتی) ہیں اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آزمائش اور تکالیف میں جو صبر نہیں کرے گا تو اپنے رب کی رحمت وصلوات سے محروم رہے گا اور وہ کبھی بھی ہدایت یافتہ نہیں ہوگا۔

صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہاں صلوٰۃ کا ذکر فرمایا۔غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ بلکہ صلوٰۃ بھی صبر کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ نماز پڑھنے والا نہ صرف منکرات سے بچتا ہے بلکہ شیطان کی ہر قسم کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے اپنے رب حقیقی کے قرب کی تلاش میں مصروف ومشغول رہتا ہے۔ نماز ہی کے ذریعے اپنے رب سے ہر آزمائش میں پورا اترنے کے لیے دعا مانگتا ہے۔ صراط مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام اگر مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپ فوراً نماز میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ غزوہ بدر کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات نماز ودعا میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر اور صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی کہ اس کی توفیق صرف ان لوگوں کو ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں اور جن کو یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ضرور ملیں گے۔

حلِّ لغات:

- ﴿اِسْتَعِيْنُوْا﴾ فعل امر حاضر سے جمع مذکر کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: مدد چاہو۔
- ﴿الْخٰشِعِيْنَ﴾ الخَاشِعُ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو متواضع اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھنے والے ہوں اور اپنی نگاہوں کو نیچی رکھتے ہوں۔
- ﴿بِالصَّبْرِ﴾ میں ''ب'' حرف جر اور ''صبر'' مجرور ہے۔ جار اور مجرور مل کر اسْتَعِيْنُوْا کے متعلق ہے۔ مفردات

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القرآن میں منقول ہے کہ کسی کو تنگی کی حالت میں روک لینا صبر ہے۔ جیسے صَبَرْتُ الدَّابَّۃَ. میں نے جانور کو چارہ کھلائے بغیر باندھ رکھا۔ صَبَرْتُ فُلَانًا. میں نے فلاں کو زبردستی قسم کھلائی۔ ویسے یہ عام لفظ ہے جو مختلف مواقع میں استعمال کے اعتبار سے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ کسی مصیبت میں نفس کو روک رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے اور یہ جزع (گھبراہٹ) کی ضد ہے۔ میدان جنگ میں جب ثابت قدمی پر صبر کیا جائے تو یہ شجاعت بن جاتا ہے اور یہ جُبْنٌ (بزدلی) کی ضد ہے۔ کسی پریشان کن حادثے کو برداشت کرنے کی صورت میں ہو تو یہ رَحْبَ الصَّدْرِ یعنی دل کی کشادگی ہو جاتا ہے اور یہ ضَجْر (مایوسی) کی ضد ہے اور اگر کسی بات کو راز میں رکھنے یا روکنے کے لیے ہو تو کتمان کہلاتا ہے اور یہ مَذَل کی ضد ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں سے بچنے پر صبر۔ دوسرا صبر پہلے صبر سے اچھا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ انسان کا ہر چیز کے خدا کی طرف سے ہونے کا اقرار، ثواب کو طلب کرنا اور اللہ کے پاس مصیبتوں کے اجر کا ذخیرہ سمجھنا، یہ صبر ہے۔ تفسیر القرطبی اور اصول کافی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ))

صبر کا ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کا جسم سے ہوتا ہے۔ اصول الکافی (۲/ ۸۷) کے الفاظ ہیں:

"فَاِذَا ذَھَبَ الرَّأْسُ ذَھَبَ الْجَسَدُ كَذٰلِكَ اِذَا ذَھَبَ الصَّبْرُ ذَھَبَ الْاِیْمَانُ۔"

''جب سر کٹ جائے تو جسم ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح جب صبر نہ ہوگا تو ایمان نہ ہوگا۔''

❁ ﴿الصَّلٰوۃِ﴾ کے بارے میں اکثر اہلِ لغہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد دعا دینا۔ تحسین و تبریک اور تعظیم کرنا ہے۔ محاورہ ہے: صَلَّیْتُ عَلَیْهِ۔ میں نے اسے دعا دی، نشوونمادی اور بڑھایا۔ مسند احمد (۲/۱۰۱) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ اِلٰی طَعَامٍ فَلْیُجِبْ وَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ۔))

''جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے تو اس کو چاہیے کہ دعوت قبول کرے۔ اگر روزے سے ہو تو ان کے لیے دعا کرے۔''

سورۂ توبہ: (۱۰۳) میں رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (التوبة:١٠٣)

''اور تم ان کے لیے دعا کرو۔ تمہاری دعا ان کے لیے باعثِ تسکین ہے۔''

سورۃ الاحزاب: (۵۶) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۭ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا ہے۔ اسی حکم کے مطابق آپ کا نام آنے پر ہم ﷺ کہتے ہیں۔ ایسا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ یہ قرآن کا حکم ہے۔ لیکن عمومی معنی میں الصلوٰۃ سے مراد نماز ہے۔ سورۂ بقرہ کی اس آیت مبارکہ میں بھی نماز ہی کا ذکر ہوا ہے۔

- ﴿يَظُنُّوْنَ﴾ فعل مضارع معروف سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: ''وہ گمان کرتے ہیں'' لیکن یہاں یقین کے لیے استعمال ہوا ہے۔
- ﴿مُلٰقُوْا﴾ اصل میں مُلَاقُوْنَ تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گئی ہے اور یہ لَاقٰی یُلَاقِیْ سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے: ملاقات کرنے والے۔
- ﴿رٰجِعُوْنَ﴾ کے معنی ہیں: لوٹنے والے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿48﴾

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿49﴾

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿50﴾

''اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو انعام کی اور (اس بات کو بھی یاد کرو کہ) بے شک میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی۔ اور اس دن سے ڈر جاؤ جس میں کوئی نفس کسی نفس کو کچھ بھی کفایت نہیں کرے گا اور نہ اس سے کوئی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ اس کی مدد ہی کی جائے گی۔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی جو تمہیں برے عذاب کی تکلیف دیتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑا پس تمہیں بچایا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا جب کہ تم دیکھ رہے تھے۔''

تشریح:

سورہ بقرہ کی ان آیاتِ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کو علم وحی کی بدولت فضیلت ملی اور وہ فرعون سے نجات پا گئے۔ قرآن حکیم میں جب اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے مخاطب ہوتا ہے اور ان پر اپنی نعمتوں اور ان کو ملنے والی فضیلت کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ان کو امتِ محمدیہ ﷺ پر بھی فضیلت حاصل ہے بلکہ یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات ان کے اپنے زمانے یعنی آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی آمد سے پہلے کی ہے۔ کیونکہ ان میں بہت سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، علم بانوحی کا سلسلہ عرصۂ دراز تک ان میں قائم رہا لیکن سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد امتِ محمدیہ ﷺ کی فضیلت تمام سابقہ امتوں پر قائم ہوگئی۔ سورۂ آل عمران: (۱۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے بنائی گئی۔ تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

سورۃ البینہ: (۷) میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ ﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہی بہترین مخلوق ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی اعلان فرما دیا:

﴿ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ﴾ (سورة البينة:۸)

''اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔''

بنو اسرائیل نے چوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہ کیا، ایمان اور اعمال صالحہ سے محروم رہے، لہٰذا اُن کی اس فضیلت کا تعلق امت محمدیہ ﷺ کے وجود میں آنے سے پہلے سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے یہود کو ڈرانے کے لیے یہ اسلوب اپنایا گیا ہے کہ ان کے آباء و اجداد پر ہونے والی مہربانیوں کا ذکر کر کے ان کو راہِ راست پر آنے کی تلقین کی گئی۔ ان پر واضح کیا گیا کہ جس علم بالوحی سے تمہارے اسلاف کو فضیلت ملی اب وہی علم محمد رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کی اتباع کرو۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے تمہیں فرعون سے نجات ملی اسی طرح اب بھی اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر قیامت کے دن جو کچھ تمہارے ساتھ ہوگا اس کو ذہن نشین کر لو۔

حلِّ لغات:

- ﴿وَاتَّقُوا﴾ میں ''واؤ'' عاطفہ ہے اور ''اتَّقُوا'' فعل امر حاضر سے جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: اور ڈر جاؤ۔
- ﴿يَوْمًا﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے۔
- ﴿لَا تَجْزِي﴾ میں ''لَا'' نفی کا اور تجزی فعل مضارع معروف سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: ''کفایت نہیں کرے گا۔'' ﴿نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا﴾ سے وضاحت ہو رہی ہے کہ قیامت کے دن ہر نفس کو اپنی ہی فکر ہوگی۔ قرآن حکیم میں کئی بار ارشاد ہوا ہے: ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ ''کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿يُقْبَلُ﴾ فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس کا معنی ہے: قبول نہ کیا جائے گا۔

❁ ﴿يُؤْخَذُ﴾ بھی مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔

❁ ﴿عَدْلٌ﴾ بدلے، معاوضے یا فدیے کو کہتے ہیں۔

❁ ﴿يُنْصَرُوْنَ﴾ فعل مضارع مجہول سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ جس کا مادہ ''ن ص ر'' (نصر/مدد کرنا) ہے۔ شروع میں ''لا'' آنے کی وجہ سے معنی ہے: ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ سورۃ المدثر: ۴۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ (المدثر: ٤٨)

''شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی ان کو کوئی نفع نہ دے گی۔''

❁ ﴿اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ سے مراد فرعون کی اتباع کرنے والے ہیں۔ فرعون، مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ جیسا کہ حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی، ایران کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا۔ تفسیر قرطبی میں وہب اور الجوہری سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت کے فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس کا نام قابوس تھا۔

❁ ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ میں يَسُوْمُوْنَ فعل مضارع معروف سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور کم ضمیر مخاطب کی ہے۔ اس کا معنی ہے: تمہیں تکلیف دیتے تھے۔

❁ ﴿بَلَآءٌ﴾ سے مراد آزمائش ہے جو خیر اور شر دونوں ذریعوں سے ہوتی ہے۔ سورۃ انبیاء: ۳۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ﴾

''اور ہم تمہیں جانچیں گے خیر و شر کے ذریعے آزمانے کے لیے۔''

❁ ﴿فَرَقْنَا اور اَغْرَقْنَا﴾ دونوں فعل ماضی معروف سے جمع متکلم کے صیغے ہیں۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿51﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿53﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا۔ پھر تم نے اس کے پیچھے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اس حال میں کہ تم ظالم تھے۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب و فرقان عطا فرمائی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس تم اپنے پیدا کرنے والے کے حضور توبہ کرو۔ پس آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ تمہارے لیے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ط فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿54﴾

یہی بہتر ہے۔ پس اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

تشریح:

سورۂ بقرہ کی ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے سامری کی سازش سے بنو اسرائیل کے گمراہ ہونے اور توبہ کرنے پر معافی مل جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ بنو اسرائیل کی گمراہی کا جو ذکر یہاں اختصار سے آیا ہے اس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ میں یوں بیان ہوئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے طور پہاڑ پر جانے کے بعد سامری نے قوم کے زیورات سے ایک بچھڑا بنا کر کہا اور کہلوایا کہ:

﴿ هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۚ فَنَسِيَ ۝﴾ (طٰہٰ:۸۸)

''یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود پس وہ بھول گیا۔''

یہاں بڑا لطیف سا نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ اللہ سے دور ہونے والے اتنے دلیر ہو جاتے ہیں کہ بڑے سے بڑا جھوٹ بولتے ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ کا ذرا سا خوف بھی محسوس نہیں ہوتا۔ سامری اور اس کے ساتھیوں نے بھی شیطانی کردار ادا کیا۔ دو نبیوں کے ہوتے ہوئے بھی قوم کو گمراہی کی طرف لگا دیا۔ ایک اللہ تعالیٰ سے احکام لینے طور پہاڑ پر جاتے ہیں، دوسرے ان میں موجود ہیں اور قوم سے کہتے ہیں:

﴿ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴾ (طٰہٰ:۹۰)

''اے میری قوم! تمہیں اس کے ذریعے آزمایا گیا ہے اور بے شک تمہارا رب رحمٰن ہے، پس میرے پیچھے چلو اور میری بات مانو۔''

لیکن انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی بات سننے اور ان کا حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور انہوں نے قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو بڑے غصے میں پہلے بھائی کو ڈانٹا پھر سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو آگ میں ڈال کر اس کے لیے اعلان کر دیا کہ تیری بقیہ زندگی میں تیرا یہ حال ہوگا کہ کسی کے چھونے سے بھی تجھے تکلیف ہوگی اور قوم پر واضح کر دیا:

﴿ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (سورۃ طٰہٰ:۹۸)

''تمہارا معبود صرف وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ ہر چیز کو از روئے علم گھیرے ہوئے ہے۔''

پھر انہوں نے قوم کو توبہ کرنے کی تلقین کی اور اس کا طریقہ بھی بتا دیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے چلے جاؤ۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی یہاں تک کہ ستر ہزار افراد قتل ہو گئے۔ جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ اور دوسرے مفسرین نے نقل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قتال شدید کے بعد ان کی توبہ قبول فرمائی۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اسے توبہ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس صورت سے بچا لیا۔ لہٰذا اس امت میں سے جو بھی ارتکابِ معصیت کے بعد بارگاہِ الٰہ میں جھکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نہ صرف اس کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرتا ہے بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

حلِّ لغات:

- ﴿وٰعَدْنَا﴾ باب "مفاعلة" سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے، اس کا معنی ہے: ہم نے وعدہ کیا اور لیا۔ لفظ موسیٰ اس کا مفعول ہے۔
- ﴿اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ چالیس راتیں۔ يَوْمًا کی بجائے ليلة اس لیے آیا کہ دن کا آغاز رات سے ہوتا ہے۔
- ﴿الْعِجْلَ﴾ سے مراد گائے کا بچھڑا ہے۔
- ﴿الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ﴾ میں الکتاب سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی تورات ہے اور الفرقان اس کتاب کی تفسیر کر رہا ہے کہ جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔

سورۃ انبیاء: ۴۸ میں فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾

''اور تحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان، روشنی اور متقین کے لیے ذکر عطا فرمایا۔''

- ﴿بَارِئِكُمْ﴾ میں باریٔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس سے مراد عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔
- ﴿كُمْ﴾ ضمیر بنو اسرائیل کی طرف لوٹتی ہے۔
- ﴿التَّوَّابُ﴾ تَابَ يَتُوْبُ (ن) سے مبالغے کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں: ''بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا''
- ﴿الرَّحِيْمُ﴾ رَحِمَ يَرْحَمُ (س) سے صفتِ مشبہہ کا وزن ہے جو دائمی صفات کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی دائمی اور خاص رحمت مراد ہے جس کے سبب وہ دنیا میں اپنے خاص بندوں پر مہربانی کرتا ہے اور آخرت میں بھی فرمائے گا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿55﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿56﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ	''اور جب تم نے کہا: اے موسیٰؑ! ہم تمھاری بات اُس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر دیکھ نہ لیں۔ پس تم کو ایک زبردست کڑک نے پکڑ لیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کیا تاکہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر منّ اور سلویٰ نازل فرمایا، ہم نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿57﴾	تم کو جو پاک رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں بنو اسرائیل کے سرداروں کے گستاخانہ سوال کرنے اور اس پر ان کو سزا ملنے کے بعد بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر ہوا ہے۔ محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھا تو انہوں نے بھائی اور سامری کو تنبیہ کرنے کے بعد بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہا دی۔ پھر قوم میں سے بہترین ستر آدمیوں کو چن کر اپنے ساتھ طور پہاڑ پر توبہ کرنے کے لیے لے گئے۔ ان سے کہا اپنے کپڑوں کو صاف کرو، روزہ رکھو اور اپنے رب سے اپنے کیے کی توبہ کرو۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ دعا کریں کہ جب اللہ تعالیٰ سے آپ ہم کلام ہوں تو ہم بھی آپ کی باتیں سن لیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کر دی۔

موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے پہاڑ کو ڈھانپ لیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی آواز سنائی دی اور موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی۔ وہ ایسی چمک تھی کہ کوئی اس کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے جو فرمانا تھا وہ فرما دیا تو بادل ہٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے سرداروں کے پاس آ گئے۔ ان سرداروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم اس وقت تک آپ کی بات کا یقین نہیں کریں گے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔ ان کے اس گستاخانہ سوال اور احمقانہ رویے پر ایک ایسا زلزلہ آیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ وہ سارے مر گئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی: اے اللہ! ان بیوقوفوں کی جاہلانہ بات پر ہمیں ہلاک نہ کر۔ یہ بنو اسرائیل کے سردار ہیں۔ اگر ان کے بغیر میں اپنی قوم میں گیا اور ان کو بتایا کہ وہ اپنی جہالت کی بنا پر مر گئے تو میری بات کون مانے گا اور کون ایمان لائے گا؟ موسیٰ علیہ السلام یونہی دعا کرتے رہے اور رحمت خداوندی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر دیا۔ ساتھ ہی زندہ کرنے کی وجہ بھی بیان کر دی گئی۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکر کرو۔ یہاں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا سوال کرنے سے بچنے کی ضرورت ہے جو انسان کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔ بنو اسرائیل پر جو احسان فرمائے، ان میں سے دو کا ذکر یہاں ہوا ہے۔ جب اسرائیل کی یہ سراسر سرکشی تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس بات کا مطالبہ کیا جس پر وہ خود بھی قادر نہ تھے اور ان کی وجہ سے بہت بڑی آزمائش سے ان کو گزرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل وادی تیہ میں پہنچے تو سخت گرمی اور دھوپ کی وجہ سے ان کا برا حال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا اور ایک ٹھنڈک کا سبب بننے والا بادل دن کے وقت ان پر اس طرح چھا جاتا کہ ان کو گرمی کا احساس ہی نہ ہوتا۔ ان کے کھانے پینے کے لیے من اور سلویٰ کا بندوبست فرما دیا۔ صحیح بخاری میں مجاہد سے مروی ہے: "اَلْمَنُّ" صَمْغَةٌ " وَ السَّلْوٰی" الطَّيْرُ من سے مراد گوند اور سلویٰ سے مراد پرندے ہیں۔" (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الغمام وَ انزلنا......)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے کہ اَولوں کی صورت میں گوندان پر نازل ہوتی جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہوتی تھی اور پرندوں کو ہوا جمع کر کے ان کے اوپر لے آتی جن کو وہ اپنی ضرورت کے مطابق پکڑ کر ذبح کر کے پکاتے اور کھاتے تھے۔ ہر شخص اپنی روزانہ کی ضرورت سے زیادہ جمع کرنے کی کوشش کرتا تو من اور سلوٰی خراب ہو جاتا۔ جمعہ کے دن ان کو اجازت تھی کہ دو دن کے لیے لے لیں۔ کیونکہ ہفتہ ان کی عبادت کا دن ہوتا تھا جس کے لیے جمعہ کو ہی کھانے پینے کا بندوبست کر لیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے مثال نعمتوں سے نوازنے کے ساتھ بنو اسرائیل کو حکم دیا کہ ہم نے تمہیں جو پاک رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ، یعنی حرام کردہ چیزوں سے بچ جاؤ۔ یہی حکم اللہ تعالیٰ نے نبیوں، اہل ایمان اور تمام لوگوں کو دیا۔ کیونکہ جب حرام انسان کے پیٹ میں جاتا ہے تو پھر اس کی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو اپنی نعمتوں سے جب نوازا تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکرگزار ہوتے، اس کی بندگی اور عبادت اور زیادہ کرتے۔ لیکن اس بدبخت قوم نے نہ صرف نبیوں کی نافرمانی کی بلکہ ان کے خون سے بھی اپنے ہاتھوں کو رنگا۔ آج بھی اہل ایمان کا خون بہانے میں فخر محسوس کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا دیا کہ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں ان کے ظلم کی سزا عنقریب ملے گی۔ ان شاء اللہ۔

حلِّ لغات:

- ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی﴾ میں ''واؤ'' عاطفہ۔ اِذْ ظرف مبنی قُلْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ یا حرف ندا اور موسیٰ منادی۔ جملے کا معنی ہے اور جب تم نے کہا۔ اے موسیٰ!
- ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ﴾ میں لَنْ نفی مستقبل کے لیے ہے تاکید اور جب یہ مضارع پر آتا ہے تو اس کے آخر کو نصب دیتا ہے اور اس کے سات صیغوں سے نونِ اعرابی گرا دیتا ہے۔ لیکن جمع مونث غائب اور حاضر کے صیغوں پر کوئی عمل نہیں کرتا۔
- ﴿نُؤْمِنَ﴾ فعل مضارع جمع متکلم۔ لَکَ میں لام حرف جر اور کَ ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ہم تمہارے لیے ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔
- ﴿حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ میں حَتّٰی حرف نَرٰی. فعل مضارع جمع متکلم لفظ اللہ مفعول جَهْرَةً حال۔ جملے کا معنی ہے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر دیکھ لیں۔
- ﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾: میں ''فا'' حرف عطف اَخَذَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ کُم ضمیر مخاطب کی اور
- ﴿الصّٰعِقَةُ﴾ سے مراد بجلی کی ایسی کڑک ہے جس میں آگ بھی شامل ہو۔ جو نافرمانی کا مرتکب ہونے والی قوموں کی تباہی کا سبب بنی۔ جملے کے معنی ہیں: پھر تم کو صاعقة نے پکڑ لیا۔
- ﴿وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ واو حالیہ
- ﴿اَنْتُمْ﴾ ضمیر مرفوع منفصل
- ﴿ تَنْظُرُوْنَ﴾ فعل مضارع جمع مذکر حاضر، جملے کے معنی ہیں: اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے۔ یعنی عذاب کو آتے ہوئے تم نے دیکھا اور تم پر واقع ہو گیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿بَعَثْنٰكُمْ﴾ میں بَعَثْنَا فعل ماضی جمع متکلم اور کُمْ ضمیر مخاطب کی مفعول۔ اس کا معنی ہے: ہم نے تمھیں زندہ کیا۔

﴿الْغَمَامَ﴾ مراد بادل ہیں اور یہ غَمَامَةٌ کی جمع ہے۔ جیسا کہ سَحَابَةٌ کی جمع سَحَابٌ ہوتی ہے۔ اس کا فعل اور فاعل

﴿ظَلَّلْنَا﴾ ہے۔ یعنی جس طرح سائبان سے سایہ کیا جاتا ہے اسی طرح ہم نے دھوپ سے بچانے کے لیے تم پر بادلوں سے سایہ کیا۔ ''اَلْمَنّ'' اور ''السَّلْوٰی'' کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ''من'' سے مراد ''طا'' یا ''تا'' کے ساتھ طرنجبین، ترنجبین ہے، جب کہ ایک قول کے مطابق میٹھی گوند اور شہد مراد لیا گیا ہے۔ اگر من کو مصدر یہ مان لیا جائے تو پھر اس میں ہر قسم کا وہ اناج دانہ آ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احسان کے طور پر محنت و مشقت کے بغیر حاصل ہو۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ)) کھمبی اس ''من'' میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نازل فرمایا اور آنکھ کے لیے اس کا پانی شفاء ہے۔ (صحیح البخاري، کتاب التفسیر، باب ﴿ لا من والسلوى﴾، حدیث:٤٦٣٩)

صحیح مسلم میں مروی ہے۔ ((مِنَ الْمَنِّ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى)) اس من میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ السلویٰ کے بارے میں زیادہ تر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پرندے کی کوئی قسم تھی۔ من اور سلویٰ کا کوئی واحد نہیں جیسا کہ خیر اور شر کا کوئی واحد نہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب فضل الکمأة و مداواة ..... حدیث:٢٠٤٩)

﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ میں كُلُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ من حرف جر، طَيِّبٰتِ مجرور جو طيبة کی جمع ہے۔ ''ما'' موصولہ۔

﴿رَزَقْنَا﴾ فعل ماضی جمع متکلم اور کُمْ ضمیر مخاطب کی جملے کے معنی ہیں: ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں دیں۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا

''اور جب ہم نے کہا اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو حِطَّةٌ۔ ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور عنقریب نیکوکاروں کو ہم اور زیادہ دیں گے۔

پس ظالموں نے فرمان بدل دیا علاوہ اس کے جو ان سے کہا گیا تھا۔ پس ہم نے آسمان سے ان لوگوں پر، جنھوں نے ظلم کیا عذاب نازل فرمایا، اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور جس وقت موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿60﴾

طلب کیا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (جب انہوں نے ماری) تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ تمام لوگوں نے اپنے پینے کی جگہ کو جان لیا (پھر ارشاد ہوا) اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔

تشریح:

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کی خباثت کا ذکر کرنے کے ساتھ ان کو جس طرح معجزانہ طور پر پانی سے نوازا وہ بھی بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرکش اور نافرمان قوم کو ارضِ مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو ان کو یہ بشارت دی کہ وہ ایسی بستی ہوگی جس میں تمہارے کھانے پینے کا وافر سامان ہوگا۔ جتنا تم چاہو گے اتنا ہی وہاں پاؤ گے۔ لیکن جب اس بستی میں داخل ہونے کا وقت آئے تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے دعا کرنا۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف فرما، ہم سے ماضی میں جو خطائیں سرزد ہوئیں ان سے درگزر فرما۔ اس حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو ضمانت دی کہ ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جن پر اس نے احسان فرمائے، ان پر اپنی مزید مہربانیاں فرمائے گا۔ ان کو ملنے والی نعمتوں میں برکتوں کا نزول ہوگا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ قوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی بشارت و ضمانت پر اس کا شکر ادا کرتی۔ اطاعت و عبادت کا حق ادا کرنے میں لگ جاتی مگر انہوں نے سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حِطَّةٌ کو حِنْطَةٌ سے بدل دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی بجائے اناج کا سوال کیا۔ سجدہ کرنے کی بجائے سجدے کی جو الٹ صورت ہوسکتی ہے، وہ اختیار کر لی۔ رحمانی راہ کو چھوڑ کر شیطانی راہ پر گامزن ہو گئے۔ آدم علیہ السلام اور انبیاء و رسل علیہم السلام نے جو اپنی قوموں کے لیے نمونہ قائم کیا تھا اس کو نظر انداز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ وہی کچھ کیا جو سرکشوں اور نافرمانوں کے ساتھ کرتا رہا ہے۔ چنانچہ ان پر بھی آسمان سے اپنا عذاب نازل فرمایا لیکن یہاں یہ بھی واضح کر دیا کہ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ ان کی سرکشی کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ سورۂ نساء: (۱۴۷) میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾

''اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ قدر دان اور جاننے والا ہے۔''

جو بھی ظلم کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ بنو اسرائیل کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ ان کی اپنی ہی خباثت و ظلم کا نتیجہ تھا۔ سورۂ شوریٰ: (۳۰) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾

''جو بھی تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔''

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ اگر آج بھی اس کی مخلوق قرآن حکیم کی تعلیم کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق عمل نہیں کرے گی۔ سرکشوں اور نافرمانوں جیسے اعمال اپنائے گی تو ان پر آج بھی وہی قانون جاری ہوگا جو پہلی قوموں پر جاری ہوتا رہا ہے۔ بنو اسرائیل پر عذاب کے نزول کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اس بات کو بدل دیا جس کا ان کو حکم ملا تھا اور جو قوم اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجائے طاغوتی احکام کو بجالائے گی تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ ایسا ہی ہوگا۔

بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ اتنا مہربان تھا کہ پہلے ان کو فرعون کے ظلم سے بچایا، پھر انہیں اپنی نعمتوں سے نوازا، ان میں سے ایک نعمت یہ تھی کہ جب ان کو پانی کی ضرورت پیش آئی اور زمین میں دور دور تک پانی کا کہیں نشان دکھائی نہ دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی عرض کیا: اے اللہ! پانی کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی حکم کی تعمیل کی، اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے بارہ گروہوں کے لیے بارہ چشمے جاری کر دیئے تاکہ ہر گروہ کو اس کے حصول میں کوئی دشواری نہ ہو۔ یہاں یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہمیشہ مدد کی ہے۔ ہر مشکل کو ان کے لیے آسان کرتا رہا ہے۔ آج بھی امت محمدیہ متحد ہو کر اپنی مشکلات کا حل اپنے رب سے چاہے تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق ضرور مدد فرمائے گا۔

حلِّ لغات:

- ﴿اَلْقَرْيَةَ﴾ جمہور کے نزدیک اس سے مراد بیت المقدس ہے۔
- ﴿حَيْثُ﴾ ظرف مکان مبنی بر ضمہ ہے اور اس کا معنی ہے: جہاں سے بھی۔
- ﴿رَغَدًا﴾ اس کا معنی كَثِيْرًا وَاسِعًا یعنی خواہش کے مطابق بے حساب ہے۔ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
- ﴿اُدْخُلُوا، فَكُلُوا اور قُوْلُوْا﴾ تینوں فعل امر حاضر سے جمع کے صیغے ہیں۔ ان کے معنی علی الترتیب یہ ہیں: ''داخل ہو جاؤ۔ پس کھاؤ۔ کہو۔''
- ﴿حِطَّةٌ﴾ کے بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ''حُطَّ ذُنُوْبَنَا" ہے۔ یعنی ہمارے گناہ معاف کر دے۔ ابن جبیر سے مروی ہے کہ اس کا معنی استغفار ہے۔
- ﴿خَطَايَاكُمْ﴾ میں خَطَايَا خطيئة کی جمع ہے اور کم ضمیر مخاطب کی ہے۔ اس کا معنی ہے: تمہارے گناہ۔
- ﴿سَنَزِيْدُ﴾ میں نَزِيْدُ فعل مضارع سے جمع متکلم کا صیغہ ہے اور اس پر سین لایا گیا جو مضارع کے معنی کو مستقبل قریب سے خاص کر دیتا ہے۔
- ﴿اَلْمُحْسِنِيْنَ﴾ سابقہ فعل کا مفعول ہے اور محسن کی جمع ہے یعنی احسان کرنے والے۔ صحیح مسلم کی روایت کا حصہ ہے کہ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب احسان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) ''تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اس کو دیکھ نہیں پاتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔'' (صحيح مسلم، كتاب الايمان، حديث:۸)
- ﴿قَوْلًا﴾ سے مراد وہ بات ہے جس کے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو حکم دیا، وہ حِطَّةٌ تھا لیکن ظالموں نے اس کو بدل دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿رِجۡزًا﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو بنو اسرائیل کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے اس نے ان پر نازل فرمایا۔

❁ ﴿وَاِذِ اسۡتَسۡقٰی﴾ میں ''واؤ'' عاطفہ، اِذْ ظرف مبنی اور اسۡتَسۡقٰی باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ موسیٰ اس کا فاعل ہے اور اس کے بعد۔

❁ ﴿لِقَوۡمِهٖ﴾ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا۔ اِضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ میں اِضۡرِبۡ، فعل امر حاضر سے واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ بِعَصَاكَ میں با حرف جر، عَصَا مجرور کاف ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

❁ ﴿الۡحَجَرَ﴾ اِضۡرِبۡ کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اپنی لاٹھی پتھر پر مار۔ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا۔ میں فَانۡفَجَرَتۡ: فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مونث غائب ہے۔ منه میں من حرف جر اور ہ ضمیر اَلۡحَجَرْ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اِثۡنَتَا عَشۡرَةَ مرکب عددی ہے جس سے مراد بارہ کا عدد ہے۔ یہ فَانۡفَجَرَتۡ کا فاعل ہے۔ عَيۡنًا: تمیز منصوب مفرد ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پس اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

❁ ﴿مَشۡرَبَهُمۡ﴾ سے مراد ان کے پینے کی جگہ ہے۔

❁ ﴿مُفۡسِدِيۡنَ﴾ مفسد کی جمع ہے۔ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے مراد فساد برپا کرنے والے ہیں۔

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ هُوَ اَدۡنٰى بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ ؕ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ ؕ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿61﴾

''اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پینے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔ پس آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے زمین سے وہ نکالے جو وہ اگاتی ہے۔ یعنی سبزیاں، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز (وغیرہ)۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ طلب کر رہے ہو۔ کسی شہر میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں وہ مل جائے گا جو تم مانگ رہے ہو۔ اور ان پر ذلت اور مسکینی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ایسا اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی اور زیادتیاں کرتے تھے۔''

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں بنو اسرائیل کی بے صبری اور نعمت خداوندی کی ناقدری کا ذکر کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذلت و مسکینی کا بھی بیان فرمایا ہے۔ ایسی بد بخت قوم رہی ہے کہ ہمیشہ ہی برائی کی مرتکب ہوتی رہی ہے۔ ''من'' اور ''سلویٰ'' جیسی نعمت کے بدلے میں وہ طلب کیا جو کسی بھی صورت میں اس سے بہتر نہ تھا۔ یہاں ایک بڑا ہی عجیب نکتہ سامنے آتا ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمیں زمین سے حاصل ہونے والی چیزیں اُگا کردیں۔ بلکہ انہوں نے اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ان کو سبزیاں، ترکاریاں اور اناج عطا فرمائے۔ یعنی ان کو علم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے اپنے ہاتھ میں کچھ نہیں، نہ ہی موسیٰ علیہ السلام نے کسی موقع پر یہ تاثر دیا کہ وہ جب چاہیں معجزہ دکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے ''من وسلویٰ'' کی بجائے ادنیٰ چیزیں طلب کیں اور دعا کرنے کو کہا تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس میں دعا کرنے کی کون سی بات ہے، شہروں میں سے کسی بھی شہر میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں ہر قسم کی سبزی، ترکاری اور اناج ملے گا، جس کا بندوبست اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کے لیے پہلے ہی کر رکھا ہے۔ اس کے حصول کا ایک طریقہ کار ہے جو اس کو اپناتا ہے، اپنا مطلوب حاصل کر لیتا ہے۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ بنو اسرائیل نہ صرف اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھکرایا کرتے تھے، نافرمانی اور سرکشی کے مرتکب ہوا کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے والے جلیل القدر نبیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔

مسند ابی داؤد طیالسی میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ بنو اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کرتے پھر بازاروں میں لین دین کرتے تھے۔ جس قوم نے اللہ کے نبیوں کی پروا نہ کی، اس سے انسانیت کی خیر خواہی کی توقع کیسے ہو سکتی ہے؟

اگر کہا جائے کہ آج دنیا میں عملی طور پر ان کی گرفت ہے، امریکہ جیسی طاقت بھی ان کی مرضی کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتی تو ذلت اور مسکنت والی بات کی تعبیر کیا ہوگی؟

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ یہود نے جب اپنی سرکشی کی روایت کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہی ان کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو جزیرہ عرب سے نکال دیا۔ صدیوں دھکے کھانے کے بعد جب بھی ان کو کہیں عزت نصیب ہوئی تو تھوڑے ہی عرصے میں ان پر لکھی گئی ذلت و رسوائی نے ان کو گھیر لیا۔ اب جو بھی ان کی قوت ہے، اس کا دارومدار امریکہ پر ہے۔ اگر آج امریکہ ان کو چھوڑ دیتا ہے تو ان کا وہی حال ہوگا جو پہلے ہوتا رہا ہے۔ سورۂ آل عمران: (۱۱۲) میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَاثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۱۲)

''جہاں بھی ہوں گے ذلت ان پر لکھ دی گئی، یہ اور بات ہے کہ وہ اللہ یا لوگوں کی پناہ میں ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ وہ مشرکوں اور نافرمانوں کو ڈھیل دیتا ہے۔ جیسے اس نے فرعون، نمرود اور ان جیسے بادشاہوں کو دی۔ اس کا یہ بھی قانون ہے کہ اس کو ماننے والے جب اس سے اپنی نظریں ہٹاتے ہیں تو ان کو سیدھا کرنے کے لیے ان پر ان کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔ جب اس کے بندے پھر سے اس کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کی مدد کرتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آل عمران ہی میں ضمانت ہے:

﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ.﴾ (آل عمران:۱۱۱)

''سوائے تھوڑی سی تکلیف کے تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اگر تم سے قتال کریں تو پیٹھ موڑ لیں گے۔ پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''

چنانچہ بنو اسرائیل کی یہی تاریخ ہے۔ مسلمان جب اللہ کا نام لے کر ان سے ٹکرائیں گے تو وہ ٹھہر نہیں پائیں گے۔ آج بھی امت محمدیہ اللہ کی دکھائی ہوئی راہ پر چلے گی تو اللہ تعالیٰ اسلام سے دشمنی رکھنے والوں کو مغلوب اور ذلیل و رسوا کرے گا۔

حلِّ لغات:

- ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى﴾ میں واو عاطفہ، اذ ظرف بمعنی قُلْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر، یٰمُوْسٰی میں یا حرف ندا موسیٰ منادیٰ۔ جملے کے معنی ہیں: ''اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ!''
- ﴿لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ میں لَنْ نفی تاکید اور جب یہ مضارع پر داخل ہوتا ہے تو معنی کو مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور اسے نصب دیتا ہے۔ نَصْبِرَ فعل مضارع، صیغہ جمع متکلم، علی حرفِ جر، طعام واحد مرکب توصیفی مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔
- ﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ﴾ میں ادْعُ فعل امر حاضر، صیغہ واحد مذکر ''لام'' حرف جر ''نا'' ضمیر بنو اسرائیل کی طرف راجع ہے۔ مِمَّا اصل میں مِنْ مَا ہے۔ مِنْ حرف جر اور ما موصولہ۔ تُنْبِتُ فعل مضارع واحد مؤنث غائب۔ الْاَرْضُ اس کا فاعل ہے۔ معنی ہے: آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں کہ وہ زمین میں سے ہمارے لیے وہ نکالے جو وہ اُگاتی ہے۔
- ﴿بَقْلِهَا. قِثَّآءِ هَا. فُوْمِهَا. عَدَسِهَا اور بَصَلِهَا﴾ کی ضمیریں ھَا۔ سب الارض کی طرف لوٹتی ہیں۔ بَقل سے مراد وہ سبزیاں ہیں جن کے تنے اور شاخیں درختوں جیسی نہیں ہوتیں۔
- ﴿قِثَّآء﴾ سے مراد ککڑی اور فُوم سے مراد وہ اناج ہے جس کی روٹی پکائی جا سکے۔ چونکہ خوراک میں بنیادی چیز گیہوں کا آٹا ہوتا ہے، اس لیے اس کا راجح معنی گیہوں کیا جاتا ہے۔ اگرچہ فُوم کی بجائے ثوم بھی کہا گیا ہے عَدَسْ سے مراد مسور ہے اور بَصَلْ سے مراد پیاز ہے۔
- ﴿اَدْنٰى﴾ سے مراد کمتر چیز ہے۔
- ﴿خَيْرٌ﴾ سے مراد عمدہ چیز ہے۔
- ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا﴾ میں اِهْبِطُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر کا صیغہ ہے اور مِصْرًا اس کا مفعول فیہ ہے۔ اس کا معنی ہے: شہروں میں سے کسی شہر میں چلے جاؤ۔ مِصْرًا یہاں منصرف ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی قول ہے کہ اس سے مراد مصر فرعون ہے۔ اس صورت میں منصرف کی بجائے اسے غیر منصرف پڑھنا ہوگا۔ یعنی الف کے بغیر مصر ہوگا۔
- ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ میں ضُرِبَتْ فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب۔ عَلٰی حرف جر۔ هُمْ ضمیر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنو اسرائیل کی طرف راجع، الذِّلَّةُ اور الْمَسْكَنَةُ دونوں ضربت کے نائب فاعل ہیں ان سے مراد ذلت و مسکینی ہے۔

﴿بَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ بَآؤُا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ ب حرف جر غَضَبٍ مجرور مِنْ حرف جر اور لفظ اللہ مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: ''وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے'' یعنی اللہ کا غضب ان کا مقدر بن گیا۔

﴿يَكْفُرُوْنَ. يَقْتُلُوْنَ اور يَعْتَدُوْنَ﴾ تینوں فعل مضارع سے جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ ان سے پہلے كَانُوْا ہے اور يَقْتُلُوْنَ سے پہلے واو عاطفہ ہے۔ ان کا معنی ہے: وہ کفر کرتے۔ نبیوں کو قتل کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (62)
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (63)
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (64)
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ (65)
فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (66)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ جو یہود و نصاریٰ اور صابی تھے، (ان میں سے) جو بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، پس ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہوگا، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔ اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا (پھر ہم نے حکم دیا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اس میں جو ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر تم اس کے بعد پھر گئے۔ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم گھاٹے میں ہو جاتے۔ اور تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے تم میں سے ہفتے کے دن (کے بارے) میں زیادتی کی، پس ہم نے ان کو کہا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔ ہم نے اسے اگلے اور پچھلے والوں کے لیے عبرت اور متقین کے لیے نصیحت بنایا۔''

تشریح:

ان آیاتِ مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ پہلی امتوں میں سے جو لوگ اپنے اپنے نبیوں کی اطاعت کرنے والے، اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے اور نیک اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کرنے والے تھے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس نہ صرف اجر و ثواب ہوگا بلکہ قیامت کے روز ہر قسم کے غم و حزن سے وہ محفوظ ہوں۔ لیکن ہر امت پر فرض رہا ہے کہ وہ اس شریعت کے مطابق عمل کرے جس نے سابقہ شریعت کو منسوخ کر دیا ہو۔ جیسے یہود پر فرض تھا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان لاتے اور ان کو ملنے والی شریعت کے مطابق عمل کرتے اور اسی طرح یہود و نصاریٰ پر فرض تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے تابع ہو جاتے، کیونکہ ان کو ملنے والی شریعت حتمی اور آخری شریعت بھی ہے۔ لہٰذا محمد رسول اللہ ﷺ کے معبوث ہوتے ہی تمام انس و جن پر فرض ہوگیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (آل عمران:۸۵)

''اور جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کیا تو اس سے کچھ بھی ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

امام قرطبی نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت میں سے جس یہودی اور نصرانی نے میرے بارے میں سنا وہ اس پر ایمان نہ لایا جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں تو وہ جہنمیوں میں ہوگا۔''

یہاں بنو اسرائیل کے دو واقعات کا بھی ذکر ہوا ہے۔ جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی شریعت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو زمین سے اکھاڑ کر ان پر بلند کر دیا اور ان سے کہا گیا کہ اگر تم نے شریعت کے مطابق عمل کرنے کا اقرار نہ کیا تو تم پر یہ پہاڑ گرا دیا جائیگا۔ سورۂ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ﴾ (الاعراف:۱۷۱)

''اور جب ہم نے پہاڑ کو اکھیڑ کر ان کے اوپر بلند کیا تو وہ ان پر ایسے تھا جیسے سائبان ہو۔''

اپنے اوپر پہاڑ کو دیکھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پکا وعدہ کر لیا کہ وہ شریعت موسوی پر عمل کریں گے۔ لیکن وہ اپنے وعدے پر بھی قائم نہ رہے اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتے کے روز مچھلی کے شکار سے منع کیا تھا لیکن ان بدبختوں نے مختلف حیلوں سے مچھلی کے شکار کو جاری رکھا۔ ان کے نیک لوگوں نے اُن کو منع کیا، ان کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی، ان کو اللہ کے عذابوں سے ڈرایا۔ لیکن ان پر جب کوئی اثر نہ ہوا تو وہ ان سے کنارہ کش ہوگئے۔

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ انہوں کے شہر کے درمیان میں ایک دیوار بنا لی اور اس کے درمیان میں ایک دروازہ رکھ لیا۔ بدبختوں کی سرکشی اپنے عروج پر پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر اس صورت میں نازل ہوا کہ ان کو ذلیل و رسوا ہونے والے بندر بنا دیا گیا۔ جو آس پاس کی بستیوں کے لیے عبرت اور متقی لوگوں کے لیے نصیحت تھی۔ تفاسیر میں منقول ہے کہ تین دن بعد وہ ہلاک ہوگئے۔ بندروں کی جو نسل اب موجود ہے اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ نسل ان سے پہلے بھی موجود تھی۔ بنو اسرائیل کے سرکش لوگوں کا بندر بنایا جانا، ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب تھا۔

جامع ترمذی میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ وہ وقت ہے جس میں علم چھین لیا جائے گا۔ پھر اس میں سے کچھ پر بھی وہ قدرت نہیں رکھیں گے۔ زیدؓ بن لبید انصاری نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم سے علم کیسے چھینا جائے گا جب کہ ہم نے قرآن پڑھا؟ اللہ کی قسم!

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم اسے پڑھتے رہیں گے اور اپنی بیوی بچوں کو پڑھاتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا: زید! تمہاری ماں تمہیں گم پائے۔ میں تو تجھے مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا تھا، تو نے یہ کیسی بات کہی؟ کیا یہود و نصاریٰ کے پاس تورات اور انجیل نہ تھی؟ وہ ان کے کیا کام آئی؟ (جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی ذهاب العلم، حدیث:٢٦٥٣)

سنن نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں سے سب سے برا شخص وہ فاسق ہے جو قرآن پڑھے پھر بھی اپنی جہالت سے باز نہ آئے۔'' یعنی قرآن حکیم سے فائدہ نہ اٹھائے۔

حلّ لغات:

- ﴿هَادُوْا﴾ کا مادہ (ہ و د) ہے جو یہود سے ماخوذ ہے۔ یہاں یہ لفظ فعل ماضی معروف کے صیغہ واحد مذکر غائب کی شکل میں استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد یہود ہیں۔ ان کو یہود کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی نسبت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے یہودا کی طرف کی جاتی تھی۔ جس بنا پر وہ یہود کہلائے، عربوں نے ذال کو دال سے بدل دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی توبہ کی وجہ سے ان کو یہود کہا گیا۔ جیسے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ﴾ ''ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں'' یعنی توبہ کرتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ هَوْدَاة سے ماخوذ ہے جس کے معنی مروت اور دوستی کے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ تورات پڑھتے وقت بہت زیادہ ہلتے تھے۔ اس وجہ سے ان کو یہود کہا گیا۔
- ﴿النَّصٰرٰى﴾ النصرانی کی جمع ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ناصرہ بستی میں اکثر آتے جاتے تھے۔ اس لیے ان کو عیسیٰ ناصری کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ان کے اصحاب کو نصاریٰ کہا جانے لگا۔ تفسیر قرطبی میں منقول ہے کہ چونکہ بعض ان کا بعض کی نصرت کیا کرتا تھا، لہٰذا ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ سورۃ الصف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ (الصف:١٤) ''اللہ کی راہ میں کون میرے مددگار ہوں گے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہوں گے۔''
- ﴿الصّٰبِـِٕيْنَ﴾ الصابی کی جمع ہے۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اہل کتاب کا ایک گروہ تھا۔ امام رازی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ وہ ستارہ پرست تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں مروی ہے۔ وہ کسی خاص مذہب کے پابند نہیں تھے۔ اسی بنا پر اہل مکہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو صابی کہا کرتے تھے۔ اس کے لغوی معنی ہیں: مَنْ خَرَجَ وَمَالَ مِنْ دِيْنٍ اِلٰى دِيْنٍ ''جو ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کی طرف مائل ہوا۔''
- ﴿اَخَذْنَا. رَفَعْنَا﴾ دونوں فعل ماضی معروف سے جمع۔ متکلم کے صیغے ہیں۔
- ﴿الطُّوْرَ﴾ سے مراد پہاڑ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام والا طور پہاڑ ہے۔ خُذُوْا فعل امر حاضر سے جمع مذکر۔ مَا موصولہ
- ﴿اٰتَيْنٰكُمْ﴾ میں اٰتَيْنَا فعل ماضی معروف، صیغہ جمع متکلم اور کم ضمیر مخاطب، جو بنو اسرائیل کی طرف راجع ہے۔ بِقُوَّةٍ مرکب جاری۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاذْكُرُوْا﴾ میں واو عاطفہ اور اُذْكُرُوْا فعل امر حاضر سے جمع مذکر کا صیغہ ہے۔

﴿الْخٰسِرِيْنَ﴾ اَلْخٰسِرُ کی جمع ہے جو خَسِرَ ، يَخْسَرُ (س) سے اسم الفاعل ہے اور اس سے مراد نقصان اٹھانے والے ہیں۔ السَّبْت سے مراد ہفتے کا دن ہے۔

﴿قِرَدَةً﴾ قرد کی جمع ہے اور اس کا معنی: بندر ہے۔

﴿خٰسِئِيْنَ﴾ اس کی صفت ہے۔ اس سے مراد ذلیل و رسوا ہونے والے بندر ہیں۔

﴿نَكَالًا﴾ سے مراد عبرت اور نصیحت ہے۔

﴿مَوْعِظَةً﴾ کا معنی: نصیحت ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿68﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿69﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿70﴾

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿71﴾

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قوم نے کہا کیا آپ ہمارے ساتھ ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں کہ میں جہلاء میں سے ہو جاؤں۔ قوم نے کہا اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے واضح کر دے کہ وہ گائے کیسی ہو۔ (موسیٰ علیہ السلام نے کہا) وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ چھوٹی عمر کی۔ بلکہ درمیانی عمر کی ہو، تمہیں جو حکم دیا جا رہا ہے وہ کرو۔ قوم نے کہا اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے واضح کرے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا بے شک وہ فرماتا ہے کہ گائے کا رنگ ایسا زرد چمکنے والا ہو کہ دیکھنے والوں کو اچھا لگے۔ قوم نے کہا اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے واضح کر دے کہ وہ کیسی ہونی چاہیے؟ کیونکہ گائیوں کے بارے میں ہم کچھ شک و شبہ میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پائیں گے۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ گائے ایسی ہونی چاہیے جو کھیتی باڑی اور پانی نکالنے کے لیے استعمال نہ ہوئی ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ صحیح سلامت بے داغ ہونی چاہیے۔لوگوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا ہے۔ پس انہوں نے گائے ذبح کر دی اور قریب تھا کہ وہ ایسا نہ کرتے۔"

تشریح

ان آیات مبارکہ میں بنو اسرائیل میں ہونے والے قتل کے ایک واقعے کا ذکر ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے بنو اسرائیل میں جنگ و جدال کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے مشاورت کے ذریعے یہ طے کیا کہ جب ہم میں اللہ تعالیٰ کے نبی موجود ہیں تو کیوں نہ معاملہ ان کے سامنے رکھا جائے اور ان کی طرف سے جو راہنمائی ملے اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ جب قوم نے قتل کا معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھا۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس میں ہماری راہنمائی فرما۔ تاکہ قوم جنگ و جدال سے بچ جائے اور حقیقت سامنے آ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنی قوم سے کہہ کہ وہ ایک گائے ذبح کریں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حکم ملتے ہی وہ تعمیل کر دیتے۔ جو بھی گائے میسر آتی اسے اللہ کے حکم کے مطابق ذبح کر دیتے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنی خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے گائے کے بارے میں سوال کرنے شروع کر دیئے۔ جیسے جیسے سوال بڑھتے گئے۔ گائے کا حصول مشکل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ گائے ان کو اس کے وزن کے برابر سونا دے کر خریدنی پڑی۔ جب قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ گائے کا مالک قیمت بہت زیادہ مانگ رہا ہے تو انہوں نے کہا اب تم کو وہ قیمت دینی ہی ہوگی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ بنو اسرائیل کا ایک مالدار انسان تھا اس کی صرف ایک ہی بیٹی تھی۔ اس کا ایک بھتیجا بھی تھا۔ بھتیجے نے جب دیکھا کہ اس کا بوڑھا چچا مرتا ہی نہیں تو اس کے ذہن میں شیطان نے مزین کیا کہ وہ اپنے چچا کو مارے اور اس کی بیٹی سے شادی کر کے سارے مال کا مالک بن جائے اور چچا کی لاش کو رات کے وقت کسی قلعے کے باہر پھینک کر صبح ان پر قتل کی تہمت لگا دے۔ چچا کے مال کے ساتھ چچا کی دیت بھی اس کو مل جائے گی۔

چنانچہ اس نے موقع پا کر اپنے شیطانی پروگرام کو عملی جامہ پہنا دیا اور صبح ہوتے ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چچا کو تلاش کرتے کرتے بھلے لوگوں کے قلعہ تک پہنچ گیا۔ چچا کی لاش کو دیکھ کر زبردست ڈرامہ رچایا کہ تم نے میرے چچا کو ناحق مار دیا۔ میں اب اپنے ساتھیوں سمیت تم پر حملہ کروں گا۔ قلعہ والوں نے بڑا یقین دلایا کہ اس کے چچا کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن وہ برابر شور مچائے جاتا رہا۔ آخر انہوں نے تنگ آ کر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کر دیا کہ کسی طرح اس کا فیصلہ کیا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دعا کرنے پر جب گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق حجت بازی شروع کر دی۔

یہاں ایک نکتے کی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو موسیٰ علیہ السلام کے دعا کرنے کے ساتھ ہی حقیقت بیان کر دیتا۔ فوراً ہی قتل کے بارے میں وضاحت کیوں نہ ہوئی۔ دراصل اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ ان کو دکھانی چاہ رہا تھا کہ وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مردوں کو زندہ کیسے کرے گا اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی اور سرکشی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ عام قیمت والی گائے کی بجائے مطلوبہ گائے کو ترازو میں تول کر سونا دینا پڑا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ بھی حکمت تھی کہ جس لڑکے پاس گائے تھی۔ وہ ماں باپ کا بڑا تابعدار اور فرمانبردار تھا۔ اس کا گھرانہ پہلے بڑا خوشحال اور مالدار تھا لیکن حالات نے پلٹا کھایا کہ تونگری تنگ دستی میں تبدیل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی اس لڑکے کو ماں باپ کی تابعداری کا صلہ دینا تھا۔ چنانچہ بنو اسرائیل کے سوالوں کے جواب میں گائے کی جن صفات کا تعین ہوا، وہ صرف اسی لڑکے کے پاس تھی۔

حلِّ لغات:

- ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اللہ اسم منصوب۔ يَاْمُرُ فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ کُمْ ضمیر مخاطب کی جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرف راجع ہے۔ أَن مصدریہ تَذْبَحُوْا اصل میں تَذْبَحُوْنَ تھا۔ اَنْ ناصبہ کی وجہ سے نون گر گئی۔ تَذْبَحُوْا بھی فعل مضارع لیکن جمع مذکر ہے۔ بَقَرَة اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔'' بَقَرَة کی جمع بَقَرَاتٌ ہے۔
- ﴿اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ تَتَّخِذُ فعل مضارع اور واحد مذکر حاضر۔ نا ضمیر متکلم کی مفعولِ اول اور هُزُوًا مفعول ثانی ہے۔ یہ جملہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا قول ہے کہ کیا آپ ہم سے ہنسی مذاق کر رہے ہیں؟
- ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ اَعُوْذُ فعل مضارع واحد متکلم۔ بِا حرف جر لفظ اللہ مجرور۔ اَنْ ناصب اَكُوْنَ فعل مضارع واحد متکلم۔ نون پر زبر اَنْ کی وجہ سے آئی ہے۔ مِنْ حرف جر الْجٰهِلِيْنَ ۔ مجرور جو جَاهِلٌ کی جمع ہے۔ یہ جملہ موسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔ جہلاء میں سے ہو جاؤں۔ یعنی ایسی بات کہوں جو مناسب نہ ہو۔
- ﴿ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ﴾ اُدْعُ فعل امر واحد مذکر۔ لام حرف جر، نا ضمیر متکلم کی، رَبَّ مفعول کَ ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ یُبَيِّنْ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جوابِ امر ہونے کی وجہ سے نون پر جزم آئی ہے۔ لام حرف جر، نَا ضمیر متکلم کی، مَا استفہامیہ هِيَ ضمیر مرفوع منفصل ہے۔ جملے کے معنی ہیں: آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے واضح کرے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہیے؟
- ﴿ فَارِضٌ ،بِكْرٌ، عَوَانٌ، صَفْرَآءُ ، فَاقِعٌ لَّوْنُهَا، تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ، لَا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ، لَا تَسْقِي الْحَرْثَ، مُسَلَّمَةٌ لَّاشِيَةَ فِيْهَا ﴾ یہ بَقَرَةٌ کی صفات بیان ہوئی ہیں۔ فَارِضٌ سے مراد بوڑھی، بِكْرٌ سے مراد چھوٹی عمر کی، عَوَانٌ سے مراد درمیانی عمر والی، صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا سے مراد ایسا زرد رنگ جو چمکنے والا ہو، تَسُرُّ النَّاظِرِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ''دیکھنے والوں کو اچھی لگے'' لَا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ سے مراد جو کھیتی باڑی کے کاموں میں استعمال نہ ہوئی ہو۔ ﴿لَا تَسْقِي الْحَرْثَ﴾ اور نہ کنویں سے پانی نکالنے ہی کے کام میں لائی گئی ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿مُسَلَّمَةٌ لَّاشِيَةَ فِيهَا﴾ سے مراد ہر نقص و عیب سے پاک صحیح سلامت ہو۔

❁ ﴿وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ میں واو عاطفہ، مَا نافیہ، کَادُوْا۔ افعال مقاربہ میں سے ہے اور یہ فعل جز کے قرب کے حصول کے لیے لایا جاتا ہے۔ یہاں فعل ماضی جمع مذکر ہے۔ یَفْعَلُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر ہے اور جملے کے معنی ہیں: قریب تھا کہ وہ گائے ذبح نہ کرتے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿72﴾

''اور جب تم نے ایک نفس کو قتل کر دیا، پھر تم نے اس میں جھگڑا کیا جب کہ اللہ تعالیٰ وہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾

پھر ہم نے کہا کہ اس کا ایک ٹکڑا اس (مقتول کے جسم) پر مارو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا رہا ہے تا کہ تم عقل کرو۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿74﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے۔ پس وہ پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔ حالانکہ پتھروں میں سے ایسے بھی ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور ایسے بھی ہیں جو پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گرے پڑتے ہیں اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں۔''

تشریح

ان آیات مبارکہ میں بنو اسرائیل کی سنگ دلی کو اجاگر کرنے کے ساتھ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اس کا بھی مظاہرہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس سے کچھ بھی مخفی نہیں اگر کوئی سمجھے کہ لوگوں کی نظروں سے بچ کر وہ کوئی عمل کرے اور اللہ کو اس کا علم نہ ہوگا تو یہ اس کی اپنی بھول ہوگی کیونکہ وہ ظاہر اور باطن دونوں کا جاننے والا ہے۔

مال دار شخص کے بھتیجے نے پروگرام بنایا تھا کہ چچا کو قتل کر کے اس کی بیٹی سے شادی کر کے اس کی تمام جائداد پر وہ نہ صرف قابض ہو جائے گا بلکہ اس کی دیت بھی اس کو مل جائے گی۔ اس نے لوگوں کو کامیابی کے ساتھ دھوکہ تو دے دیا لیکن اللہ تعالیٰ کو دھوکا کون دے سکتا ہے؟ عجیب بات تو یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہونے کے باوجود حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں جتنے بھی غیب کے بارے میں علم رکھنے کے دعوے دار ہیں۔ وہ سب جھوٹے اور مکار ہیں لوگوں کے ایمان اور مال پر ڈاکہ ڈالنے والے ہیں۔ ان کے پاس جانے والے سراسر گمراہی کا شکار ہوتے ہیں۔ قتل کا واقعہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ بنو اسرائیل نے حجت بازی کے بعد گائے ذبح کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اس کے کسی حصے کو مقتول کے جسم سے لگاؤ۔ جیسے ہی گائے کا گوشت مقتول کے جسم سے لگایا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر دیا۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ تجھے کس نے قتل کیا تو اس نے بتایا کہ اس کا قاتل اس کا اپنا بھتیجا ہے۔ اتنا بتانے کے بعد وہ پھر مر گیا۔

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ چچا کے مرنے کے ساتھ ہی بھتیجے نے چچا پر الزام لگا دیا کہ وہ جھوٹا ہے۔ حالانکہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مردہ چچا کو زندہ ہی اسی لیے کیا تھا کہ قاتل کے بارے میں جو جھگڑا اور اختلاف ہو رہا ہے، اس کو ختم کیا جائے۔ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی قاتل تائب ہونے پر تیار نہ ہوا۔

یہ بھی منقول ہے کہ بنو اسرائیل کا جو عام معمول تھا، اس کو اجاگر کرنے کے لیے ارشاد ہوا کہ ان کے دل پتھر ہو گئے۔ پتھروں والی سختی ان میں سما گئی۔ بلکہ پتھروں کی سختی کو بھی انہوں نے ماند کر دیا حالانکہ پتھروں میں وہ پتھر بھی ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں۔ جگہ جگہ چشمے پھوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گرے پڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح پتھروں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ادراک اور سمجھ ہے۔

سورۂ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ ﴾(الاحزاب:۷۲)

”ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس کو اٹھانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ انسان بے شک جاہل اور ظالم ہے۔“

مذکورہ تینوں میں ادراک اور سمجھ تھی تو انہوں نے امانت کے بارے میں ذمہ داری قبول نہ کی۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے منبر مبارک بنائے جانے سے پہلے آپ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ نے اس کو الگ کیا تو اس میں سے رونے کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں کہ زمانۂ جاہلیت میں جو مجھے سلام کیا کرتا تھا۔

سورۂ حشر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ ﴾(الحشر:۲۱)

”اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو کر گر جاتا۔“

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اللہ کے ذکر کے بغیر کثرتِ کلام سے بچو۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے بغیر کلام میں کثرت دل کی سختی کا سبب بنتی ہے۔ لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ سے سب سے دور ہونے والا سخت دل والا ہوتا ہے۔'' (یعنی جس کے دل میں نرمی نہ ہوگی) (جامع الترمذی، کتاب الزهد، باب منه النهی عن کثرة الکلام، حدیث:۲٤۱۱)

مسند بزار کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنکھوں سے آنسوؤں کا جاری نہ ہونا۔ دل کا سخت ہو جانا۔ امیدوں کا بڑھ جانا اور لالچی بن جانا۔

بنو اسرائیل میں تمام وہ برائیاں موجود تھیں جو ان کی بدبختی کا سبب بنیں۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ ان کے دل پتھروں جیسے ہوگئے۔ یا ان سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جو تم کرتے ہو اس سے وہ غافل نہیں۔ اسے انسان کے ہر عمل کا علم ہے۔ اگر کوئی سمجھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہا ہے تو درحقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔

حلِّ لغات:

- ﴿ فَادّٰرَءْتُمْ ﴾ فَا تعقیب کا اور اِدّٰرَءْتُمْ فعل ماضی سے، جمع مذکر حاضر ہے۔ اس کا معنی ہے: پھر تم نے اختلاف اور جھگڑا کیا۔
- ﴿مُخْرِجٌ ﴾ باب افعال سے اسم فاعل ہے، اس کا معنی ہے: ''نکالنے اور ظاہر کرنے والا۔''
- ﴿ تَکْتُمُوْنَ ﴾ فعل مضارع جمع مذکر حاضر اور اس سے پہلے ﴿ مَاکُنْتُمْ ﴾ ہے۔ جملے کا معنی ہوگا کہ ''جو تم چھپاتے تھے۔''
- ﴿ اِضْرِبُوْا ﴾ فعل امر حاضر، واحد مذکر اور اس کا معنی ہے: ''تم مارو'' یعنی مقتول کے جسم کے ساتھ لگاؤ۔
- ﴿ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ میں لَعَلَّ حرف رجاء کُمْ ضمیر مخاطب کی تَعْقِلُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ اس کا معنی ہے: تا کہ تم عقل کرو، یعنی عقل استعمال کر کے ہدایت پاؤ۔
- ﴿ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ ﴾ میں قَسَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور قُلُوْبُکُمْ اس کا فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے: تمہارے دل سخت ہوگئے۔
- ﴿ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ میں اَشَدُّ اسم تفضیل اور قَسْوَةً سے مراد سختی ہے۔ یہاں سختی کی شدت کو ظاہر کیا ہے۔ یعنی تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔
- ﴿یَتَفَجَّرُ، یَشَّقَّقُ اور یَهْبِطُ ﴾ تینوں فعل مضارع واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ تینوں کے معنی علی الترتیب یوں ہیں۔ وہ جاری ہوتا ہے یا ہوگا۔ وہ پھٹتا ہے یا پھٹے گا۔ وہ گرتا ہے یا گرے گا۔ دلوں کی سختی کے مقابلے میں پتھروں کے سخت ہونے کے باوجود ان کی نرمی کو نمایاں کیا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾
وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿76﴾
اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿77﴾

''کیا تمہاری خواہش ہے کہ وہ تمہاری باتوں کا یقین کر لیں (یعنی ایمان دار بن جائیں) حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کا کلام سنتے ہیں اور اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر اس کو بدل دیتے ہیں۔ جب وہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب بعض ان کا بعض کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو کہتے ہیں کیا تم مسلمانوں کو وہ بات بتاتے ہو جو اللہ نے تمہیں سکھائی تاکہ تمہارے رب کے پاس وہ تم پر حجت قائم کریں؟ تم عقل کیوں نہیں کرتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گمراہ قوم یہود کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ تمہارے کہنے یا دعوت دینے پر ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ تمہاری خواہش ہے کہ وہ بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ یہ تو ایسی قوم ہے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی تعلیمات کی پروانہ کی، ان کو قتل کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ سے وعدے کر کے پھر جایا کرتے تھے۔ کلام اللہ کو سن اور سمجھ کر ان میں تحریف کرتے ہوئے اللہ سے ڈرا نہ کرتے تھے۔ ان کے علماء اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اپنے دین کو بیچنے میں کوئی عار محسوس نہ کیا کرتے تھے۔ مختلف تاویلوں کے ذریعے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا کرتے تھے۔ حق کے بارے میں علم رکھنے کے باوجود باطل پر ڈٹے رہتے تھے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور حق لائے ہیں۔ یہود جانتے ہیں کہ میں سردار ابن سردار ہوں۔ ان میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا اور علم رکھنے والے کا بیٹا ہوں۔ اس سے پہلے کہ یہود جان لیں کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں، آپ ان کو بلائیں اور میرے بارے میں ان سے پوچھیں۔ اگر ان کو علم ہوگیا کہ میں مسلمان ہوگیا تو میرے بارے وہ کچھ کہیں گے جس سے میں پاک ہوں۔ یعنی جو کچھ مجھ میں نہیں۔ آپ نے یہود کو بلایا۔ جب وہ آ گئے تو آپ نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسولِ برحق ہوں اور تمہارے پاس حق لایا ہوں، پس تم مسلمان ہو جاؤ۔ یہود نے کہا ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ آپ نے ان سے پوچھا: عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ یہود نے جواب دیا وہ تو ہمارے سردار ابن سردار سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور علم رکھنے والے کے بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو تم کیا کہو گے۔ انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا وہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ آپ نے تین مرتبہ جب اپنی بات دہرائی تو انہوں نے تین مرتبہ یہی جواب دیا۔ آپ نے عبداللہ بن سلام کو (یہود سے جہاں اوجھل رکھا وہاں سے نکل کر ان کے) سامنے آنے کا حکم دیا۔ جب وہ یہود کے سامنے آگئے تو انہوں نے کہا: اے جماعتِ یہود! اللہ سے ڈر جاؤ اور قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تم جانتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور حق لائے ہیں۔ یہود نے جب اپنے سردار اور اپنے سب سے بڑے عالم کی یہ بات سنی تو کہنے لگے: تو نے جھوٹ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کی ہٹ دھرمی اور ضد دیکھی تو آپ نے ان کو نکل جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔'' (صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ أَصْحَابِه إلى المدينة، حديث: ۳۹۱۱)

صحیح بخاری ہی کی روایت ہے۔ یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، تورات میں اس بارے میں تم کیا حکم پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم ان کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ تورات میں زانی زانیہ کو رجم کرنے کا حکم ہے۔ تورات لائی گئی اور اس کو پڑھنے والے نے رجم والی آیت پر اپنا ایک ہاتھ رکھ کر اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے اس سے ہاتھ اٹھانے کو کہا، تو رجم والی آیت سامنے آگئی اور یہود کو انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہ ملی۔ چنانچہ زانی اور زانیہ کو رجم کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب أحكام أهل الذمّة و إحصانهم إذا زنَوْا، حديث: ۶۸۴۱)

مذکورہ دونوں واقعات سے یہود کی ذہنیت واضح ہو جاتی ہے کہ حق کتنا ہی ثابت ہو جائے، انہوں نے نہیں ماننا۔ جس پر وہ ڈٹ جاتے ہیں، اس کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔ اللہ کی یہ لعنت ہے ان پر کہ ہدایت سے وہ دور رہتے ہیں۔ سورۃ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (النساء: ۱۵۵)

''ان کو جو سزا ملی۔ اس کا سبب ان کی عہد شکنی، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار، نبیوں کو ناحق قتل کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف پڑا ہوا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے خود ہی وضاحت فرما دی۔ ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ لہٰذا ان کے چند کے سوا باقی ایمان نہیں لائیں گے۔''

سورۃ الصف میں یہود کی خباثت کو مزید یوں اجاگر کیا گیا ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ (الصف: ۵)

''اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! مجھے تکلیف کیوں دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ جب قوم ٹیڑھی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے (یعنی ان کے ٹیڑھے پن پر لعنت کی مہر لگا دی۔) اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

ان کا یہ ٹیڑھا پن ہی تھا کہ کلام اللہ میں تحریف کرتے۔ مومنوں سے ملتے تو کہتے ہم ایمان لائے لیکن جب اپنے جیسے خبیث لوگوں میں جاتے تو ایک دوسرے کو منع کرتے کہ ایسی بات مت کہو جو اللہ کے نزدیک تمہارے خلاف حجت کا سبب بن جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کو علم تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور حق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا ٹیڑھا پن آڑے آیا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہو سکے۔ حد تو یہ ہے کہ ان کو اس کی بہت مرتبہ سزا مل چکی ہے لیکن وہ اپنی اصلاح کرنے پر تیار نہیں ہوتے، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سرکشی اور مزید ٹیڑھے پن کو اپنا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے: ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ جو کوئی جس راہ پر چلتا ہے ہم اس کو اسی پر لگا دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اچانک پکڑتا ہے اور جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے۔

حلِّ لغات:

- ﴿ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ تَطْمَعُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر، اَنْ ناصبہ۔ اسی کی وجہ سے يُؤْمِنُوْنَ کی نون حذف ہوگئی ہے، جو فعل مضارع جمع مذکر غائب ہے۔ لَكُمْ میں لام حرفِ جر اور كُمْ ضمیر مجرور متصل۔ جملے کے معنی ہیں: کیا تم خواہش رکھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے ایمان لے آئیں گے۔
- ﴿ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ﴾ میں واو عاطفہ، قَدْ حرف تحقیق، كَانَ، فعل ناقص ماضی سے واحد مذکر غائب، فریق اسم، مِنْهُمْ میں مِنْ حرف جر اور هُمْ ضمیر مجرور جو یہود کی طرف راجع ہے۔ يَسْمَعُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب، كَلَامَ اللّٰهِ مرکب اضافی، پچھلے فعل کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور ان میں سے ایک جماعت یا گروہ ہے جو اللہ کے کلام یعنی تورات کو سنتا ہے۔
- ﴿ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَاعَقَلُوْهُ﴾ میں ثُمَّ، حرف عطف، يُحَرِّفُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب ہٗ ضمیر كَلَامَ اللّٰه کی طرف راجع ہے۔ مِنْ حرف جر بَعْدِ مجرور ما موصولہ۔ عَقَلُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ہٗ ضمیر بھی کلام اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ میں واو عاطفہ اور حالیہ بھی ہو سکتی ہے۔ ھم ضمیر سے مراد یہود، میں، يَعْلَمُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ دونوں جملوں کا معنی ہے: پھر وہ اسے اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس کو بدل دیتے ہیں حالانکہ وہ اس کے بارے میں علم رکھتے ہیں۔ یعنی جانتے ہوئے تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔
- ﴿ لَقُوْا اور خَلَا﴾ دونوں فعل ماضی کے صیغے ہیں۔ لَقُوْا جمع مذکر غائب اور خَلَا واحد مذکر غائب ہے۔ لَقُوْا اصل میں لَقِيُوْا تھا۔ حرف یا کا ضمہ قاف کو منتقل ہوگیا اور حرف یا التقاءِ ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی۔ خَلَا بھی اصل میں خَلَوَ تھا۔ حرف علت واو متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف ہوگئی۔ لَقُوْا اور خَلَا دونوں سے پہلے اِذَا ہے۔ معنی ہے: اور جب وہ ملتے ہیں اور تنہائی میں الگ ہو کر بعض ان کا بعض سے ملتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ میں فَتَحَ فعل ماضی واحد مذکر غائب، لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل ہے، عَلٰی حرف جر کُمْ ضمیر مجرور مخاطب کی۔ جملے کے معنی ہیں: اللہ نے تم پر کھولا۔ یعنی تمہیں بتایا۔

﴿لِيُحَآجُّوْكُمْ﴾ میں "لِ" لام کَیْ، یُحَآجُّوْنَ کی نون اسی کے سبب گر گئی، کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ معنی ہیں کہ تاکہ تم پر حجت قائم کریں۔

﴿يُسِرُّوْنَ اور يُعْلِنُوْنَ﴾ دونوں فعل مضارع جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں اور دونوں سے پہلے ما موصولہ ہے۔ ان کا معنی ہے: جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، اللہ کو اس کا علم ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿78﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿80﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــــَٔــتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿81﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿82﴾

"ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور وہ گمان اور اٹکل ہی پر ہیں۔ ان لوگوں کے لیے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے تھوڑی قیمت لے لیں۔ ویل ہے ان کے لیے اس کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور ویل ہے ان کے لیے اس کے سبب جو وہ کماتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ گنتی کے چند روز ہی ہم جہنم میں رہیں گے۔ تم ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے جس کو وہ توڑے گا نہیں، یا تم اللہ کے بارے میں وہ کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کیوں نہیں! جس نے برائی کمائی اور اس کی خطا نے اس کو گھیر لیا، پس وہی جہنم والے ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہی لوگ جنت والے ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہود کے ان پڑھوں اور پڑھے لکھے علماء دونوں کی مذمت ہوئی ہے۔ ان پڑھوں کی مذمت اس لیے ہوئی کہ وہ سنی سنائی باتوں کو اپنے دلوں اور دماغوں میں بٹھا لیتے ہیں۔ پڑھنے پڑھانے اور تحقیق سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن بات وہ اس انداز میں کرتے ہیں گویا سب کچھ جاننے والے ہیں۔ حالانکہ ان کو خود معلوم نہیں ہوتا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو ان کے دلوں اور دماغوں میں سمایا ہوا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ وہ حق ہے کہ نہیں۔ اس کے باوجود اپنی جہالت پر ڈٹے رہتے ہیں۔ حق کے واضح ہو جانے پر بھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اپنے ظن کے مطابق اٹکل پچو مارتے رہتے ہیں۔

علمائے یہود ان سے بھی آگے تھے۔ سب کچھ جاننے کے باوجود حق کو چھپاتے اور ٹھکراتے تھے۔ ان کو علم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ سورۃ الصف میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّى رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنۢ بَعْدِى اسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُم بِالْبَيِّنَٰتِ قَالُوا۟ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ (الصف:٦)

''جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے جو تورات تمہارے پاس ہے، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔ پس جب وہ ان کے پاس نشانیاں لائے تو انہوں نے کہا: یہ تو واضح جادو ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزوں کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا لیکن ان کی نبوت پر ایمان نہ لائے۔ جو ان پر ایمان نہ لائے انہوں نے ان کی دی ہوئی بشارت کو تسلیم کہاں کرنا تھا؟ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وہ خود بھی منتظر تھے۔ اسی بنا پر مدینہ میں آکر آباد ہوئے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آخری نبی کا حتمی مسکن مدینہ ہوگا۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو کر مدینہ تشریف لے آئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو بھی تسلیم نہ کیا۔

ان کی مکاری اور سیاہ کاری کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی تورات میں تغیر و تبدل کر لیا کرتے تھے۔ اپنے ہاتھوں سے کوئی کتاب لکھ کر لوگوں کو دکھاتے ہوئے کہتے: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یعنی مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کی مرضی کے مطابق شرعی مسائل میں تبدیلی کر کے ان سے معاوضہ وصول کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عملِ قبیح پر ان کو ہلاکت اور تباہی کی وعید سنائی ہے۔

یہود کا ایک باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ جہنم میں ان کو صرف چند گنتی کے دن رہنا ہوگا۔ پھر ان کے بعد دوسرے ان کی جگہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کا زہر آلود گوشت پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: یہودیوں کو جمع کرو۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا: تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ فلاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جھوٹے ہو، تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ انہوں نے عرض کیا: آپؐ نے ٹھیک فرمایا: آپؐ نے فرمایا۔ پھر میں تم سے کچھ اور پوچھنے والا ہوں، سچ سچ بتانا، انہوں نے کہا: ابوالقاسم! اگر جھوٹ کہیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چل نہ سکے گا۔ کیونکہ ہم آپ کو آزما چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا بتاؤ جہنمی کون ہوں گے؟ انہوں نے کہا: چند دنوں کے لیے ہم ہوں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت۔ آپؐ نے فرمایا: ذلیل و رسوا ہو جاؤ، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یعنی تم ہی جہنم کا ایندھن

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے بکری کا گوشت زہر آلود کیا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! ہم نے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: ہم نے اس لیے کیا کہ اگر آپ سچے ہوں گے تو یہ زہر آپ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکے گا اور اگر سچے نہ ہوئے تو آپ سے نجات مل جائے گی۔ (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب ما يذكر فى سم النّبى صلى الله عليه وسلم، حديث:۵۷۷۷)

اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدہ باطلہ کی یوں نفی کی کہ جہنمی وہ ہوگا جو برائی کا مرتکب ہونے پر توبہ نہ کرے اور اس کی موت برائی پر ہی ہو جائے اور جنتی وہ ہوں گے جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہوئے نیک عملوں میں زندگی گزار دیں گے اور ان کی موت بھی اعمال صالحہ پر ہوگی۔

حلِّ لغات:

- ﴿اُمِّیُّوْنَ﴾ اُمِّیّ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو "نبی امی" قرار دیا ہے یعنی آپ ﷺ کسی سے پڑھے ہوئے نہیں تھے اور آپ کی رسالت کی یہی بہترین دلیل ہے کہ دنیا میں آپ کا کوئی معلم نہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معلم بنا دیا۔ اسی لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا: ((بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''
- ﴿اَمَانِیَّ﴾ اُمْنِیَّة کی جمع ہے جو اصل میں اُمْنُوِیَة تھا۔ واو یاء میں مدغم ہوگئی اور یاء کی وجہ سے نون کو کسرہ دے دیا گیا۔ اس سے مراد آرزو ہے۔'اکاذیب یعنی جھوٹی باتوں یا خواہشوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔
- ﴿وَیْلٌ﴾ سے مراد ہلاکت، بربادی، عذاب، سخت برائی، افسوس، دکھ، درد اور رنج و ملال ہے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ویل ایک جہنمی پہاڑ ہے۔ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے۔ وَیْح، وَیْس، وَیْه، وَیْك اور وَیْب۔ اگرچہ ان میں بعض نے فرق بھی کیا ہے لیکن یہ سب ملتے جلتے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔
- ﴿ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ مرکب توصیفی ہے اور اس سے مراد تھوڑی سی قیمت ہے۔
- ﴿اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ بھی مرکب توصیفی ہے۔ آیاماً چونکہ جمع مکسر ہے، اس لیے اس کی صفت (معدودہ) واحد مؤنث لائی گئی ہے۔
- ﴿بَلٰی﴾ حرف جواب ہے جو مخاطب کے کلام کی نفی اور اس کے ابطال کے لیے آتا ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مخاطب کا کلام استفہام سے خالی ہو۔ جیسے: ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى﴾ (التغابن:۷) ''کفار گمان کرتے ہیں وہ اٹھائے نہیں جائیں گے، تم کہہ دو: ان کو ضرور اٹھایا جائے گا۔'' دوسری صورت یہ کہ کلام استفہامی حقیقی ہو۔ جیسے کوئی کہے۔ اَلَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا؟ ''کیا زید کھڑا نہیں؟'' تو جواب میں کہا جائے: ''بلیٰ'' کیوں نہیں۔ یعنی

محكم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑا ہے۔ تیسری صورت تو بیخ (ڈانٹ) کی ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى﴾ (الزخرف: ۸۰) ''کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی سرگوشی اور راز کی بات نہیں سنتے؟ کیوں نہیں'' یعنی ہم سنتے ہیں۔ یہاں ان آیات میں یہی تیسری صورت ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۗ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿83﴾

''اور ہم نے بنو اسرائیل سے پکا عہد لیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے اور والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ احسان کرنے کا وعدہ بھی لیا اور (یہ بھی کہا کہ) لوگوں سے اچھی بات کہو، نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔ پھر تم میں سے چند کے علاوہ سب پھر گئے اس حال میں کہ تم اعراض کرنے والے تھے۔''

تشریح:

اس ایک آیت میں بنی اسرائیل کی سرکشی کے حوالے سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے کیونکہ وہی خالق و مالک اور رب العالمین ہے۔ سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد ہوا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۱، ۲۲)

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہاری اور تم سے پہلے لوگوں کی تخلیق کی۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ساتھ تمہارے لیے رزق کے طور پر پھل پیدا کیے۔ پس تم اللہ کے شریک نہ بناؤ اس حال میں کہ تم حقیقت سے آگاہ ہو۔''

سورۃ انعام کے آغاز میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الانعام: ۱)

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی اور اندھیروں اور روشنی کا نظام قائم کیا۔ (اس کو سمجھ کر) پھر بھی کفار اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کرتے ہیں۔'' یعنی شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سورۃ النحل میں فرمان الٰہی ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ (النحل: ۲۰، ۲۱)

''وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کو پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی تخلیق نہیں کرتے بلکہ ان کی تخلیق کی گئی ہے۔ وہ مردہ ہیں، ان میں کوئی زندگی نہیں۔ وہ (تو یہ بھی) نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔''

عجیب بات یہ ہے کہ شرک کے مرتکب سب لوگ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق و مالک مانتے رہے ہیں اور اب بھی مانتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کی صفات میں شرک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت سورۂ عنکبوت میں یوں فرمائی ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ (العنکبوت: ۶۱)

''اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کس نے کی اور سورج اور چاند کو مسخر کس نے کیا تو ضرور کہیں گے اللہ نے...... پھر وہ کیوں بہکے جا رہے ہیں۔''

یعنی جب حقیقت سے آگاہ ہیں تو اس کو اپنانے کی بجائے پھر بھی راہِ حق سے ہٹے جا رہے ہیں۔

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ (العنکبوت: ۶۳)

''اور اگر تم ان سے سوال کرو کہ آسمان سے پانی کون نازل کرتا ہے اور اس سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کون کرتا ہے۔ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ۔ کہہ دو سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں لیکن ان کی اکثریت عقل نہیں رکھتی۔''

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مشرک کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی ذات عالیہ کے منکر نہ تھے۔ ان کی بیماری یہی تھی کہ اللہ کے ساتھ کسی نہ کسی کا نام ضرور لیتے تھے یا اس کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک بنا لیتے تھے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے ظلم عظیم فرمایا۔ اسی سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے کا حکم نہ صرف بنو اسرائیل کو تھا بلکہ ان سے پہلے جو تھے ان کو اور ان کے بعد جو آئے یا آئیں گے سب کے لیے یہی حکم ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جب یہ حق اس کی مخلوق میں سے کسی کو دیا جاتا ہے تو وہ غضب ناک ہوتا ہے اور شرک پر مرنے والا جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔

اللہ کے حق کے ساتھ ہر انسان کو حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی پابند بنایا گیا ہے۔ اللہ کے حق میں شرک کے سوا کوتاہی کرنے والے کو اللہ چاہے تو عذاب دے یا اس کو معاف کر دے۔ لیکن حقوق العباد میں کوتاہی کا مرتکب شخص اپنی تمام تر نیکیوں کے باوجود اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک وہ لوگ اسے معاف نہ کر دیں جن کا اس نے حق مارا تھا۔ لہٰذا دنیا میں ہی حقوق العباد کا معاملہ طے ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد والدین کا حق ہے کہ ان کی خدمت کی جائے۔ والدین کی نافرمانی گناہوں کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتاؤں؟'' صحابہ ؓ نے عرض کیا: جی ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا'' آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''شریعت کی خلاف ورزی کا سبب بننے والی بات یا جھوٹی گواہی۔'' (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، حدیث:۵۹۷۶)

سورۃ بنی اسرائیل میں والدین کے بارے میں حکم ہے:

﴿ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:۲۳، ۲٤)

''ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس بوڑھے ہو جائیں تو ان کو نہ اُف کہنا اور نہ ہی جھڑکنا۔ بلکہ ان سے اچھی بات اچھے انداز میں کہنی ہے۔ ان کے لیے اپنے رحمت کے پہلو کو بالکل جھکا دو اور ان کے لیے دعا مانگو: اے میرے رب! ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔''

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے والدین زندہ ہیں اور انہیں ان کی خدمت کا موقع مل رہا ہے۔

انہی کے ناطے جو قریبی رشتہ دار، والدین سے محروم ہونے والے یتیم اور مساکین کا بھی حق تمام اہل ایمان پر ہے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ اچھائی کو اپنایا جائے۔ اچھی بات کہی اور سنی جائے۔ اس کا بہترین طریقہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ اس سے اخلاقی اور مالی طور پر معاشرہ مستحکم ہوتا ہے اور فرض بھی ادا ہو جاتا ہے۔ غریب اور امیر کے درمیان دوری قرب میں بدل جاتی ہے۔ مساجد میں پنج وقتہ نماز ڈسپلن اور ایک دوسرے سے واقفیت کا سبب بنتی ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعہ غربا و مساکین اور قریبی مستحقین کی زندگیوں میں خوشیوں کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔

بنو اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ باتوں کا پکا وعدہ لیا۔ جن کو چند کے علاوہ سب نے توڑ دیا اور حق سے منہ پھیر لیا۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے میں ان کو اس طرح رائج کیا کہ وہ معاشرہ دنیا کا بہترین معاشرہ بن گیا۔ آج بھی اگر ان باتوں کو اپنایا جائے تو ہماری ساری خرابیاں دور ہو سکتی ہیں اور اخلاقی قدریں بلند ہو سکتی ہیں۔

حلِّ لغات:

⊛ ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ میں واو عاطفہ اِذْ ظرف مبنی، اَخَذْنَا فعل ماضی، جمع متکلم مِیْثَاقَ سے مراد پکا عہد۔ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے جو مضاف، مضاف الیہ ہو کر مرکب اضافی بن کر پھر مضاف الیہ ہو گیا میثاق کے لیے۔ یوں مِیْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ میں دہری اضافت پائی جاتی ہے۔ اسرائیل چونکہ غیر منصرف ہے، اس لیے اس کے آخر میں زیر کی بجائے زبر آئی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور جب ہم نے بنو اسرائیل سے پکا عہد لیا۔

⊛ ﴿ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ میں لا لائے نفی ہے۔ تَعْبُدُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ الا حرف استثناء۔ لفظ اللہ، مستثنیٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی لیے لفظ اللّٰہ کے آخر میں زبر آئی ہے۔

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ میں ''واؤ'' عاطفہ، ب حرف جر، وَالِدَيْنِ مجرور، اِحْسَانًا مصدر منصوب۔ جملے کے معنی ہیں: اور والدین کے ساتھ احسان کرنے کا۔

﴿ذِي الْقُرْبٰى﴾ سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں۔

﴿الْيَتٰمٰى﴾ الیتیم کی جمع ہے۔

﴿ الْمَسٰكِيْنِ ﴾ المسکین کی جمع ہے۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی آمدنی اتنی کم ہو کہ اس میں ان کا گزارہ نہ ہوسکتا ہو۔

﴿ قُوْلُوْا. اَقِيْمُوْا اور اٰتُوْا﴾ تینوں فعل امر حاضر سے جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ قُوْلُوْا کا معنی ہے: تم کہو۔اَقِيْمُوْا کا معنی ہے: تم قائم کرو اور اٰتُوْا کا معنی ہے: تم ادا کرو۔

﴿ حُسْنًا ﴾ سے مراد اچھی بات ہے۔

﴿ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ باب تفعل سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور اس کا معنی ہے: تم پھر گئے۔

﴿مُعْرِضُوْنَ﴾ معرض کی جمع ہے اور یہ باب افعال سے اسم فاعل ہے۔اس سے مراد حق سے اعراض کرنے والے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَاتُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿84﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿85﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

''اور ہم نے جب تم سے پکا عہد لیا کہ تم اپنے ہی لوگوں کا نہ خون بہاؤ گے اور نہ ان کو ان کے گھروں ہی سے نکالو گے۔ پھر تم نے اقرار کیا اس حال میں کہ تم گواہ تھے۔ پھر تم ہی وہ ہو جنہوں نے اپنے ہی لوگوں کو قتل بھی کیا اور اپنے ہی لوگوں کی ایک جماعت کو ان کے گھروں سے بھی نکالا۔ تم ان پر گناہ اور زیادتی کے کاموں کے ذریعہ غالب آتے ہو اور اگر وہ قیدی ہونے کی صورت میں تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا فدیہ (بھی) ادا کرتے ہو۔ حالانکہ ان کو ان کے گھروں سے نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے بعض حصے پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ پس تم میں سے جو ایسا کرتا ہے یا کرے گا اس کی سزا دنیا کی زندگی میں ذلت اور رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن ان کو زبردست عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ وہی لوگ ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾	جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو خرید لیا۔ پس ان سے نہ تو عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں بنو اسرائیل کی بدترین سرکشی کا ایک پہلو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کی عادت تھی کہ اللہ تعالیٰ سے جس بات کا عہد کرتے اس کو پورا نہ کرتے۔ اس کی خلاف ورزی کرتے اس کے عذاب سے خوفزدہ نہ ہوتے۔ ان کو ان کی عہد شکنی کی سزا ملتی لیکن پھر بھی اپنی اصلاح نہ کرتے۔

تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے کہ مدینہ طیبہ میں انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں میں جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یہود کے قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ، بھی وہاں آباد تھے۔ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تو بنو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے اور بنو نضیر بنو قینقاع خزرج کی صف میں ہوتے۔ یوں مدینہ میں ہونے والی جنگوں میں یہود کے بعض اپنے ہی بعض کو قتل کرتے۔ موقع ملنے پر ان کے گھروں کو تباہ و برباد کر کے ان کو جلاوطن بھی کر دیتے ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتے۔ جب لڑائی موقوف ہو جاتی تو مغلوب ہونے والے فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر ان کو آزاد کرا دیتے۔ ایسا کرتے ہوئے کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہم عمل کر رہے ہیں۔ یعنی اپنی مرضی کے مطابق احکام الٰہی میں سے جو چاہتے اپنا لیتے اور جو چاہتے چھوڑ دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی غلط سوچ اور برے اعمال کی نشان دہی فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا عہد تھا کہ آپس میں جنگ وجدال نہیں کریں گے۔ نہ اپنے بھائیوں کو قتل کریں گے اور نہ ان کو ان کے گھر سے نکلنے پر مجبور کریں گے۔ حد تو یہ تھی کہ خود ہی اپنے عہد پر گواہ بھی تھے۔ یعنی اس عہد کی کوئی شق ان سے مخفی نہ تھی۔ اس کے باوجود اوس اور خزرج کی لڑائی میں بھرپور حصہ لیتے۔ میدان جنگ میں رشتوں ناطوں کو بھول جاتے، ظلم و زیادتی اور گناہ کے کاموں کے مرتکب ہوتے، جنگ کے ختم ہونے پر اپنے قیدی بھائیوں کی مدد بھی کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دوغلے پن کی مذمت فرمائی کہ جو کام ان پر سرے سے حرام تھا، اس سے وہ باز کیوں نہ رہتے؟ دنیاوی مفادات کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کیوں کرتے تھے؟ حالانکہ دنیا کی زندگی تو بڑی مختصر ہے جو کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتی ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے جس میں جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور جہنمی جہنم کا ایندھن بنتے رہیں گے۔ نافرمان اور سرکش لوگوں کو علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں وہ ہر شخص کے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد باری ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الانعام: ۸۰)

''میرے رب کو ہر شے کا علم ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ یہود کی عادت تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی کتاب کے بعض حصے پر عمل کرتے اور بعض کو چھوڑ دیتے۔ یعنی بعض پر ایمان رکھتے اور بعض کا انکار کرتے۔ اسی لیے اہل ایمان اور منافقین وغیرہ سے خطاب فرماتے ہوئے سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

﴿ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾(البقرۃ:۲۰۸)

''اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴾(آل عمران:۳۲)

''کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر وہ نہ مانیں تو (جان لو کہ) بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

یہاں پر یہ بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اصل بات اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔ جو لوگ اطاعت نہیں کرتے، منہ پھیر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر قرار دیا ہے۔

اس کی مزید وضاحت سورۂ نسآء میں یوں ہوتی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾(النساء:۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحب الامر ہے (اس کی اطاعت بھی کرو) پس اگر تمہارا کسی شے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو۔ یہی خیر اور بہترین تاویل ہے۔''

اس سے عیاں ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم ہے۔ جس کو آج کل اسی طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے جس طرح یہود کیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ معتوب ہوئے۔ دنیا میں ان کو اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کی وعید سنائی اور آخرت میں سخت عذاب ان کا مقدر بنا دیا۔

حلِّ لغات:

- ﴿ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ ﴾ میں لا لائے نفی، تَسْفِكُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر، دِمَآءَكُمْ میں كُمْ ضمیر متصل بنو اسرائیل کی طرف راجع ہے اور دمآء سے مراد خون ہے۔ اس کا معنی ہے: تم اپنا خون نہیں بہاؤ گے۔
- ﴿ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ﴾ میں واو عاطفہ، تُخْرِجُوْنَ باب افعال سے فعل مضارع جمع مذکر حاضر، اَنْفُسَكُمْ میں بھی كُمْ ضمیر مخاطب کی بنو اسرائیل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اَنْفُسَ، نَفْسٌ کی جمع ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ النفاسۃ سے ماخوذ ہے۔ مِنْ حرف جر، دِيَارِكُمْ میں دِيَار، دار کی جمع ہے اور كُمْ ضمیر بھی بنو اسرائیل کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تم اپنے آپ کو (اپنے ہی لوگوں کو) اپنے ہی گھروں سے نہیں نکالو گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴾ میں ثم عاطفہ، اَقۡرَرۡتُمۡ باب افعال سے فعل ماضی معروف جمع مذکر حاضر،''واؤ'' عاطفہ، انتم ضمیر مرفوع منفصل، تَشۡهَدُوۡنَ فعل ماضی معروف جمع مذکر حاضر،'' جملے کے معنی ہیں: پھر تم نے اقرار کیا اس حال میں کہ تم گواہ تھے یا حاضر تھے۔

❁ ﴿ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ اسم اشارہ۔ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ سے اپنے ہی لوگوں کی ایک جماعت مراد ہے۔

❁ ﴿ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ﴾ میں تَظٰهَرُوۡنَ اصل میں تَتَظٰهَرُوۡنَ تھا۔ ایک تاء حذف کر دی گئی ہے۔ باب تفاعل سے فعل مضارع جمع مذکر حاضر ہے۔ علی حرف جر، هم ضمیر بنو اسرائیل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "ب" حرف جر الاثم مجرور، واو عاطفہ، العدوان معطوف۔ جملے کے معنی ہیں: تم گناہ اور زیادتی سے ان پر غالب آتے ہو یا ان کے مغلوب ہونے میں دوسروں سے تعاون کرتے ہو۔

❁ ﴿ اُسٰرٰی ﴾ اسیر کی جمع ہے۔ یہ "اسار" سے مشتق ہے، جو چمڑے کی کٹی ہوئی پٹی ہوتی ہے، جس سے اونٹ پر محمل باندھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر اسے اسیر کہا جاتا ہے اور یہی حال قیدی کا ہوتا ہے۔

❁ ﴿ تُفٰدُوۡهُمۡ ﴾ اصل میں تُفَادُوۡنَهُمۡ تھا۔ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ چونکہ شرط ہے۔ لہٰذا جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے تُفَادُوۡنَ کی نون گر گئی۔ یہ باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ هُمۡ ضمیر بھی بنو اسرائیل ہی کی طرف راجع ہے۔ اس کا معنی ہے: تم ان کا فدیہ دیتے ہو یعنی قیدی ہونے کی صورت میں تمہارے پاس آتے ہیں تو فدیہ ادا کر کے ان کو آزاد کراتے ہو۔

❁ ﴿ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ﴾ محرم باب تفعیل سے اسم مفعول ہے اور اخراج باب افعال کا مصدر ہے۔

❁ ﴿ خِزۡیٌ فِی الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ﴾ سے مراد دنیا کی زندگی میں ذلیل و رسوا ہونا ہے۔

❁ ﴿ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الۡعَذَابِ ﴾ میں يُرَدُّوۡنَ باب نصر سے فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ الی حرف جر، اشد افعل تفضیل ہے جو العذاب کی طرف مضاف ہے۔ یہاں بنو اسرائیل میں سے سرکشوں کے انجام کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت کے روز وہ انتہائی سخت قسم کے عذاب کی طرف لائیں جائیں گے۔

❁ ﴿ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴾ سے واضح کر دیا گیا کہ وہاں ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ ۚ فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿87﴾ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے پیچھے بہت سے رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو واضح روشن دلائل دیئے اور روح القدس سے اس کی تائید کی۔ لیکن جب بھی تمہارے پاس رسول وہ لایا جو تمہارے نفسوں کو پسند نہ آیا، تو تم نے تکبر کیا۔ پس تم نے ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک کو تم قتل کرتے ہو۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾

پر لعنت فرمائی۔ پس ان کا ایمان بہت ہی قلیل ہے۔ اور جب اللہ کی طرف سے ان کے پاس وہ کتاب آئی جو اس کی تصدیق کرنے والی تھی جو ان کے پاس تھا اور وہ اس سے پہلے کفار کے خلاف فتح چاہتے تھے۔ پس جب ان کے پاس وہ آیا جسے وہ پہلے سے پہچانتے تھے، تو اس کا انکار کیا۔ پس اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔"

تشریح:

ان آیاتِ مبارکہ میں یہود کے تکبر وعناد اور خواہش پرستی کا ذکر کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ان کے انجام سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ انہوں نے نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی بلکہ ان کے بعد جتنے بھی رسول آئے، ان میں سے بعض کو انہوں نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ان میں مبعوث ہوئے تو ان کو بھی انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ حالانکہ ان کو ملنے والے معجزات کا انہوں نے مشاہدہ بھی کیا۔ لیکن ان کی مخالفت میں یہود نے ایسی شدت اختیار کی کہ رومی حاکم کو انہوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل پر اکسایا۔ ویسے اپنی طرف سے انہوں نے ان کو سولی چڑھوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم (کی سورۃ النساء) میں یہود ونصاریٰ کے باطل عقیدے کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا○﴾ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

"نہ انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی ہی چڑھایا بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا، اور بے شک جو اس میں اختلاف کرتے ہیں، وہ اس بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو حقیقت کا علم نہیں۔ بلکہ وہ اپنی سوچ اور گمان کی اتباع کر رہے ہیں۔ انہوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غلبے اور حکمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جبریل امین سے تائید فرمائی۔ لیکن یہود پر کوئی اثر نہ ہوا، ان کا تکبر اور حسد بڑھتا ہی چلا گیا۔ صحیح احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ))

"اے اللہ! اس کی روح القدس کے ساتھ مدد فرما۔"

صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک دنیا میں اپنی روزی اور زندگی پوری نہ کر لے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو اور دنیا کمانے میں دین کا خیال رکھو۔''

اس روایت سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے نصیب میں جو رزق لکھا گیا ہے اور جو عمر اس نے پائی ہے۔ اس کو پورا کیے بغیر کوئی بھی اس دنیا سے رخصت ہونے والا نہیں۔ اس پر ایمان کی اگر پختگی ہو جائے تو ہمارا سارا معاملہ درست ہو جائے اور معاشرے میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی خود بخود اصلاح ہو جائے۔

یہود کی یہ بھی عادت تھی کہ اپنی برائی پر ندامت کا اظہار کرنے یا اپنی اصلاح کرنے کی بجائے اپنی برائی پر ڈٹے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ڈھٹائی کو ان پر اپنی لعنت قرار دیا یہ معاملہ صرف یہود تک محدود نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا دائمی قانون ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اپنی برائی کا احساس ہو جاتا ہے اور وہ فوراً بارگاہ الٰہی میں جھک کر توبہ کرتے ہیں اور نیک اعمال کے ذریعے برائیوں کو مٹانے کے لیے کوشاں ہو جاتے ہیں۔

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے مدینہ کے یہود مشرکوں سے جب جنگ کرتے تو کہا کرتے تھے کہ عنقریب آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ ان کے ساتھ مل کر ہم تم سے عادِ ارم جیسا قتال کریں گے۔

ابوالعالیہ کی روایت کے مطابق مدینہ کے یہود دعا کیا کرتے تھے کہ: اے اللہ! اس نبی کو بھیج دے جس کے بارے میں ہم اپنی کتاب میں لکھا ہوا پاتے ہیں، تاکہ ہم مشرکوں کو عذاب میں مبتلا کریں اور ان کو قتل کریں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم کا انکار کر دیا جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تھی۔

ایک مرتبہ معاذ بن جبل، بشر بن براء اور داؤد بن سلمہ نے مدینہ کے یہود سے کہا کہ ہماری شرک کی حالت میں تم رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا ذکر کیا کرتے اور ہمیں ڈرایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے جو اوصاف تم بیان کیا کرتے تھے وہ آپ میں موجود ہیں، تو پھر آپ ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ یہود کے ایک سردار سلام بن مشکم نے صاف انکار کر دیا کہ آپ وہ نہیں جن کا ذکر ہم کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے مکر و فریب کا پول کھول دیا۔ ان کے حسد، کینہ، بغض اور نفرت سے امتِ محمدیہ کو آگاہ کر دیا۔ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ان کا جو رویہ رہا، اس کا واضح الفاظ میں ذکر فرما دیا تاکہ امتِ محمدیہ کو ان کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ان کا ماضی حال اور مستقبل بیان کرنے کے ساتھ اعلان کر دیا گیا ہے کہ برائی پر ان کی ڈھٹائی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لعنت کی مہر ہے۔

حلِّ لغات:

- ﴿اٰتَيْنَا. قَفَّيْنَا. اَيَّدْنَا﴾ تینوں فعل ماضی معروف جمع متکلم کے صیغے ہیں اور متکلم اللہ تعالیٰ خود ہے۔
- ﴿الْكِتٰبَ﴾ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی تورات ہے۔
- ﴿قَفَّيْنَا﴾ قفا سے ماخوذ ہے جس کے معنی گدّی یعنی گردن کا پچھلا حصہ کے ہیں۔ یہاں ﴿ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ

13373

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِالرُّسُلِ﴾ کا معنی ہے: اور ہم نے ان کے پیچھے رسول بھیجے۔

❁ ﴿اَلْبَیِّنٰتِ﴾ کا معنی ہے: روشن دلائل۔

❁ ﴿ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ میں ہ ضمیر منصوب منفصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ روح القدس مرکب اضافی ہے اور اس سے مراد جبریل امین ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل کے کُنْ کہنے پر وجود میں آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی روح اللہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بن باپ پیدا ہوئے تھے۔

❁ ﴿ لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ ﴾ کا معنی ہے: تمہارے نفسوں کو پسند نہ آیا۔ یعنی جو رسول لائے وہ تمہاری پسند کے خلاف تھا۔

❁ ﴿اِسْتَكْبَرْتُمْ﴾ باب استفعال سے فعل ماضی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: تم نے تکبر کیا۔

❁ ﴿كَذَّبْتُمْ﴾ باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے، اس میں نسبت بمانند کی خاصیت ہے اور معنی ہیں: تم نے جھٹلایا۔

❁ ﴿تَقْتُلُوْنَ﴾ قتل کے مادے سے فعل مضارع معروف جمع مذکر حاضر ہے۔ معنی ہیں کہ تم قتل کرتے ہو۔

❁ ﴿غُلْفٌ﴾ اغلف کی جمع ہے۔ یہود نے کہا تھا کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ غلاف کی جمع بھی غُلُفٌ اور غُلْفٌ آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اصل صورت حال سے یوں آگاہ فرمایا: ﴿ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ ﴾ ان کے دلوں پر پردہ نہیں پڑا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت فرمائی۔ یعنی یہ لعنت کی مہر ہے۔

❁ ﴿يَسْتَفْتِحُوْنَ﴾ باب استفعل سے فعل مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس سے پہلے کانوا فعل ناقص ہے جس سے یہ فعل ماضی استمراری بن گیا۔ اس کا معنی ہے: وہ مدد طلب کیا کرتے تھے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (90)
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (91)

''بہت برا ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا، کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں جو اللہ نے نازل فرمایا، اس بات سے بغض و حسد کی بنا پر کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے فضل سے نازل فرماتا ہے۔ پس وہ غضب پر غضب کے ساتھ لوٹے اور کافروں کے لیے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل فرمایا، تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس کے علاوہ کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے اور اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس موجود ہے۔ تم کہہ دو کہ اگر تم ایمان والے ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿92﴾	تو پہلے اللہ کے نبیوں کو قتل کیوں کرتے تھے۔ اور موسیٰ تمہارے پاس کھلی نشانیاں لائے، اس کے باوجود تم نے ان کے طور پہاڑ پر جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا، اس حال میں کہ تم ظلم کرنے والے تھے۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہود کی ہٹ دھرمی اور اسلام دشمنی کو مزید اجاگر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر جو نازل فرمایا، اس کی مخالفت میں انہوں نے اپنی جانوں کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ جس کی وجہ سے نہ صرف وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و رسوا کرنے والے عذاب کی وعید سنا دی۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ہدایت کے بارے میں جبر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ہدایت کو اپنائے یا ٹھکرائے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں واضح کر دیا گیا ہے:

﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۵)

"جو کوئی ہدایت کو اپناتا ہے، بے شک اپنے نفس ہی کے لیے وہ ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے، اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہوتا ہے اور کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم کسی بھی قوم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتے یہاں تک کہ ان میں کوئی رسول مبعوث ہو۔"

یعنی تباہی سے پہلے ان تک ہدایت پہنچائی جاتی ہے، ان کو پورا پورا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں اور گمراہی کو ترک کر کے ہدایت سے مالا مال ہو کر اللہ تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جائیں۔

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾

(بنی اسرائیل:۱٦)

"اور ہم جب کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو ان کے بڑے لوگوں کو اقتدار و اختیار دے دیتے ہیں۔ پس وہ اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرتے ہیں جس کی وجہ سے قول فیصل ان پر حق ہو جاتا ہے۔ پھر ہم ان کو بری طرح تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔"

یہ ایسا قانون ہے جو ہمیشہ جاری رہا ہے۔ اسی لیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۷)

"اور نوح کے بعد ہم نے کتنی ہی قوموں کو (ان کے برے اعمال کے سبب) ہلاک کیا اور اپنے بندوں کے گناہوں کو دیکھنے اور ان کے بارے میں باخبر ہونے کے لیے تمہارا رب ہی کافی ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نے یہود کو بار بار اپنی اصلاح کرنے کا موقع دیا لیکن بدبخت قوم نے ہمیشہ سرکشی کو اپنایا اور ہدایت کو ٹھکرایا۔ تورات میں تغیر وتبدل کرنے، اللہ تعالیٰ کی آیات کو بیچنے اور اپنے نبیوں کو قتل کرنے کے باوجود اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو راہ حق پر لانے کی بڑی کوشش کی۔ ان کو بتایا کہ میں تمہاری ہی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، جو تمہارے پاس ہے اس کی تائید و تصدیق کرنے والا ہوں۔ لیکن یہود نے انہیں بھی قبول نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی ان کا انکار کرتے رہے۔

اسی طرح جس آخری نبی علیہ السلام کے وہ منتظر تھے، ان کے مبعوث ہونے پر ان کا بھی انکار کر دیا اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا، اسے بھی تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تورات میں جو بشارت دی گئی تھی، اسے بھی انہوں نے چھپالیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ ہی میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌo اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِo ﴾ (البقرۃ:۱۷۴، ۱۷۵)

''بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اسے جو اللہ تعالیٰ نے کتاب سے نازل فرمایا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لے لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں، اللہ قیامت کے روز ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے بدلے عذاب خریدا۔ پس (جہنم کی) آگ پر وہ کس قدر جرأت مند ہیں؟''

ان کی کج حجتی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جب انہیں کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ تو کہتے کہ ہم اسی پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ اپنے اس دعوے میں بھی وہ سچے نہیں تھے کیونکہ جو ان کی طرف نازل ہوا۔ اس کو بھی انہوں نے مسخ کر دیا تھا اس کی واضح دلیل اپنے ہی نبیوں کی نافرمانی اور ان کو قتل کرنا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دلائی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اس کو غرق کیا۔ من سلویٰ جیسی نعمت سے نوازا۔ زمین کا وارث بنایا لیکن ان کے طور پہاڑ پر جانے کے بعد سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ بلکہ سورۃ طٰہٰ کے مطابق یہ بھی کہہ دیا:

﴿ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴾ (طٰہٰ:۸۸)

''یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے۔ پس موسیٰ بھول گیا''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے بڑھ کر سرکشی اور نافرمانی کیا ہو سکتی تھی؟ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی زندگی میں جب ان کا یہ حال تھا تو انہوں نے اور کسی کی اطاعت کیسے کرنی تھی؟ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ظالم کہا اور حق کے انکار پر ان کو عذاب مہین کی وعید سنائی۔

حلِّ لغات:

- ﴿بِئْسَمَا﴾ میں مَا بمعنی شَیْءٌ اور بِئْسَ فعل ذم (مذمت بیان کرنے کا فعل) ہے۔
- ﴿اِشْتَرَوْا﴾ باب افتعال سے فعل ماضی جمع مذکر غائب ہے۔ یہ ایسا فعل ہے جو خریدنے اور بیچنے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
- ﴿بِهٖ﴾ میں ب حرف جر اور ہ ضمیر بِئْسَمَا کی طرف راجع ہے۔
- ﴿اَنْفُسَهُمْ﴾ مفعول منصوب ہے۔ جملے کے معنی ہیں: بہت برا ہے وہ جس کے بدلے میں انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا۔
- ﴿اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا﴾ میں اَنْ مصدریہ، ناصبہ، يَكْفُرُوْا اصل میں يَكْفُرُوْنَ تھا، اَنْ کی وجہ سے نون گر گئی۔ ب حرفِ جر، ما موصولہ، اَنْزَلَ فعل ماضی واحد مذکر غائب، لفظ الله اس کا فاعل بَغْيًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ جملے کے معنی ہیں: وہ حسد و بغض کی وجہ سے اس کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ یوں یہود کی مذمت اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں خود فرمائی۔
- ﴿فَبَآءُوْا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ میں بَآءُوا باب نصر سے فعل ماضی جمع مذکر غائب ب اور عَلٰی حرف جر ہیں اور غضب مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: پس وہ دہرے غضب کے ساتھ لوٹے یعنی وہ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے۔ پہلے غضب کا سبب تو تورات کی خلاف ورزی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا تھا۔ دوسرا غضب سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔
- ﴿عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ مرکب توصیفی ہے۔ اس کا معنی ہے: ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب۔
- ﴿يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ﴾ میں يَكْفُرُوْنَ، ك ف ر کے مادے سے فعل مضارع جمع مذکر غائب ہے، ب حرف جر ما موصولہ وَرَآءَهٗ کی ضمیر ہ بقول یہود جس پر وہ ایمان رکھتے تھے، اس طرف لوٹتی ہے اور وَرَآءَهٗ سے مراد اس کے بعد نازل ہونے والی کتاب جملے کے معنی ہیں:: وہ اس کا انکار کرتے ہیں جو اس (توراۃ) کے بعد ہے، یعنی قرآن حکیم۔
- ﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ میں واو حالیہ، هُوَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر، مبتدا واقع ہوئی ہے اور اَلْحَقُّ اس کی خبر ہے۔ حق سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہ ہو۔ یعنی جس کا وہ انکار کر رہے ہیں، وہ حق ہے۔
- ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ سے مزید وضاحت کر دی گئی ہے کہ شک و شبہ سے بالاتر ہونے والی کتاب نہ صرف حق ہے بلکہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا، اس کی تصدیق بھی کرنے والی ہے۔
- ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزات ہیں۔
- ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پہاڑ پر جانے کے بعد والی بات یعنی بچھڑے کی پوجا میں لگ جانا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿الظّٰلِمُوْنَ﴾ الظَّالِمُ کی جمع ہے جو باب ضرب سے اسم فاعل ہے۔ اس کا مادہ ظلم ہے اور ظلم سے مراد "وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ." ہے، یعنی کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھ دینا۔ قرآن حکیم میں شرک کو ظلم عظیم اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کا حق غیر اللہ کو دے دیا جاتا ہے اور حق دار کا حق مارنا ظلم کہلاتا ہے اور ظلم کرنے والا ظالم بن جاتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿93﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿94﴾
وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿95﴾
وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾

"اور جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور تمہارے اوپر طور یعنی پہاڑ بلند کیا (اور تمہیں حکم دیا) کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی۔ اور ان کے دلوں میں ان کے کفر کے سبب بچھڑے کی محبت ڈال دی گئی۔ تم کہہ دو کہ اگر تم ایمان والے ہو تو برا ہے وہ جس کا تمہارے ایمان تمہیں حکم دیتے ہیں۔ کہہ دو کہ لوگوں کو چھوڑ کر اگر تمہارے ہی لیے خالصتاً اللہ کے پاس دارِ آخرت ہے تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ ان کے ہاتھوں نے جو آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے وہ ہرگز اس کی تمنا نہیں کریں گے۔ اور اللہ ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور لوگوں میں سے زندگی کے سب سے زیادہ حتی کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ان (یہود) کو پاؤ گے۔ ان میں سے ہر ایک پسند کرتا ہے کہ اس کو ایک ہزار سال کی عمر ملے حالانکہ لمبی عمر پانے کے باوجود بھی وہ اپنے آپ سے عذاب کو دور نہیں کر سکے گا اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہود کی سرکشی اور نافرمانی کو مزید اجاگر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ خلافی میں ان کا یہ حال تھا کہ ان کے سروں پر پہاڑ لا کر کھڑا کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ ہم نے تمہیں جو حکم دیا ہے، اس کے مطابق پوری قوت کے ساتھ عمل کرو۔ پہاڑ کے نیچے کچلے جانے کے ڈر سے انہوں نے وعدہ تو کر لیا لیکن عمل نہ کیا۔ بچھڑے کی محبت نے انہیں اندھا اور بہرہ کر دیا، جس پر ایمان رکھنے کے وہ دعوے دار تھے۔ اس میں بھی بڑی دلیری کے ساتھ ہیرا پھیری کرتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ دعوتِ حق کو ٹھکراتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ذرا بھی نہ ڈرتے تھے۔ برائی پر ایمان رکھتے ہوئے اسی پر ڈٹے رہتے تھے۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق سمجھتے تھے اور ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ اللہ کے پاس بھی ان کو ایسی عزت ملے گی جو کسی اور کو نصیب نہ ہوگی۔ سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اصل حقیقت یوں بیان فرمائی:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (الجمعة:٥)

''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال ایسے گدھے جیسی ہے جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ ان لوگوں کی بری مثال ہے جنہوں نے اللہ کی آیات کو ٹھکرایا اور اللہ ظالموں کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔''

اس مثال کے ذریعے واضح کر دیا گیا کہ جس طرح گدھے کو اس پر لدے ہوئے بوجھ کے بارے علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا ہے، اسی طرح یہود کو تورات کا حقیقی علم نہیں۔ اگر ہوتا تو اس پر پوری طرح عمل کرتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو ٹھکرا کر اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے کہ جو ہدایت کا طالب نہیں ہوتا، اسے پانے کی کوشش نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی زبردستی اس پر ہدایت مسلط نہیں کرتا۔ سورۃ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

﴿ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ (الشوریٰ:١٣)

''جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، وہ اسے اپنی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

رہی بات یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور اس کی بہترین مخلوق ہیں اور اللہ کے ہاں بھی ان کو وہ کچھ ملے گا جو دوسروں کے حصے نہیں آئے گا۔ تو اس بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرا دیا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (الجمعة:٦)

''اے یہودیو! اگر تم خیال کرتے ہو کہ دوسرے لوگوں کی بجائے تم ہی اللہ کے دوست ہو تو پھر موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔''

چونکہ دوست دوست کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے، لہٰذا تمہیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے لیے موت کی تمنا کرنی چاہیے۔ اس کے برعکس تم لمبی عمریں پانے کے سب سے زیادہ حریص ہو۔ ہزار ہزار سال جینا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں چھپی ہوئی بات کو ظاہر کر دیا:

﴿ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ (الجمعة:٧)

''جو کچھ (گناہ) ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوا ہے، اس کی وجہ سے وہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی وہ ان کے کرتوت سے اچھی طرح واقف ہے یہ بھی ان کی خام خیالی ہے کہ اگر ان کو ہزار سال عمر مل جائے تو وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کو ملنے والا عذاب ان سے دور نہیں ہوسکتا۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الجمعة:۸)

''کہہ دو! بے شک جس موت سے تم بھاگ رہے ہو، وہ تمہیں ضرور پائے گی۔ پھر تم حاضر اور غیب کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس وہ تمہیں اس سے آگاہ کرے گا جو تم کیا کرتے تھے۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾(آل عمران:۲۹)

''کہہ دو! تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے، اس کو تم چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اس کو جانتا ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اسے بھی جانتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

ایسی قدرتِ کاملہ والے کو کون دھوکا دے سکتا ہے! یہ بھی اس کی قدرت کا کمال ہے کہ ہر سرکش اور نافرمان یہی سمجھتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے، اس پر کبھی گرفت نہ ہوگی۔ حالانکہ اس کو ملنے والی ڈھیل ہی اس کی ہلاکت اور تباہی کا سبب بنتی ہے۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی اعلان فرمایا ہے:

﴿ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴾(آل عمران:۱۷۸)

''ہم ان کو ڈھیل صرف اس لیے دیتے ہیں، تاکہ وہ گناہوں میں مزید غرق ہو جائیں اور ان کے لیے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔''

ہر سرکش اور نافرمان کا انجام یہی ہوتا آیا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔

حلّ لغات:

❁ ﴿ اَخَذْنَا. رَفَعْنَا. اٰتَیْنَا. سَمِعْنَا. عَصَیْنَا ﴾ یہ سب فعل ماضی جمع متکلم کے صیغے ہیں۔ ان سب کے معنی علی الترتیب یہ ہیں: ہم نے لیا۔ ہم نے بلند کیا۔ ہم نے دیا۔ ہم نے سنا۔ ہم نے نافرمانی کی۔

❁ ﴿اسْمَعُوْا﴾ فعل امر حاضر سے جمع مذکر ہے۔ اسْمَعُوا یہاں اَطِیْعُوا کے معنی میں ہے۔ یعنی جو تم نے سنا، اس کے مطابق عمل کرو اور اس کو لازم رکھو۔ صرف بات سنانا ہی مقصود نہیں کہ سن لو، بلکہ جو سنا اس کو قبول کرو۔

❁ ﴿ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ﴾ میں اُشْرِبُوْا بابِ افعال سے فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب کا صیغہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو تشبیہ کے طور پر لایا گیا ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بچھڑا بنا کر اس کی پرستش کرنے والوں کے دلوں میں ان کے کفر کے سبب بچھڑے کی ایسی محبت ڈال دی گئی کہ اس نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے فرمایا: ((حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ)) (ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی الهوى، حدیث: ۵۱۳۰) ''کسی شے کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔''

- ﴿ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ یہود کے مکروفریب کا پول کھولنے کے لیے ان سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔
- ﴿ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ میں لَنْ نفی تاکید ہے، اسی کی وجہ سے يَتَمَنَّوْنَ کی نون گری ہوئی ہے۔ ہ ضمیر موت کی طرف راجع ہے۔ ب حرف جر، ما موصولہ، قَدَّمَتْ باب تفعیل سے فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ اَيْدِيْهِمْ کی ضمیر هم یہود کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے، اس کے سبب وہ موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے۔
- ﴿ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ﴾ میں واو عاطفہ لَتَجِدَنَّهُمْ میں هم ضمیر یہود کی طرف راجع ہے۔ لَتَجِدَنَّ میں لام تاکید کا اور نون ثقیلہ۔ تَجِدُ (ض) فعل مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر۔ اَحْرَصَ النَّاسِ مرکب اضافی اس کا مفعول ہے۔ علیٰ صرف جر اور حَيٰوةٍ مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: : لوگوں میں سب سے زیادہ زندگی کے حریص آپ ان کو ضرور پائیں گے۔
- ﴿ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ میں يَوَدُّ (س) فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اَحَدُهُمْ کی ضمیر یہود اور مکہ کے مشرکوں کی طرف راجع ہے۔ يُعَمَّرُ باب تفعیل سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ان میں سے ہر ایک پسند کرتا ہے کہ اس کی عمر ایک ہزار سال ہو جائے۔
- ﴿ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ﴾ میں مُزَحْزِحٌ رباعی مجرد سے اسم فاعل مجرور ہے، اس کے ساتھ ہ ضمیر اَحَدٌ کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: وہ ہزار سال زندگی پانے کے باوجود بھی عذاب کو اپنے سے دور نہیں کر سکے گا۔ خواہ اس کو لمبی عمر مل جائے۔
- ﴿ بَصِيْرٌ ﴾ ایسے دیکھنے والے کو کہتے ہیں جو ظاہر و باطن سے باخبر ہو۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿97﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ

''کہہ دو کہ جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہے، (وہ اللہ کا دشمن ہے) اس نے تو اللہ کے حکم ہی سے تمہارے دل پر وہ (قرآن) نازل کیا ہے، اس حالت میں کہ وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہے اور وہ مومنوں کے لیے باعث ہدایت اور ان کے لیے بشارت

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَفِرِينَ ﴿98﴾
وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَتٍ بَيِّنَتٍ وَمَا
يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَسِقُونَ ﴿99﴾
أَوَ كُلَّمَا عَهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم
بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿100﴾
وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَبَ كِتَبَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ
كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿101﴾

ہے۔ جو کوئی اللہ ، اس کے ملائکہ، اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ (بھی) ایسے کافروں کا دشمن ہے۔ اور تحقیق ہم نے تمہاری طرف واضح نشانیاں نازل کی ہیں، حدوں سے تجاوز کرنے والے ہی ان کا انکار کریں گے۔ جب بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک جماعت نے اس کو چھوڑ دیا۔ بلکہ اکثر ان کے ایمان نہیں لائیں گے۔ اور جب ایک رسول اللہ کی طرف سے ان کے پاس آیا، اس کی تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس تھا، تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔ گویا وہ جانتے ہی نہیں۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہود کی خباثت کا ایک اور پہلو اجاگر کیا گیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن حکیم کا انکار کیا، بلکہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے جلیل القدر فرشتے جبرئیل امین سے اپنی دشمنی کا بھی اعلان کر دیا۔

تفسیر قرطبی میں منقول ہے کہ یہود نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ نبیوں میں سے کوئی نبی ایسا نہ تھا جس کے پاس فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ اس کے لیے اس کے رب کا پیغام نہ لاتا ہو۔ یعنی تمام نبیوں کے پاس کوئی نہ کوئی فرشتہ ضرور آتا تھا۔ آپ بتائیں کہ آپ کے پاس آنے والا فرشتہ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: ''جبریل اللہ کا پیغام مجھے پہنچاتے ہیں۔''

یہود نے کہا: ''وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ وہ لڑائی اور قتال کا حکم لے کر نازل ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس رحمت اور بارش والے فرشتے میکائیل پیغام لانے والے ہوتے تو ہم آپ کی اطاعت و پیروی کرتے۔''

ان کی انتہائی بے ہودہ سوچ پر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کے بارے میں آیات نازل فرمائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن ہی سے نازل ہوتا ہے۔ جو فرشتوں اور رسولوں کا دشمن ہے، اللہ تعالیٰ اس کا دشمن ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث قدسی ہے کہ ''میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کرنے والا ہے۔'' (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، حديث: ٦٥٠٢)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝﴾ (النساء: ۱۵۰، ۱۵۱)

”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور ان کا ارادہ ہے کہ اس کے درمیان کوئی راہ اختیار کر لیں۔ وہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کفار کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

جبرائیل امین کے بارے اعتراض کرنے کے علاوہ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس سے وہ مانوس ہوں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابن صوریا قطوینی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے ہم پہچان لیں اور نہ آپ کے پاس کوئی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی رد نازل فرمایا کہ دلائل تو ہم نے نازل فرمائے لیکن فاسقوں نے ان کو قبول نہیں کیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو کچھ تورات میں موجود تھا، انہوں نے اس کو چھپانے کی کوشش کی۔ جب چھپ نہ سکا تو اس کا صاف انکار کر دیا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یہود نے عہد کیا تھا کہ محمد ﷺ جب مبعوث ہوں گے تو وہ ان پر نہ صرف ایمان لائیں گے بلکہ عرب کے مشرکوں کے خلاف ان کا ساتھ دیں گے۔ لیکن جب آپ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کا انکار کر دیا۔ جب اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبائل کو برابر کے حقوق سے نوازا۔ مدینہ کا دفاع مل کر کرنے کا معاہدہ کیا، لیکن انہوں نے اپنے اس عہد کا بھی پاس نہ رکھا۔ ان کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے ہی مدینہ طیبہ سے ذلت و رسوائی کے ساتھ نکلنا پڑا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی تورات کی تصدیق کرنے والے قرآن حکیم کو انہوں نے قبول نہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ اس میں بیان فرمائے تھے۔ ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والے عذابوں کا ذکر فرمایا، تاکہ امتِ محمدیہ ان جیسا رویہ اختیار نہ کرے اور ان کی خباثتوں سے آگاہ رہتے ہوئے ان کے شر سے محفوظ رہنے کی تدبیر کرتی رہے۔ یہ ایسی قوم ہے کہ تخریب کاری اس کی عادت ہے۔ جس کی وجہ سے کسی نہ کسی طرح اپنے لیے تباہی کے اسباب پیدا کر لیتی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے کہ رات کو جب رسول اللہ ﷺ اٹھتے تو آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ، اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ))

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”اے اللہ! جبرائیل، میکائیل و اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کو بنانے والے! حاضر اور غیب کو جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ حق کے بارے میں جو اختلاف کیا گیا۔ اپنے حکم سے اس میں میری راہنمائی فرما۔ جس کو تو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔“

ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ پرفتن دور میں خلوص دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنا نمونہ قائم فرمایا۔

حلِّ لغات:

❁ ﴿جِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ﴾ دونوں اسم عجمی نام ہونے کی بنا پر غیر منصرف ہیں یعنی ان کے آخر میں تنوین اور زیر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ لام حرفِ جر کا مجرور ہونے کے باوجود لفظ جبریل کے آخر میں زبر آئی ہے۔ جبریل اور میکائیل دونوں مرکب ہیں۔

امام ماوردی کے مطابق جبر سے مراد عبد اور میکا سے مراد عبید اور ایل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات عالیہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جبر، میکا اور اسراف سے عجمی زبان میں مراد عبد اور مملوك ہے یعنی جبرائیل کا معنی عبداللہ اور میکائیل کا معنی عبیداللہ ہے۔

سنن النسائی کی ایک روایت میں ہے کہ میرے پاس جبرئیل اور میکائیل آ کر میری دائیں اور بائیں جانب بیٹھ گئے۔ جبرائیل نے مجھ سے قرآن پڑھنے کو کہا لیکن ایک ہی قراءت میں ادائیگی کی ہدایت کی۔ میکائیل نے کہا کہ اپنے رب سے قراءت کے بارے میں وسعت طلب کریں۔ چنانچہ قرآن حکیم کا نزول سات شافی کافی قراءتوں میں ہوا تاکہ تمام عرب کے لوگوں کو پڑھنے میں آسانی ہو۔ جبرائیل علیہ السلام ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے غار حراء میں آئے اور انہی کے ذریعے وحی الٰہی کا آغاز ہوا۔ (سنن النسائی، کتاب الافتتاح، باب جامع ماجاء فی القرآن، حدیث:۹۴۲)

صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل نے پانچ نمازوں میں میری امامت کی۔ انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔“ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث ۴۸۵۶) صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ”جس کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے بہت بڑی بات کہی۔ بلکہ آپ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت و خلقت میں اس طرح دیکھا کہ وہ سارے افق پر چھائے ہوئے تھے۔“ (صحیح البخاری، کتاب بدء خلق الخلق، حدیث: ۳۲۳٤)

امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۂ نجم کی تفسیر میں مسروق عن عائشۃ رضی اللہ عنہا کے طریق سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ جبرائیل امین کو ان کی اصلی صورت میں آپ نے دو مرتبہ دیکھا۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث: ٤٨٥٥)

❁ ﴿هُدًى وَّ بُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ سے مراد مومنوں کے لیے باعث ہدایت اور بشارت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ ایٰتٍ بَیِّنٰتٍ ﴾ مرکب توصیفی ہے اور اس سے مراد واضح نشانیاں ہیں۔

﴿ نَبَذَہٗ ﴾ میں ہ ضمیر عھد کی طرف راجع ہے اور نبذ فعل ماضی سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: ایک فریق نے اس کو پھینک یا چھوڑ دیا۔

﴿ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ سے مراد ہے کہ انہوں نے کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا یعنی اس سے منہ موڑ لیا۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ ۚ وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۗ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَکْفُرْ ۗ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَایُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ۗ وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَایَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ۗ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۗ وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۗ لَوْکَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ خَیْرٌ ۗ لَوْکَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿103﴾

"اور یہود نے اس کی اتباع کی جو شیاطین سلیمان کی بادشاہت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین کفر کے مرتکب ہوئے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر جو کچھ نازل ہوا، وہ دونوں بھی کسی ایک کو جادو سکھانے سے پہلے کہتے: بے شک ہم آزمائش (کے لیے بھیجے گئے) ہیں، پس تم کفر نہ کرو۔ لوگ ان سے جادو سیکھتے۔ جس کے ذریعے وہ خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے۔ حالانکہ اللہ کی مرضی کے بغیر اس کے ذریعے وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور وہ ایسا علم حاصل کرتے تھے جو ان کے لیے نقصان دہ تھا، نفع بخش نہیں تھا اور تحقیق وہ پہلے سے جانتے تھے کہ جس نے اس کو لیا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اگر وہ جان لیتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ بہت برا ہے، جو انہوں نے اپنے نفسوں کے بدلے خریدا ہے۔ اور اگر وہ ایمان لے آتے اور (جادو کے حصول اور اس کی اتباع سے) بچ جاتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب بہتر ہوتا اگر وہ جانتے ہوتے۔"

تشریح

یہاں یہود کی خباثت کا ایک اور پہلو اجاگر کیا گیا ہے کہ انہوں نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے کلام کو چھوڑ دیا بلکہ شیطان جنوں کی پیروی شروع کر دی اور انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثال بادشاہت کا راز جادو تھا جس کی وجہ سے ہوا، پرندے اور جن ان کے تابع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی انتہائی بری سوچ کی نفی کر دی اور جادو کو کفر قرار دے دیا اور واضح کر دیا کہ یہ کام سلیمان علیہ السلام نے نہیں کیا بلکہ شیطان جنوں کا کام تھا۔

ہاروت اور ماروت کے بارے میں لوگوں کے ہاں مشہور ہے کہ یہ دو فرشتے تھے جن کو زہرہ نامی عورت کے ذریعے آزمائش میں ڈالا گیا۔ جب وہ گناہ کے مرتکب ہو گئے تو انہوں نے دنیا میں ہی عذاب پانا قبول کر لیا۔ چنانچہ بابل میں عذاب میں پڑے ہوئے وہ لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔ جادو بھی وہ میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کی سختی سے نفی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ جتنی بھی روایات ہیں وہ ساری ضعیف ہیں۔ ان کا زیادہ تر دارومدار اسرائیلی روایتوں پر ہے۔ ہاروت اور ماروت شیطانوں کے سردار تھے۔ اسی لیے ان کے نزدیک اس آیت میں ہاروت و ماروت، شیاطین کا بدل ہے اور فرشتوں سے مراد جبرئیل اور میکائیل ہیں، جن کا جادو سے کوئی تعلق نہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون کا خیال تھا کہ مصر سے غائب ہونے کے بعد انہوں نے کہیں سے جادو سیکھا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوسٰى ﴾ (طٰہٰ: ۵۷)

"(فرعون نے) کہا: اے موسیٰ! تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے ہمیں ہماری زمین سے نکال دے۔"

سورۃ الشعراء کے الفاظ ہیں:

﴿ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴾ (الشعراء: ۳۴)

"اس نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا: بلاشبہ یہ تو بہت ہی ماہر جادوگر ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے جادو کرنے کرانے کا سلسلہ موجود تھا اور ان کے عہد میں بھی ایسے عقیدے والے لوگ موجود تھے اور انہوں نے ان کو نبی ماننے کی بجائے ان کو جادوگر بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جادو سے براءت نازل فرما دی۔

﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ سے یہ واضح کر دیا گیا کہ جادو کرنا کرانا کفر ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ابوبکر البزار کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: جو کسی کاہن اور ساحر کے پاس آیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی "فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم" "اس نے اس کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔

بابل کے ہاروت و ماروت سے لوگ زیادہ تر وہ جادو سیکھتے جس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالی جا سکے اور جادو کی یہی تعلیم شیطان کو بڑی محبوب ہے۔ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"شیطان اپنا تخت پانی پر رکھ کر لوگوں میں فتنہ وفساد پیدا کرنے کے لیے اپنے ماتحتوں کو بھیجتا ہے۔ جو سب سے زیادہ فتنہ برپا کرتا ہے، وہ اس کا مقرب بن جاتا ہے۔ اس کا ایک کارندہ واپس آ کر رپورٹ دیتا ہے کہ میں فلاں کے ساتھ چمٹا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا یہاں تک کہ اس نے ایسی ایسی بات یعنی کفریہ کلمات کہہ دیئے۔ ابلیس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں کیا۔ ایک اور آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فلاں کو بہکانے میں لگا رہا اور میں اس سے اس وقت تک الگ نہ ہوا جب تک میں نے اس میں اس کی بیوی میں تفریق نہ ڈال دی۔ ابلیس اس کو گلے لگاتا ہے پاس بٹھا کر مقرب بناتے ہوئے کہتا ہے: تو نے اچھا کام کیا ہے۔" (صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان و بعثه ...... حدیث:۲۸۱۲)

جادو کے بارے میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی نفع یا نقصان نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس کو کرنے کرانے والے وہ کام کر رہے ہیں جس سے ان کی آخرت برباد ہو رہی ہے اور وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ ایسا کرنے والے اگر کتاب اللہ پر ایمان لے آتے اور شیطانی کاموں سے بچتے تو اللہ کے ہاں ان کو وہ کچھ ملتا جو ان کے لیے خیر ہی ہوتا۔

ہمارے ہاں بھی شیطانوں کی پیروی کرنے والوں کی کمی نہیں۔ اگر وہ قرآن حکیم کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں تو ان کو جادو کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

حلّ لغات:

۞ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ قرآن حکیم میں سولہ جگہ ان کا ذکر ہوا ہے۔ سورۃ النمل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ﴾ (النمل:۱۵)

"اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا۔"

اس علم کی برکت یہ تھی کہ تمام جانوروں کی بولیوں کو وہ سمجھتے تھے۔ سورۃ النمل ہی کے الفاظ ہیں:

﴿ قَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴾

"کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر شے عطا کی گئی ہے۔ بے شک یہ واضح فضل ہے۔"

۞ ﴿ سُلَيْمٰنُ. بَابِل. هَارُوْت اور مَارُوْت ﴾ چاروں اسم غیر منصرف ہیں۔ ان پر تنوین اور زیر نہیں آتی۔

۞ ﴿ السِّحْرَ ﴾ عربی میں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بہت ہی لطیف اور باریک ہو اور ظاہر میں اس کے اسباب انسانی نگاہوں سے پوشیدہ رہیں۔ دھوکے اور بے حقیقت تخیلات کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ شعبدہ باز اپنے ہاتھ کی صفائی سے نظروں کو حقیقت سے پھیر دیتا ہے۔ عوام کے نزدیک اس سے مراد جادو ہے۔ اس کا جو بھی معنی ہو اور جس طرح بھی اس کا استعمال ہو، اس سے کسی چیز کی شکل وصورت تبدیل نہیں ہوتی۔ ساحر اپنے سحر کے ذریعے مسحور کے ذہن اور اس کے تخیلات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

سورۂ اعراف میں فرعون کے جادوگروں کے جادو کی حقیقت یوں بیان فرمائی گئی ہے:

﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴾ (الاعراف:۱۱۶)

"جب انہوں نے (رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر) پھینکیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور انہوں نے بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا۔"

سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴾ (طٰہٰ:٦٦)

"ان کے جادو کی وجہ سے اسے (موسیٰ علیہ السلام کو) خیال ہوا کہ وہ (لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔"

ساحر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا:

﴿ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾ (طٰہٰ:٦٩)

"جہاں سے بھی جادوگر آئے کامیاب نہیں ہوسکتا۔"

انسان کا ایمان مضبوط ہو تو جادو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

❁ ﴿لَمَثُوْبَةٌ﴾ سے مراد ثواب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿105﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿106﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿107﴾

"اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا (یعنی ہماری طرف دیکھیں) کہا کرو اور (بات) توجہ سے سنا کرو۔ اور کافروں کے لیے درد ناک عذاب ہے۔ اہل کتاب میں سے کفر کرنے والے اور مشرک پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل کی جائے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔ ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس کے بدلے میں اس سے بہتر یا اسی کی مثل اور لے آتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ کیا تم نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہیں۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو یہود و کفار کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے روک دیا گیا ہے۔ سنن ابی داؤد کے کتاب اللباس میں ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، حدیث:۴۰۳۱)

"جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہی میں سے ہوگا۔"

سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ (النساء:۴۶)

"یہودیوں میں سے وہ بھی ہیں جو کلمات کو اس کے اصل مطلب و معنی سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور سن۔ تیرے خلاف جو بات ہو وہ تمہیں سنائی نہ دے اور ہمارے ساتھ رعایت کر لیکن یہ بات اپنی زبانوں کو دباتے ہوئے اور دین میں طعنہ دیتے ہوئے کہتے۔ اگر وہ کہتے: ہم نے سنا اور اطاعت کی، سنیے اور ہماری طرف دیکھیں، تو یہ ان کے لیے بہتر اور مناسب ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت فرمائی۔ پس ان میں سے بہت کم ایمان لائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہونے کے لیے ایک ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہود کو ہنسی مذاق کا موقع ملے۔ جب کوئی کھلے اور واضح طور پر توہین رسالت کا مرتکب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو کیسے برداشت کرے گا؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو راعنا کی بجائے انظرنا کا جملہ استعمال کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اعلان کر دیا کہ اللہ کے حکم کو ٹھکرانے والوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

قرآن حکیم کا نزول اگرچہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوا۔ لیکن قیامت تک اہل ایمان کے لیے راہنمائی کا سبب اور ذریعہ رہے گا۔ آپ کے عہد مبارک میں آپ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر واضح کر دیا گیا کہ اہل کتاب میں سے کفر کے مرتکب ہونے والے اور مشرک پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو۔ اہل کتاب اور مشرکوں میں آج بھی یہ رجحان و میلان شدت سے موجود ہے اور اس کا عملی مظاہرہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا ایمان چونکہ بہت مضبوط ہوتا تھا، اس لیے اسلام دشمن طاقتوں کے عزائم خاک میں مل جاتے تھے۔ اگر آج ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی راہ پر چلتے ہوئے استقامت کا مظاہرہ کریں تو اللہ تعالیٰ آج بھی مسلمانوں کو اپنی رحمت و برکت سے نواز دے گا کیونکہ اس کا اعلان ہے کہ وہ فضل عظیم والا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے۔

ناسخ و منسوخ

ناسخ و منسوخ قرآن حکیم کا ایسا علم ہے جس کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے کہ وہ کون سی آیت ایسی ہے جس کی تلاوت تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جاتی ہے لیکن اس میں دیئے گئے حکم کے مطابق عمل نہیں ہوتا۔ بلکہ کسی دوسری آیت سے اسے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾(البقرة: ۱۸۰)

''تمہارے اوپر فرض کر دیا گیا کہ جب تمہارے کسی ایک پر موت کا وقت آ جائے اور اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو وہ معروف طریقے پر والدین اور قریبیوں کے لیے وصیت کر دے۔ یہ متقین پر حق ہے۔''

ائمہ تفسیر کے نزدیک یہ حکم سورۃ نسآء کی آیت ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾(النساء: ۱۱) سے منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ اس میں والدین کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ میت کے ورثاء کے علاوہ جو قریبی ہوں، ان کے لیے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی (۱/۳) کی وصیت کی جا سکتی ہے، اگر اس کی خواہش ہو۔

سورۃ بقرہ ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾(البقرة: ۲۴۰)

''اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر فائدہ اٹھائیں، (گھر سے) نکالے بغیر''

یعنی خاوند کے مال سے ایک سال تک فائدہ اٹھاتی رہیں۔ اس آیت کی ناسخ آیت بھی سورۃ بقرہ میں ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ﴾(البقرة: ۲۳۴)

''اور وہ لوگ جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔''

اسی طرح کی چند اور بھی آیات ہیں جن کی تلاوت ہوتی ہے لیکن ان کے مطابق عمل نہیں ہوتا۔ صحیح بخاری میں ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ جب عدت والی آیت (والذین یتوفون ... غیر اخراج۔ البقرہ : ۲٤) منسوخ ہے تو آپ اس کو قرآن میں کیوں لکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا:

''اے بھتیجے! ہم نے جس طرح قرآن حکیم میں اس کو پایا اسی طرح رہنے دیں گے۔ میں اس میں کچھ بھی تبدیلی نہیں کروں گا۔''

(صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب والذين يتوفون منكم و يذرون...... حديث: ٤٥٣٠)

بعض احکام ایسے ہیں کہ جن آیات کے ذریعے ان کا حکم دیا گیا، ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی لیکن احکام قائم رہے۔ ان میں سے ایک آیت رجم ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر بیٹھے ہوئے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں آیۃ الرجم بھی تھی، ہم نے اسے پڑھا، یاد کیا اور سمجھ لیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی کیا۔ مجھے خدشہ ہے کہ لوگوں پر زمانہ زیادہ بیت گیا تو کوئی کہنے والا کہے گا، ''ہم کتاب اللہ میں رجم نہیں پاتے۔'' اللہ تعالیٰ نے جو فریضہ نازل فرمایا۔ اس کو چھوڑ کر گمراہ ہوں گے۔ پس جس شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت نے زنا کیا اور ان پر شہادت قائم ہوگئی یا عورت کا حمل ظاہر ہوگیا یا انہوں نے اعتراف کر لیا تو کتاب اللہ میں ان پر رجم حق ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب رجم الثیب فی الزنا، حدیث:۱۶۹۱)

الفاظ کی کمی کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں یہ بھی منقول ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں اس میں رجم کی آیت لکھ دیتا۔ (سنن ابی داؤد: کتاب الحدود، باب فی الرجم، حدیث:۴۴۱۸)

ابن ماجہ کی روایت کے مطابق انہوں نے کہا: میں نے وہ آیت بھی پڑھی، جو یہ تھی: ﴿اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ﴾ یہاں الشیخ اور الشیخۃ سے مراد شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت ہی ہے۔ یعنی جب دونوں زنا کریں تو ان کو رجم کر دو۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب الرجم، حدیث:۲۵۵۳)

چونکہ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔ اس لیے وہی بہتر سمجھتا ہے کہ اس کی مخلوق کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں۔ اس نے شریعت کو پورا کرتے ہوئے کئی احکام دے کر قائم رکھے اور کئی بدل دیئے۔ ہر زمانے کے لوگوں کے مطابق احکام میں تبدیلی ہوتی رہی۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر دین کو مکمل کر کے اس کو حتمی اور قطعی صورت دے دی گئی۔

ویسے تو نسخ کا لغوی معنی کسی عبارت کو نقل کرنا ہے۔ لیکن مذکورہ آیت مبارکہ میں تنسیخ سے مراد ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کو لانا یعنی ایک حکم کو بدل کر دوسرا لانا ہے۔ اصل میں یہود و نصاریٰ کو دی گئی شریعت میں بگاڑ آ گیا تھا۔ جب قرآن حکیم کے ذریعے اس کو دور کیا گیا تو انہوں نے اعتراض کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی آیت منسوخ کرتا ہے یا بھلا دیتا ہے تو اس سے بہتر یا اس کی مثل اور لے آتا ہے، کیونکہ وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ناسخ ومنسوخ کا علم ایسا ہے کہ ہر عالم کو اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ تفسیر قرطبی میں ابو البختری سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص وعظ کرتے ہوئے لوگوں کو ڈرا رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ وعظ ونصیحت نہیں کر رہا بلکہ لوگوں کو بتا رہا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ انہوں نے اس کو بلا کر پوچھا: تجھے ناسخ ومنسوخ کے بارے میں علم ہے، اس نے جواب دیا؟ مجھے معلوم نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہماری مسجد سے نکل جاؤ۔ یہاں لوگوں کو وعظ نہ کرو۔

دوسری روایت کے مطابق اس کا جواب سن کر انہوں نے کہا۔ هَلَكْتَ وَاَهْلَكْتَ۔ تو ہلاک ہوا اور تو۔ نے لوگوں کو ہلاک کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلّ لغات:

❀ ﴿رَاعِنَا﴾ میں نا ضمیر متکلم کی مومنوں کی طرف راجع ہے اور راع فعل امر واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے ہماری طرف دیکھیں اور توجہ فرمائیں۔ لیکن یہود کی زبان میں اس کا معنی اچھا نہ تھا۔ وہ جب آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے تو اپنی زبانوں کو دبا کر یہ کلمہ کہتے۔ پھر آپس میں قہقہے لگاتے کہ ہم ان سے مذاق کر رہے ہیں اور ان کو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے ان کی یہ بات سنی تو انہوں نے یہود سے کہا: تم پر لعنت ہو۔ تم میں سے کسی کو ایسا کہتے ہوئے اگر میں نے سن لیا تو اس کی گردن مار دوں گا۔ یہود نے کہا تم بھی تو ایسا کہتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ لفظ ہی استعمال کرنے سے روک دیا اور اس کی جگہ

❀ ﴿اُنْظُرْنَا﴾ کہنے کا حکم ارشاد فرمایا:

❀ ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ مرکب توصیفی ہے اور اس سے مراد دردناک عذاب ہے۔

❀ ﴿اَنْ يُّنَزَّلَ﴾ میں اَنْ ناصبہ ہے اور اسی کی وجہ سے يُنَزَّلَ کے آخر میں زبر آئی ہے۔

❀ ﴿يُنَزَّلَ﴾ باب تفعیل سے فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: یہ کہ نازل کیا جائے۔

❀ ﴿يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ﴾ میں یختص فعل مضارع واحد مذکر غائب ہے۔ ب حرفِ جر رحمة مجرور "ہ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک رحمة سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ہے۔ جب کہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس کا معنی قرآن حکیم لیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ تمام قسم کی نعمتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر دیتا ہے۔

❀ ﴿ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے کہ وہ عظیم فضل والا ہے۔

❀ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ میں ما شرطیہ نَنْسَخْ فعل مضارع جمع متکلم، مِن حرف جر، اٰيةٍ مجرور ہے اور جملے کا معنی ہے کہ جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں۔

❀ ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ میں اَو حرف عطف، نُنْسِ فعل مضارع جمع متکلم اور ھا ضمیر اٰية کی طرف راجع ہے۔ اس کا معنی ہے یا ہم بھلا دیتے ہیں۔

❀ ﴿نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ نَاْتِ اصل میں نَاْتِیُ تھا۔ جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے "ی" گر گئی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل اور لے آتے ہیں۔

❀ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ، لم نفی جحد اور تعلم فعل مضارع واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ لم جب مضارع پر آتا ہے تو اس کا معنی ماضی منفی میں کر دیتا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: کیا آپ نے نہیں جانا۔

❀ ﴿وَلِيٍّ﴾ سے مراد دوست

❀ ﴿نَصِيْرٍ﴾ سے مراد ایسا مددگار ہے جو ہمیشہ مدد کرنے والا ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿108﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿109﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿110﴾

’’کیا تم اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو جس طرح پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے۔ جو شخص ایمان کو کفر سے بدلے گا، بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔ اہل کتاب کے اکثر لوگ تمنا کرتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں۔ اس کی وجہ ان کے دلوں میں پایا جانے والا حسد ہے جو حق کے واضح ہونے کے بعد ان میں پیدا ہوا۔ پس تم ان کو معاف کردو اور ان کو (ان کے حال پر) چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور جو بھی بھلائی تم اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیجو گے، اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔‘‘

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو محمد رسول اللہ ﷺ سے فضول قسم کے سوال کرنے سے منع کرنے کے ساتھ بتا دیا گیا کہ اہل کتاب کی اکثریت کی خواہش ہے کہ تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں اور ان کے دلوں میں تمہارے لیے حسد اور کینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اہل ایمان پر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ان کی بقا اور سلامتی کا راز نماز کا قیام اور زکوۃ کی ادائیگی میں ہے۔ لہٰذا نہ صرف ان کا خیال رکھا جائے بلکہ نیکی اور بھلائی کے جتنے بھی کام ہیں، ان کا بھی اہتمام کیا جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قدر دان ہے، عدل و انصاف کے تقاضوں کو اس سے بڑھ کر کوئی پورا کرنے والا نہیں، اس لیے ہر نیکی اور بھلائی کی جزا دی جائے گی۔

یہود کی عادت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے فضول قسم کے سوال کرتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی بہت سی آزمائشیں ہوئیں۔ اس لیے امت محمدیہ کو یہود جیسا رویہ اختیار کرنے سے روک دیا گیا۔ سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدہ: ۱۰۱)

’’اے ایمان والو! بہت سی اُن چیزوں سے متعلق سوال نہ کیا کرو کہ اگر ان کے بارے میں تمہیں بتا دیا جائے تو تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔‘‘

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمانوں میں سے سب سے بڑے جرم والا وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کے بارے سوال کیا جو حرام نہ تھی، پھر اس کے سوال کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔'' (صحیح البخاری ، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من کثرۃ السوال و تکلف ما لا یعنیه ، حدیث:۷۲۸۹)

اسی باب کے تحت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ایک مکتوب کے حوالے سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیل و قال سے ، زیادہ سوال کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری ، کتاب الاعتصام، بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال و من تکلف ما لا یعنیه ، حدیث:۷۲۹۲)

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ انہوں نے کہا: ہمیں تکلف سے روک دیا گیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال ، و من تکلف ما لا یعنیه ، حدیث:۷۲۹۳)

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا۔ پس حج کرو۔''

ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہر سال حج کرنا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ یہاں تک کہ اس شخص نے تین بار اپنی بات دہرائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال فرض ہو جاتا۔ اگر فرض ہو جاتا تو تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔''

پھر آپ نے فرمایا: ''جب تک میں تم (سے کچھ نہ کہوں ، تم بھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ جو تم سے پہلے لوگ تھے وہ سوالوں کی کثرت اور اپنے انبیاء کے بارے میں اختلاف کی بنا پر ہلاک ہوئے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کے بارے میں حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو اور جس سے منع کر دوں ، اس سے رک جاؤ۔'' (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حدیث:۱۳۳۷)

تفسیر ابن کثیر میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کرنا چاہتا تو سال سال گزر جاتا، ہیبت کے مارے پوچھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ خواہش ہوتی کہ کوئی اعرابی آئے اور آپ سے سوال کرے اور ہم جواب سنیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر کوئی جماعت نہ تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف بارہ مسئلے پوچھے جو جوابات کے ساتھ قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ جن میں سے چھ تو سورۃ بقرہ ہی میں ہیں۔ جیسے چاند، انفاق فی سبیل اللہ، جوا اور شراب، یتامیٰ اور حیض کے بارے میں ارشاد ہوئے۔

امت محمدیہ پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ ایمان کامل کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو حکم ملتا ہے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق عمل کرتے رہو۔ بے کار قسم کے سوال کر کے معاملے کو الجھانے یا خراب کرنے کی کوشش سے بچ جاؤ۔ آمنّا وصدّقنا کا مظاہرہ کرو۔ یہود و نصاریٰ کی بدنصیبی تھی کہ انہوں نے نہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کیا، بلکہ ان کی کوشش تھی کہ ان کے عقائد کی ترویج نہ ہو۔ حالانکہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں اپنی اپنی امت کو آگاہ کیا تھا۔ چونکہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے پاس وہ قوت نہ تھی جو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی۔ اس لیے یہود و نصاریٰ جب بدزبانی یا طعن کرتے تو مسلمانوں کو درگزر کرنے کا حکم تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حیی بن اخطب، ابو یاسر اور کعب بن اشرف مسلمانوں سے حسد اور کینہ رکھنے کے ساتھ مسلمانوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے اسلام سے متنفر کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وقتی طور پر عفو و درگزر کرنے کی تلقین کی۔ جب جہاد و قتال والی آیات کا نزول ہوا تو پھر حکم میں تبدیلی واقع ہوگئی۔ اسی لیے مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک عفو و درگزر والی آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ سورۃ توبہ میں ہے۔

﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾(التوبۃ:۲۹)

''جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے ساتھ قتال کرو۔''

﴿ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ﴾(التوبۃ:۳۶)

''مشرکوں سے پوری طرح قتال کرو، جس طرح وہ تم سے پوری طرح قتال کرتے ہیں۔''

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ (البقرۃ:۱۹۳)

''ان سے اس وقت تک قتال کرو جب تک فتنہ ختم نہیں ہو جاتا اور دین اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو جائے۔''

یہاں ناسخ و منسوخ کی بجائے دونوں کو اپنے اپنے مقام پر حالات و واقعات کے تناظر میں قائم رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ جب مسلمانوں پر قتال مسلط کیا جائے تو بھرپور قتال کے ساتھ جواب دیا جائے اور اگر ویسے ہی مسلمانوں کو تنگ کرنے یا دین سے دور کرنے کی کوشش کی جائے تو قرآن و سنت کی روشنی میں دفاع کیا جائے۔ اس میں بھی عملی جدو جہد کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ ہر قسم کی سستی اور کاہلی سے اجتناب کیا جائے۔

مسلمانوں کی اصلی قوت اتفاق و اتحاد ہے۔ اس کے حصول کا بہترین طریقہ نماز کا قیام اور زکوٰۃ کا مربوط نظام ہے۔ اسی میں معاشرے کی اصلاح و فلاح کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو آج بھی ہماری کامیابی اور کامرانی کا سبب بن سکتا ہے۔ اسی کے ذریعے فحاشی اور بے حیائی کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ جب مسلمان پانچ وقت اپنے رب کے گھر میں جا کر نماز پڑھے گا تو اس کا دل خدا کے خوف سے مزین ہو جائے گا اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے بھی کوشاں ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بغیر حقوق العباد کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعلان کر دیا کہ اس کے ہاں کوئی بھی بھلائی یا نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ بلکہ ہر نفس اس کو اجر و ثواب کی صورت میں اپنے رب کے پاس پائے گا۔

حلِّ لغات:

- ﴿ اَمْ ﴾ حرفِ عطف ہے جو بعض اوقات بَل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کلام میں توبیخ (ڈانٹ) کا پہلو نمایاں کرتا ہے۔
- ﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ ﴾ میں اسی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یعنی کیا تم بھی اپنے رسول (ﷺ) سے اسی طرح سوال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو جس طرح موسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیے گئے۔
- ﴿تَسْـَٔلُوْا﴾ اصل میں تَسْئَلُوْنَ تھا۔ اس سے پہلے آن ناصبہ کی وجہ سے نون گر گئی۔
- ﴿سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ سے مراد صراط مستقیم یعنی اللہ کی راہ ہے۔
- ﴿حَسَدًا﴾ سے مراد انسان کی وہ کیفیت ہے جو کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمت یا نعمتوں کو دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ حسد دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک مذموم اور دوسرا محمود۔ مذموم یہ ہے کہ دوسرے کو ملنے والی نعمت کے بارے اس کی تمنا اور آرزو یہ ہو کہ وہ اس سے چھن جائے یا اس پر حسد کرے کہ اس کو کیوں ملی؟ اپنے آپ کو اس سے افضل سمجھتے ہوئے خیال کرے کہ وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ ایسا شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر نعمتوں سے نوازنے والے منعم پر معترض ہوتا ہے۔ اس لیے حسد کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مذمت ہے۔

سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾(النساء:٥٤)

''بلکہ وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے۔''

حسد کی یہ قسم ایسی ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں کو برباد کر دیتی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ)) (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب الحسد، حديث: ٤٢١٠)

''حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔''

لہٰذا ہر مسلمان کا کام ہے کہ حسد کی اس قسم سے بچے۔ حسد کی دوسری قسم کو غِبطة (رشک) کہا جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ ہی کی روایت ہے: ''دو (باتوں یا دو آدمیوں) میں حسد نہیں۔ ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی نعمت سے مالا مال کیا ہو اور وہ دن رات اس کے ساتھ قیام کرتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جس کو مال سے نواز دیا گیا ہو اور وہ دن رات راہِ حق میں اس کو خرچ کرتا ہو۔'' (سنن ابن ماجہ: كتاب الزهد، باب الحسد، حديث: ٤٢٠٩)

ابن ماجہ کی دوسری روایت میں قرآن کی بجائے حکمت کا ذکر ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو حکمت سے نوازا ہو اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اسی کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور لوگوں کو اسی کی تعلیم دیتا ہو۔(سنن ابن ماجة:كتاب الزهد، باب الحسد، حديث:٤٢٠٨)امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے مال اور حکمت والی روایت نقل کی ہے:" اچھے عمل میں لگے ہوئے انسان کو دیکھ کر آرزو اور دعا کرنی کہ اللہ مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرما، یہ سوچ پسندیدہ ہے۔" (صحيح البخارى، كتاب العلم، باب الاغتباط فى العلم والحكمة، حديث:٧٣)

- ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾ دونوں ہی فعل امر حاضر جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ اَلعَفوُ سے مراد تَرْكُ الْمُؤَاخَذَةِ بِالذَّنبِ اور الصفح سے مراد إِزَالَةُ أَثرِهِ مِنَ النَّفْسِ ہے یعنی گناہ یا برائی پر مواخذہ ترک کر دینا اور معاف کی گئی برائی کے جواثرات انسان کے دل کے اندر جمع ہوتے ہیں، ان کو مٹا دینا۔
- ﴿اَقِيْمُوْا اور اٰتُوْا﴾ بھی فعل امر کے صیغے ہیں۔ پہلے کا مفعول الصلوٰۃ ہے اور دوسرے کا الزکوٰۃ ہے۔ یعنی تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (111) بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (112) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (113)

"اور انہوں نے کہا کہ جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جو یہودی یا نصرانی ہے۔ یہ ان کے دلوں کی آرزوئیں ہیں۔ کہہ دو: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ کیوں نہیں جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے اس حال میں جھکا دیا کہ وہ اطاعت کرنے والا ہے، تو اس کے لیے اس کے رب کے پاس اجر ہوگا، اور اُن پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی شے پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی شے پر نہیں حالانکہ وہ (دونوں) کتاب پڑھتے ہیں۔ ان کے قول کی مثل انہوں نے بھی کہا جو جانتے نہیں تھے۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے درمیان اس بارے فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہود و نصاریٰ کے تکبر وغرور کا ذکر کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے باہمی اختلاف کو بھی اجاگر فرمایا ہے، تاکہ امت محمدیہ کو ان کے بارے میں اچھی طرح آگاہی ہو جائے۔ یہود آج بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہترین اور محبوب ترین مخلوق سمجھتے ہیں۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ نصاریٰ نے بھی ان کی سرکشی اور نافرمانی کی بنا پر ان پر نازل ہونے والے عذابوں سے عبرت حاصل نہ کی۔ بلکہ انہی کی روش کو اپنا لیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہود نے جو سلوک کیا اس کو بھلا دیا۔ دونوں نے اپنی اپنی جگہ دعویٰ کر دیا کہ ان کے علاوہ کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط سوچ کا خود ہی جواب دیا:

﴿ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾(المائدہ:۱۸)

''یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ کہہ دیں: پھر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا، اس میں سے تم اس کی مخلوق ہو۔ وہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ فیصلہ دعوے کی بنیاد پر نہیں بلکہ ہر انسان کے عمل کی بنا پر ہوگا۔ اللہ کے ہاں عزت صرف وہی پائے گا جو اس کی تابعداری اور فرمانبرداری کا حق ادا کرنے والا ہوگا۔ اہل مکہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے پر یہود و نصاریٰ والی بات کی۔ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں انتہائی نامناسب رویہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھنے کا دعویٰ کر دیا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں آپ سے اعلان کروا دیا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾(آل عمران:۳۱)

''آپ کہہ دیں: اگر تم اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتے ہو تو پھر میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا تمہارے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴾(آل عمران:۳۲)

''آپ کہہ دیں: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر وہ نہ مانیں، (تو ان کو جان لینا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

یہاں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی اطاعت ہے۔ یعنی قرآن وسنت کے مطابق خلوص دل سے عمل کرنا اور ہر قسم کے شرک سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ یہود و نصاریٰ جیسے دعووں سے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ ﴿مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ﴾ میں چہرے کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ اس سے انسان کی پہچان اور عزت ہوتی ہے۔ اسی لیے قیامت کے روز چہروں کا جو حال ہوگا، اللہ تعالیٰ نے سورۃ عبس: (۳۸ تا ۴۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان کے بارے میں یوں فرمایا:

- ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (٣٨)﴾ "اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے۔"
- ﴿ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (٣٩)﴾ "ہنسنے والے ہشاش بشاش ہوں گے۔"
- ﴿وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (٤٠)﴾ "اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔"
- ﴿تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (٤١)﴾ "ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔"
- ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (٤٢)﴾ "وہی لوگ بدکار اور کافر ہوں گے۔"

سورۃ غاشیہ:۲ تا ۷ میں مزید وضاحت ہوتی ہے:

- ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (٢)﴾ "اس دن بہت سے چہرے ذلت کے بوجھ سے جھکے ہوں گے۔"
- ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (٣)﴾ "خستہ حال ہوں گے۔"
- ﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (٤)﴾ "دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔"
- ﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (٥)﴾ "نہایت گرم چشمے کا پانی ان کو پلایا جائے گا۔"
- ﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ (٦)﴾ "ان کے لیے کانٹے دار درختوں کے سوا کوئی اور کھانا نہیں ہوگا۔"
- ﴿لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (٧)﴾ "جو نہ موٹا کرے گا اور نہ ہی بھوک مٹائے گا۔"

تفسیر ابن کثیر کی روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گزر ایک خانقاہ کے پاس سے ہوا۔ وہاں کے راہب کو آواز دی تو وہ حاضر ہوگیا۔ اس کو دیکھ کر امیر المومنین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ اس کو دیکھ کر سورۃ غاشیہ کی آیات یاد آ گئیں۔ عبادت و ریاضت تو خوب کرتے ہیں لیکن انجام کار جہنم ہوگا۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزار چہروں کے لیے سورۃ الغاشیۃ میں فرمایا:

- ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (٨)﴾ "بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔"
- ﴿لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ (٩)﴾ "اپنے اعمال سے خوش ہوں گے۔"
- ﴿فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (١٠)﴾ "بلند و بالا جنت میں ہوں گے۔"
- ﴿لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (١١)﴾ "اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے۔"
- ﴿فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (١٢)﴾ "اس میں چشمے جاری ہوں گے۔"
- ﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ (١٣)﴾ "اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے۔"
- ﴿وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ (١٤)﴾ "آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے۔"
- ﴿وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ (١٥)﴾ "اور قطار میں لگے ہوئے تکیے ہوں گے۔"
- ﴿وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ (١٦)﴾ "مخملی مسندیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں دعووں کی کوئی حقیقت نہیں، بات عمل ہی سے بنتی اور بگڑتی ہے۔ جب عمل پُر خلوص اور قرآن و سنت کے مطابق ہوگا تو بندہ ہر قسم کے خوف و حزن سے محفوظ ہوگا اور جنتی نعمتوں سے مالا مال ہوگا۔ اگر محض دعوے ہی ہوں گے اور انسان کے ساتھ اس کا نیک عمل نہ ہوگا تو پھر انجام بہت خطرناک ہوگا۔

حلِّ لغات:

- ﴿لَنْ یَدْخُلَ﴾ میں یدخل فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور اس سے پہلے لَنْ نفی تاکید کا ہے جس کی وجہ سے یَدْخُلَ کے آخر پر زبر آئی ہے۔ لَنْ کا خاصہ ہے کہ جب فعل مضارع پر آئے تو اس کے آخر کو نصب دیتا ہے اور نون اعرابی کو حذف کر دیتا ہے۔ مستقبل میں نفی تاکید کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
- ﴿الجنّة﴾ اس کا مفعول ہے۔
- ﴿قالوا﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ کا قول ہے۔ یعنی ان کا کہنا تھا کہ ان کے سوا کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔ قل اور ھاتوا دونوں ہی فعل امر حاضر کے صیغے ہیں۔ پہلا واحد مذکر اور دوسرا جمع مذکر ہے۔ ھَاتُوْا اصل میں ھَاتِیُوْا تھا۔ یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے تاء کو منتقل ہوا اور یاء التقاءِ ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی۔ قل کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ یہود و نصاریٰ سے کہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے تو لائیں۔
- ﴿بَلٰی﴾ حرفِ جواب ہے۔ مخاطب کے کلام کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ کلام استفہام سے خالی ہو۔ جیسے سورۃ التغابن میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰی وَ رَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ ﴾(التغابن:۷)

''کافروں نے گمان کیا کہ ان کو ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ آپ کہہ دیں: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا پھر تمہیں وہ بتایا جائے گا جو تم کرتے تھے۔''

دوسری صورت یہ کہ کلام میں استفہام ہو اور جواب میں نفی کے ساتھ توبیخ بھی ہو۔ جیسا کہ سورۃ زخرف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰی وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴾(الزخرف:۸۰)

''کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ بات اور سرگوشی کو نہیں سنتے؟ کیوں نہیں۔ بلکہ ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں۔''

- ﴿مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو نہ صرف اللہ کا فرمانبردار بنا دیا بلکہ اس کا اخلاص اس کے چہرے پر نمایاں ہوگیا۔
- ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ جملہ حالیہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❀ ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کا معنی ہے: نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف سے مراد انسان کی وہ کیفیت ہے جو کسی صدمہ پہنچنے سے پہلے ہوتی ہے اور صدمہ پہنچنے کے بعد والی کیفیت کو حزن کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطاعت گزار بندوں کے لیے یہ بہت بڑی بشارت ہے۔

❀ ﴿لیست﴾ فعل ماضی واحد مؤنث غائب ہے اور یہ فعل مضمون جملہ کی نفی کے لیے آتا ہے۔

❀ ﴿لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ﴾ اور ﴿لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ﴾ میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے ایک دوسرے کے عقائد کی نفی کی۔ لیکن اس کے باوجود اسلام کے خلاف متحد ہو گئے۔

❀ ﴿وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾: واوحالیہ۔ يَتْلُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب اور الکتاب اس کا مفعول۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی کی نشاندہی کر دی کہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں۔ لیکن اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کو برا بھی کہتے ہیں۔

❀ ﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ سے واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿114﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿116﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾

''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مساجد میں اس کے نام کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کو ویران کرنے کے لیے کوشاں رہے؟ ایسے لوگوں کے لیے جائز نہیں کہ ان (مساجد) میں بے خوف و خطر داخل ہوں۔ ان کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔ اور اللہ ہی کے لیے مشرق و مغرب ہیں۔ پس جدھر بھی تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ وسعت و علم والا ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا لیا، وہ تو (ایسے ہر کام سے) پاک ہے۔ بلکہ اسی کے لیے وہ تمام کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تمام مخلوق اس کی مطیع اور تابع دار ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے، اور جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتا ہے۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی مساجد کو اجاڑنے، ویران کرنے اور خرابی کا سبب بننے والوں کی سخت مذمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے ساتھ ان کو دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بہت بڑے عذاب کی وعید دی گئی ہے۔ مکہ مکرمہ میں جب تک مشرکوں کا غلبہ رہا، تب تک انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو پوری قوت کے ساتھ مسجد حرام میں نماز قائم کرنے اور طواف کرنے سے روکا۔ ان کی مخالفت اتنی شدت اختیار کر گئی کہ اہل ایمان مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ منتقل ہونے پر مجبور ہو گئے۔ چھ ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ چودہ پندرہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ آئے تو اہل مکہ نے عمرہ کیے بغیر ہی ان کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾(الفتح:۲۵)

''وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا۔''

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝﴾

(التوبة:۱۷، ۱۸)

''مشرکوں کا حق نہیں کہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں اس حالت میں کہ اپنے آپ پر کفر کے گواہ ہوں۔ وہی ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مساجد کو صرف وہ لوگ آباد کریں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، پس قریب ہے کہ وہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مساجد کو اجاڑنا یا خراب کرنا درحقیقت ان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عبادت کرنے سے روکنا ہے۔ جیسا کہ مکہ کے مشرکوں نے اہل اسلام کے ساتھ کیا۔ جب اسلام کا غلبہ ہو جائے تو پھر مخالفت کرنے والے مساجد میں کھلے بندوں داخل نہ ہوں۔ جیسا کہ فتح مکہ کے بعد مشرکوں کو مسجد حرام سے روک دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور دن رات اس کی عبادت کرنے والوں کو بتا دیا گیا کہ جس طرف ہو کر بھی تم اللہ کو پکارو گے تو اسی طرف اس کو پاؤ گے۔ کیونکہ مشرق و مغرب یعنی ہر سمت و جہت کو اسی کا علم محیط ہے۔ سورۃ الحدید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ . ﴾(الحدید:۳)

''وہی اول، وہی آخر وہی ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے۔ ﴿هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ جہاں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ سورۃ ق میں اعلان ہوتا ہے۔

﴿ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾(ق:۱۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''

ایسے رب کو چھوڑ کر انسان غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو یا اس کی بجائے طاغوت کی پیروی کرے تو وہ فلاح کیسے پا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے باطل عقیدہ کی بھی نفی کر دی جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو اللہ کے بیٹے بنا دیا۔ اہل مکہ کے بارے سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ﴾(النحل:۵۷)

''اللہ تعالیٰ کے لیے انہوں نے بیٹیاں بنا دیں حالانکہ وہ پاک ہے۔''

ایسے عقیدے والوں پر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ جس ذات نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا اور پھر جن و انس کے علاوہ تمام کو مسخر کر کے اپنی عبادت میں لگا رکھا ہے، اس کو بیٹا یا بیٹی کی کیا ضرورت ہے؟ جس خالق و مالک کے کن کہنے پر سب کچھ ہو جاتا ہے، اسے اولاد کی حاجت کیوں ہوگی؟

بخاری کی روایت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ لائق نہ تھا۔ اس نے مجھے برا بھلا کہا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ میں اسے مار کر دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں۔ اس کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ میری اولاد ہے۔ حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ میری کوئی بیوی یا اولاد ہو۔'' (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله:﴿ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴾ ،حديث:۴۹۷۵)

سورۂ مائدہ میں اہل کتاب سے خطاب ہوتا ہے:

﴿ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴾(المائدة: ۷۷)

''تم اپنے دین میں حق چھوڑ کر غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو جو پہلے خود گمراہ ہوئے اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔''

لیکن ان میں سے بہت ہی کم ایسے خوش نصیب تھے جنھوں نے حق کو پاتے ہی اپنا لیا اور گمراہی سے بچ گئے۔

آج بھی ہم اپنا جائزہ لیں تو حیرت ہوگی کہ اکثریت اسی راہ پر گامزن ہے جو اہل کتاب یا مشرکوں کی تھی۔ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ضابطہ حیات اس لیے بنایا تاکہ مسلمان بہکنے اور بھٹکنے سے بچ جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطہ حیات کو ترک کر کے طاغوتی نظام کو اپنایا جائے تو اس کا انجام کبھی اچھا نہ ہوگا۔

حلِّ لغات:

- ﴿اَظْلَمُ﴾ افعل تفضیل کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے سب سے زیادہ ظلم کرنے والا۔
- ﴿مَسٰجِدَ﴾ مسجد کی جمع ہے اور غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اس پر تنوین اور زیر نہیں آتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اَنْ یُّذْکَرَ﴾ میں اَنْ ناصبہ اور یُذْکَرَ فعل مضارع مجہول سے صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس کا معنی ہے: یہ کہ ذکر کیا جائے۔

﴿وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا﴾ میں واو عاطفہ، سعٰی فعل ماضی واحد مذکر غائب، فی حرف جر، خرابھا کی ضمیر ھا مَسٰجِدَ کی طرف راجع ہے اور خراب، فی کا مجرور ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اس نے ان کو ویران کرنے کی کوشش کی۔

﴿خِزْیٌ﴾ سے مراد ذلت و رسوائی ہے۔ یہ مساجد کو ویران اور خراب کرنے والوں کے لیے وعید ہے۔

﴿عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ مرکب توصیفی ہے۔ یعنی آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔

﴿اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ دونوں اسم ظرف ہیں۔ جب واحد ہوں تو سورج کے طلوع و غروب کی شرقی اور غربی جہت مراد ہوتی ہے۔ جب تثنیہ ہوں تو موسم سرما اور گرما کے دو مشرق اور دو مغرب مراد ہوتے ہیں اور جب جمع کا صیغہ ہو تو پھر ہر روز یا ہر موسم کا مشرق و مغرب مراد ہوتا ہے۔ جیسا: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۔ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ. رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ﴾ سورج کے طلوع اور اس کے غروب ہونے کی جہتوں کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت بتا کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہر چیز کا خالق و مالک وہی ہے اور کوئی جہت ایسی نہیں جو اس کے تابع نہ ہو۔

﴿فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ میں اَیْنَمَا ظرف، تُوَلُّوْا اصل میں تُوَلُّوْنَ تھا۔ شرط ہونے کی وجہ سے نون گر گئی ہے۔ فَثَمَّ میں ف جزائیہ ہے اور ثم اسم اشارہ بعید۔ یہ بھی ظرف ہے۔

﴿وَجْهُ اللّٰهِ﴾ مرکب اضافی ہے۔ اس کا معنی ''اللہ تعالیٰ کا چہرہ'' ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جس طرف بھی تمہارا رخ ہوگا، اسی طرف اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ مرکب توصیفی ہے اور اس سے مراد وسعت علم والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں دربارِ فرعون میں موسیٰ علیہ السلام کے اعلان کا ان الفاظ میں ذکر ہوا ہے:

﴿اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ (طٰہٰ: ۹۸)

''بے شک تمہارا معبود وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر شے پر علم کے لحاظ سے حاوی ہے۔''

﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ میں ہ، ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور سبحان مصدر منصوب ہے۔ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ درحقیقت یہود و نصاریٰ اور ان لوگوں کو جواب ہے جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ سورۂ اخلاص میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝﴾ (الاخلاص: ۱۔۳)

''کہہ دو کہ وہ اللہ اکیلا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے نہ کچھ جنا ہے اور نہ ہی وہ جنا گیا ہے۔'' یعنی اکیلا ہوتے ہوئے بھی اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی باپ ہے۔

﴿قٰنِتُوْنَ﴾ قَانِتٌ کی جمع ہے۔ اطاعت و فرماں برداری کرنے والوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

﴿كُنْ﴾ فعل امر اور ﴿فَیَكُوْنُ﴾ میں یَكُوْنُ فعل مضارع واحد مذکر غائب ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کُنْ کہتا ہے اور کام ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْتَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿118﴾
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿119﴾
وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿120﴾
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْبِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿121﴾

"اور بے علم لوگوں نے کہا کہ اللہ ہم سے خود کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی (یا دلیل) کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح ان لوگوں نے ان کے قول کی مثل بات کہی جو ان سے پہلے تھے۔ ان کے دل آپس میں ملتے ہیں۔ (جبھی تو ایک جیسی باتیں کرتے ہیں) جو لوگ یقین والے ہیں، ان کے لیے ہم نے آیات خوب بیان کر دی ہیں۔ بے شک ہم نے تمھیں حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور تم سے جہنمیوں کے بارے سوال نہیں ہوگا۔ اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے کی پیروی نہ کرو گے۔ کہہ دو بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔ تمھارے پاس جو علم آ گیا ہے، اس کے بعد اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے ہاں تمھارا کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ جنھیں ہم نے پہلے کتاب دی وہ اُس کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسے پڑھنے کا حق ہے۔ وہی لوگ اِس پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کا منکر ہوگا، پس وہی لوگ نقصان میں ہوں گے۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں ان لوگوں کی جہالت کا ذکر ہوا ہے، جنھوں نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہمیں خود کیوں نہیں بتاتا یا اس کے بارے میں ہم تک کوئی نشانی یا دلیل کیوں نہیں بھیجتا؟ یہ کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ سابقہ تباہ و برباد ہونے والی قوموں کا بھی یہی معمول تھا۔ اپنے نبیوں کو اسی طرح تنگ کیا کرتے تھے۔ سورۂ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قَالَ الَّذِيْنَ لَايَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾ (الفرقان:۲۱)

"جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، ان کا کہنا ہے کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل ہوتے یا ہم اپنے رب کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیوں نہیں دیکھتے؟"

سورۂ بقرہ میں یہود کے بارے اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا:

﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾(البقرة:٥٥)

"اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں۔"

ایسے ہی جہلاء کے بارے میں سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ﴾ (الانعام:١٢٤)

"اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دی کہ ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ جو لوگ اپنے برے اعمال کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بن جائیں گے، آپ سے ان کے بارے یہ سوال نہیں ہوگا کہ وہ جہنم میں کیوں گئے؟ سورۃ الرعد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾(الرعد:٤٠)

"بے شک تمہارے ذمے صرف (ہمارا پیغام) پہنچانا ہے اور ہمارے ذمے (ان کا) حساب لینا ہے۔"

اس کی مزید وضاحت سورۂ غاشیہ میں یوں ہوتی ہے:

﴿ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ (٢١)﴾(الغاشية:٢١)

"پس تم لوگوں کو نصیحت کرتے رہو، تم تو صرف نصیحت کرنے والے ہو۔"

﴿ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (٢٢)﴾

"تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔"

﴿ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ. (٢٣)﴾

"مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا۔"

﴿ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ. (٢٤)﴾

"پس اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا۔"

﴿ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ (٢٥) ﴾

"بے شک ہماری طرف ہی ان کا لوٹنا ہے۔"

﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (٢٦)﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''پھر بے شک ان کا حساب ہمارے ہی ذمہ ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ کا کام اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کا پیغام سنانا ہے، باقی معاملہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی کرنا ہے۔ پیغام پہنچانے کا انداز ہر حال میں اچھا ہونا چاہیے۔

ان آیات میں ایک ایسی اہم بات کہہ دی گئی ہے جس پر یہود و نصاریٰ آج بھی ڈٹے ہوئے ہیں۔ سیدالانبیاء ﷺ پر واضح کر دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کا طریقہ نہیں اپنائیں گے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی یہی آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر واضح کر دیا اور آپ ﷺ کے ذریعے امت مسلمہ کو سمجھا دیا کہ حقیقی ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے ذریعے اپنی مخلوق تک پہنچائی۔ یہود و نصاریٰ نے اس ہدایت کو ٹھکرا کر اپنی خواہشات کو اپنایا۔ آپ ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر آپ نے حقیقی علم آ جانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی اور قطعی فیصلہ ہے جس کا اعلان قرآن حکیم میں کر دیا گیا ہے۔ آج کے مسلمانوں کو اس اعلان کی روشنی میں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ جب تک یہود و نصاریٰ کی خواہشات کے مطابق مسلمان عمل کرتے رہیں گے، اس وقت تک نصرت الٰہی سے محروم رہیں گے۔

اسی نکتے کو دوسرے انداز میں یوں آگے بڑھایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جیسے اس کا حق ہے۔ وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ تلاوت کا حق ادا کرنے سے مراد اس کو صرف پڑھنا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کو سمجھنا اور سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنا بھی ہوتا ہے۔ حرام کردہ کاموں سے رکنا اور حلال کو اپنانے کے لیے کوشاں ہونا بھی ہوتا ہے۔ سورۃ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ (الزمر: ۲۳)

''اللہ تعالیٰ نے بہترین حدیث کی صورت میں ملتی جلتی اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب نازل فرمائی۔ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس کی تلاوت سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور دل ذکر الٰہی کی طرف نرم (اور مائل) ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس سے نواز دیتا ہے اور اللہ (برے اعمال کی بنا پر) جن کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے، ان کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔''

حلِّ لغات:

﴿لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ﴾ میں لَوْلَا بمعنی هَلَّا تحضیض (ابھارنے رغبت دلانے) کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ يُكَلِّمُنَا میں يُكَلِّمُ باب تفعیل سے فعل مضارع واحد مذکر غائب ہے اور نا ضمیر منصوب متصل ان لوگوں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف راجع ہے جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا:

❁ ﴿لَايَعْلَمُوْنَ﴾ کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔ لفظ اللہ، يُكَلِّمُ کا فاعل ہے۔ اَوْ حرف عطف، تَاتِيْنَا بھی فعل مضارع ہے لیکن صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ "نا" ضمیر بھی مذکورہ لوگوں کی طرف لوٹتی ہے۔ اٰيَةٌ فعل تَاتِي کا فاعل ہے۔ جملے کا معنی ہے کہ محمد (ﷺ) کی رسالت و نبوت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہمیں خود کیوں نہیں بتاتا؟ یا ان کی رسالت و نبوت پر ہمارے پاس کوئی نشانی یا دلیل کیوں نہیں آتی؟

❁ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ قَالَ فعل ماضی ہے اور اَلَّذِيْنَ اسم موصول اپنے صلے (مِنْ قَبْلِهِمْ) سے مل کر فاعل ہے اور اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

❁ ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ میں تَشَابَهَتْ باب تفاعل سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ قُلُوْبُهُمْ، قلب کی جمع ہے اور هُمْ ضمیر ان تمام لوگوں کی طرف راجع ہے جو سیدالانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جملے کا معنی ہے کہ ایسے لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ یعنی ان کی سوچیں ایک جیسی ہیں۔

❁ ﴿قَدْبَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ میں بَيَّنَّا باب تفعیل سے فعل ماضی معروف جمع متکلم کا صیغہ ہے، اس سے پہلے قَدْ ہے، جو فعل ماضی پر آئے تو اس کے معنی کو ماضی قریب میں کر دیتا ہے۔ الاٰيٰتِ، الاية کی جمع اور بَيَّنَّا کا مفعول ہے۔ لِقَوْمٍ میں لام حرف جر اور قوم مجرور، يُوْقِنُوْنَ باب اِفعال سے فعل مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ہم نے یقین کرنے والے لوگوں کے لیے آیات واضح کر دی ہیں۔

❁ ﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ہیں، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی آپ ہدایت یافتہ لوگوں کو جنت کی بشارت دینے والے اور گمراہی پر ڈٹے رہنے والوں کو جہنم کی آگ سے ڈرانے والے ہیں۔

❁ ﴿اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ مرکب اضافی عَنْ حرف جر کا مجرور ہے۔

❁ ﴿حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ میں تَتَّبِعَ باب افتعال ہے اور فعل مضارع سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اس سے پہلے حتیٰ ہے، جس کے بعد اَنْ (ناصبہ) پوشیدہ ہے اور اسی کی وجہ سے مضارع کے آخر میں زبر آئی ہے۔ مِلَّتَهُمْ میں هم ضمیر یہود و نصاریٰ کی طرف راجع ہے اور مِلَّتَهُمْ فعل تَتَّبِعَ کا مفعول ہے۔ مِلَّة سے مراد بھی دین کی طرح وہ شریعت و طریقہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کے ذریعے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرماتا ہے۔ دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ ملت کی اِضافت اس نبی کی طرف ہوتی ہے جس کا وہ دین ہوتا ہے۔ جب کہ لفظ دین کی اِضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اس کی طرف ملت کی اضافت نہیں ہوتی۔ یعنی دین اللّٰه کہا جاتا ہے، ملة اللہ نہیں کہا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿122﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿123﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿124﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿125﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿126﴾

''اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جس سے میں نے تمہیں نوازا اور (یہ بھی یاد رکھو کہ) میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ اس دن سے ڈر جاؤ جس میں کوئی نفس کسی نفس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا اور نہ اس سے کوئی فدیہ ہی قبول کیا جائے گا، نہ اس کو کوئی شفاعت ہی نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا، تو انہوں نے سب کو پورا کر دیا۔ (اللہ نے) فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ عرض کیا: میری اولاد کو بھی (اس سے نوازنا) فرمایا: میرا (یہ) عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن کی جگہ بنا دیا، اور تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ مقرر کر لو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف و اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے (دعا میں) کہا: اے میرے رب! اس (جگہ) کو امن والا شہر بنا دے اور اس میں رہنے والوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے، ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔ فرمایا: میں اس کو بھی تھوڑا سا فائدہ دوں گا جو کفر کا مرتکب ہوگا پھر اس کو آگ کے عذاب کی طرف دھکیل دوں گا، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلانے کے ساتھ ساتھ قیامت کے دن سے بھی ڈرایا ہے جس میں انسان کے اپنے ذاتی نیک اعمال ہی اس کے کام آئیں گے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی کے کام آئے گا۔ اپنے برے اعمال کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بننے والا اگر ساری دنیا کا سامان اور مال دے کر جان چھڑانی چاہے گا تو بھی جہنم سے بچ نہیں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت بھی نہیں ہو سکے گی۔ قرآن حکیم میں متعدد

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بار ارشاد ہوا ہے:

www.kitabosunnat.com

﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الانعام:۱۶۴)

''کوئی جان کسی جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔''

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَاتُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (المائدہ:۳۶)

''بے شک جنہوں نے کفر کیا، اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کی مثل اور بھی تا کہ اس کے ذریعہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے اپنی جانیں چھڑا لیں تو وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔''

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

''اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس کون شفاعت کر سکتا ہے۔''

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر شخص نے اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا ہے۔ دنیا میں کیے گئے اعمال کے مطابق اللہ کے ہاں اس سے معاملہ ہوگا۔

اسی تناظر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمائی کہ ان کو جن جن کاموں اور باتوں کے ذریعے آزمایا گیا، انہوں نے ہر کام اور ہر بات میں بے مثال ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا، اطاعت و فرماں برداری اور شکر الٰہی کا حق ادا کر دیا۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَo ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَo﴾ (النحل:۱۲۱-۱۲۳)

''وہ اس (اللہ) کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اس نے اسے چن لیا اور اس کو سیدھی راہ پر گامزن کر دیا۔ اور ہم نے اس کو دنیا میں بھلائی عطا کی اور آخرت میں (میں) یقیناً وہ نیکوں میں سے ہوگا۔ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی کی کہ ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو، وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی امامت سے نوازے جانے کی خوشخبری سن کر عرض کیا کہ میری جو اولاد ہوگی، ان سب کو یہ اعزاز عطا فرما! تو اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کر دیا کہ یہ شرف ظالموں کو نصیب نہیں ہوگا۔ یعنی نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ اطاعت کا حق ادا کرنے والوں میں رہے گا۔ چنانچہ یہ سلسلہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر کر چکے تو انہوں نے دعا کی کہ مکہ کو امن والا شہر بنا دے اور اہل مکہ میں سے جو تجھ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں، ان کو پھلوں کے رزق سے نواز۔ یہاں بھی رب العالمین نے اپنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لازوال قانون بیان کر دیا کہ میری مخلوق ہونے کے ناطے ہر پیدا ہونے والا مجھ سے رزق پائے گا۔ چاہے وہ مجھ پر ایمان لائے یا نہ لائے۔ چونکہ میں جہانوں کی پرورش کرنے والا ہوں۔ اس لیے کفار بھی مجھ سے رزق پائیں گے۔ لیکن ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ﴾

(آل عمران:۱۹۶، ۱۹۷)

''شہروں میں کفار کا (شاہانہ) چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں ہرگز نہ ڈال دے۔ (یہ) تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔''

دعا کے نتیجے میں ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت ضرور مل گئی کہ اللہ کے حکم پر ان کے تعمیر کردہ گھر کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ اس کی زیارت کا شوق کرنے والوں کے دلوں میں یہ شوق کبھی کم نہ ہوگا۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی رہے گا۔ چنانچہ آج بھی مشاہدے کی بات ہے کہ جو شخص حج وعمرہ کر کے وطن واپس آتا ہے۔ اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ موقع ملتے ہیں وہ پھر سے وہاں پہنچ جائے۔ بیت اللہ تعمیر کرنے والوں کی یہ ڈیوٹی بھی لگ گئی کہ اس کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھیں۔ اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں بھی اور جو بھی مسجد جس وقت تعمیر ہوگی، تعمیر کرنے والوں کا فرض ہوگا کہ اس کی پاکی اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی موافقت کی۔ یعنی جو اللہ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! اگر مقام ابراہیم کو ہم مصلیٰ بنالیں تو کیا ہی اچھا ہو؟ اس پر ﴿ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ﴾ (البقرۃ:۱۲۵) نازل ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیں تو اچھا ہو۔ کیونکہ نیک و بد ہر طرح کے لوگ ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اس پر حجاب والی آیت ﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾ (الاحزاب:۵۳) (جب تم ان ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزگی کا سبب ہوگا۔

تیسری بات میں موافقت اس وقت ہوئی جب ازواج مطہرات نے مل کر ایسی بات کہی جس پر نبی ﷺ کچھ خفا ہوگئے تو میں نے ان سے کہا: ہوسکتا ہے کہ اگر آپ تمہیں طلاق دے دیں تو آپ کا رب آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا کر دے۔ اس پر سورۂ تحریم کی آیت ﴿ عَسَىٰ رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ ... الخ ﴾ (التحریم:۵) نازل ہوگئی۔ دوسری روایت کے متعلق جنگ بدر کے قیدیوں اور عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں ان کی موافقت مروی ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی القبلۃ...... حدیث:۴۰۲، ۴۴۸۳)

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کا حصہ ہے کہ حجر اسود کو استلام کے بعد آپ نے بیت اللہ کے تین چکر ہلکی دوڑ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اور چار چلتے ہوئے لگائے۔ پھر آپ مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور آپ نے سورہ بقرہ کی آیت ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ پڑھنے کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ جن میں ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور ﴿ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سورتیں تلاوت کیں۔ (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجّة النّبيّ صلى الله عليه وسلم ، حديث:۱۲۱۸)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا دعا مانگ رہا تھا۔ اے اللہ! فلاں کو بخش دے۔ اس کے گناہ معاف فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: تو کس کے لیے دعا کر رہا تھا؟ اس نے عرض کیا: ایک آدمی نے مجھے رخصت کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس جگہ کھڑا ہو کر اس کے لیے دعا کروں۔ آپ نے فرمایا:

((اِرْجِعْ فَقَدْ غُفِرَ لِصَاحِبِكَ))

''جاواپس جا۔ تیرے ساتھی کو بخش دیا گیا۔'' یعنی تیری دعا قبول ہوگئی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مقام ابراہیم دعا کی قبولیت کی جگہ ہے۔

حلِّ لغات:

- ﴿اُذْكُرُوْا. اِتَّقُوْا. اِتَّخِذُوْا. طَهِّرَا. اِجْعَلْ اور اُرْزُقْ﴾ تمام فعل امر کے صیغے ہیں۔ ان میں سے پہلے تین جمع مذکر۔ چوتھا تثنیہ اور آخری دو واحد مذکر ہیں۔ اُذْكُرُوْا یہ بنو اسرائیل کو حکم ہوا کہ جن نعمتوں سے میں نے تم کو نوازا ہے، ان کو یاد کرو۔ اِتَّقُوْا یہ حکم عام ہے کہ اس دن سے ڈر جاؤ جس میں کوئی نفس کسی نفس کے لیے کچھ بھی کر نہیں سکے گا۔ اِتَّخِذُوْا یہ مسلمانوں سے ارشاد ہوا کہ مقام ابراہیم کو مصلی (جائے نماز) بنا لو۔ طَهِّرَا یہ حکم ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو ملا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ اِجْعَلْ اور اُرْزُقْ کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ بیت اللہ جس شہر میں بنایا گیا ہے۔ اس کو امن کی جگہ بنا اور اس میں رہنے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔
- ﴿ اِبْرٰهٖمَ اور اِسْمٰعِيْلَ﴾ دونوں اسم، عجمی نام ہونے کی بنا پر غیر منصرف ہیں۔ یعنی ان کے آخر میں تنوین اور زیر نہیں آتی۔
- ﴿بِكَلِمٰتٍ﴾ سے مراد شرعی طور پر وہ تمام کام اور باتیں ہیں جن کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش ہوئی۔
- ﴿فَاَتَمَّهُنَّ﴾ کا معنی ہے کہ جن کلمات کے ذریعے ان کی آزمائش ہوئی، ان میں پورے اترے۔ یعنی جن کاموں یا باتوں کا حکم ان کو ملا انہوں نے ان کے کرنے کا حق ادا کر دیا اور جن سے ان کو روکا گیا ان سے رکنے کا حق ادا کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ان کے بارے میں فرمایا:

﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾ (النحل:۱۲۰)

''بے شک ابراہیم (اکیلے ہی) ایک جماعت تھے، اللہ کے فرماں بردار، ایک ہی طرف کے اور وہ مشرکوں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نہیں تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام لوگوں کے لیے ان کو امام بنایا۔

- ﴿مَثَابَةً اور اَمْنًا﴾ بیت اللہ کے بارے میں خبر ہے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں لوگ بار بار آئیں گے اور اجر و ثواب سے نوازیں جائیں گے۔ جو بھی وہاں جائے گا، وہ امن میں ہوگا، سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ ﴾(آل عمران:۹۷)

"جو اس میں داخل ہوگا، وہ امن میں ہو جائے گا۔"

- ﴿مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ﴾ سے مراد وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کی۔ یہ پہلے کعبہ کی اس دیوار سے متصل رکھا ہوا تھا جس طرف دروازہ ہے۔ بعد میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے طواف کرنے والوں کی سہولت کے لیے اس کو پیچھے ہٹوا دیا۔
- ﴿مُصَلًّى﴾ سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔
- ﴿عَهِدْنَا﴾ سے یہاں اَمَرْنَا ہے۔ جو فعل ماضی جمع مذکر متکلم کا صیغہ ہے۔ یعنی ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا۔
- ﴿لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ﴾ میں لام حرف جر ہے۔ الطَّائِفِيْنَ، الطَّائِف کی جمع ہے اور العٰكِفِيْنَ ، العٰكِف کی جمع ہے۔ اس سے مراد طواف کرنے والے اور اعتکاف کرنے والے۔ یہ بھی منقول ہے کہ طائف سے مراد باہر سے آنے اور عاکف سے مراد مکہ کے مقامی باشندے ہیں۔
- ﴿الرُّكَّعِ . السُّجُوْدِ﴾ سے مراد رکوع اور سجود کرنے والے یعنی نمازیں پڑھنے والے ہیں۔
- ﴿بِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ سے مراد بہت برا ٹھکانا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿127﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿128﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ	"اور جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ (تو انہوں نے دعا کی۔) اے ہمارے رب! ہم سے (ہمارا عمل) قبول فرما۔ بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لیے اطاعت گزار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اطاعت گزار امت (پیدا کرنا) اور ہمیں ہمارا طریقہ عبادت سمجھا دے اور ہماری طرف متوجہ ہو جا بے شک تو ہی متوجہ ہونے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿129﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿130﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿131﴾

انہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمانا جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو ہی غلبے والا حکمت والا ہے۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے طریقے سے وہی بے رغبتی کرے گا جو اپنے نفس کو حماقت میں غرق کرے گا۔ بے شک ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا میں چن لیا اور آخرت میں وہ صلحاء میں ہوگا۔ جب ان سے ان کے رب نے کہا کہ فرماں بردار ہو جاؤ تو انہوں نے عرض کیا میں نے رب العلمین کے لیے اپنے آپ کو فرماں بردار بنا دیا۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں بیت اللہ کی اس تعمیر کا ذکر ہوا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے کروائی۔ سورۃ ابراہیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾ (ابراهيم:۳۷)

''اے ہمارے رب! میں اپنی اولاد کو تیرے بیت محرم کے پاس ایسی وادی میں آباد کر رہا ہوں کہ جہاں کھیتی باڑی کا کوئی سلسلہ نہیں۔''

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کے پاس چھوڑ کر واپس جاتے ہوئے دعا مانگتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ کا ان کو علم تھا۔ لیکن بیت اللہ کی ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ سورۃ الحج میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ﴾ (الحج:۲۶)

''جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی جگہ کے بارے میں آگاہ کیا۔''

فتح الباری (۶/۴۰۲) میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بیت اللہ پہلے سے موجود تھا۔ طوفان نوح میں اس کو اٹھا لیا گیا۔ انبیاء علیہم السلام کو اس کے بارے میں علم تھا اور وہ اس کا حج کیا کرتے تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا استدلال تھا کہ ہر نبی پر نماز فرض تھی اور نماز کے لیے جہت یعنی قبلہ ضروری تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیت اللہ ہمیشہ سے موجود تھا۔ یعنی جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو اس کے بارے میں علم تھا، تمام نبیوں کو بھی اس کے بارے میں آگاہی حاصل رہی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکہ آنا اور بیوی بچے کو وہاں چھوڑنے کا پورا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ منقول ہے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ فرشتے نے پر یا ایڑی مار کر آب زمزم کا چشمہ جاری کیا تو ام اسماعیل سے کہا۔ اپنے ضائع ہونے کا خوف نہ کرنا۔ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب ﴿ یزفون﴾ النسلان فی المشی، حدیث: ۳۳۶۴)

((فَإِنَّ هٰهُنَا بَيْتَ اللّٰهِ يَبْنِيْ هٰذَا الْغُلَامُ وَأَبُوْهُ۔))

''بے شک یہاں بیت اللہ ہے۔ یہ لڑکا اور اس کا باپ اس کی تعمیر کریں گے۔''

چنانچہ جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوتی ہے تو باپ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں۔

((إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَمْرًا۔))

''مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔''

باپ کی ہمیشہ اطاعت کرنے والے اسماعیل علیہ السلام کہتے ہیں۔

((فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ۔))

''آپ کے رب نے آپ کو جو حکم دیا ہے اس کے مطابق آپ عمل کریں۔''

ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں۔ تعیننی تم میری مدد کرو گے۔ اسماعیل علیہ السلام کہتے ہیں۔ أُعِيْنُكَ میں آپ کی مدد کروں گا۔ یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔

((فَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَبْنِيَ هٰهُنَا بَيْتًا۔))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں ایک گھر بناؤں۔''

پھر انہوں نے ایک اونچے ٹیلے کے آس پاس کی طرف اشارہ کیا۔ باپ بیٹے دونوں نے بنیادوں کو اٹھانے کا کام شروع کر دیا۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام ان کو دیواروں پر لگاتے۔ یہاں تک کہ دیواریں اونچی ہوگئیں۔ پھر اسماعیل علیہ السلام وہ پتھر لائے کہ جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام تعمیر کا کام کرتے رہے۔ اسی دوران میں باپ بیٹا دونوں یہ دعا بھی کرتے جاتے کہ اے ہمارے رب! ہم جو کچھ تیرے حکم سے کر رہے ہیں۔ اس کو قبول فرما۔ کیونکہ نیتوں کو جاننے والا اور دعاؤں کا سننے والا تو ہی ہے۔ اطاعت اور فرمانبرداری کا عملی مظاہرہ کرنے کے باوجود اس پر قائم رہنے کی توفیق بھی اپنے رب سے طلب کرتے جاتے ہیں۔ اپنی دعا کو اپنے آپ تک محدود رکھنے کی بجائے آنے والے وقت میں ایک ایسی امت کے وجود میں آنے کے لیے بھی دعا کرتے ہیں جو بہترین اطاعت کرنی والی امت مسلمہ ہو۔ ظاہر ہے کہ امت کی راہنمائی کے لیے انتہائی اعلیٰ قیادت کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ اس لیے ایک ایسے رسول کی بعثت کے لیے بھی دعا کر دی کہ جو ان کے رب کی طرف سے نازل ہونے والی آیات ان کو پڑھ کر سنائے۔ قرآن وحکمت کی ان کو تعلیم دے ان کے نفسوں کا تزکیہ کرے۔

ابراہیم علیہ السلام کی ہی دعا کا نتیجہ تھا کہ جب ساری دنیا گمراہی کا شکار ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی رشد وہدایت کے لیے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمایا اور آپ کو قرآن حکیم سے نوازا کہ جس میں پہلی قوموں کے واقعات

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے بیان فرمائے تاکہ امت مسلمہ ہلاک ہونے والوں کی عادات کو نہ اپنائے۔ بلکہ اس طریقہ وسلیقہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے کوشاں رہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے گزاری۔ باپ بیٹے نے عبادت کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے جو راہنمائی حاصل کی۔ اس کو نمونہ کے طور پر سامنے رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرنے کا جو جذبہ ان میں تھا۔ وہی جذبہ اپنے آپ میں پیدا کرنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرنی چاہیے۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ سے بے رغبتی سراسر جہالت ہوگی۔

حلّ للغات:

- ﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ﴾ میں واو عاطفہ، اذا ظروف مبینہ میں سے ہے۔ جب مضارع پر آئے تو معنی ماضی میں کر دیتا ہے۔ یَرْفَعُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اِبْرٰھِیْمُ وَ اِسْمٰعِیْلُ. اس کے فاعل ہیں۔ اَلْقَوَاعِدَ اَلْقَاعِدَۃ کی جمع ہے۔ مِنْ حرف جر اور اَلْبَیْتِ مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں یا دیواریں بنا رہے تھے۔ یعنی بناتے ہوئے ان کو بلند کر رہے تھے۔
- ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ ''نا'' ضمیریں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی طرف راجع ہیں۔ تَقَبَّلْ فعل امر واحد مذکر کا صیغہ ہے اور یہ جلیل القدر نبیوں کی دعا ہے۔ اے ہمارے رب ہم نے جو کچھ کیا اس کو ہماری طرف سے قبول فرما۔
- ﴿السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ سے مراد ہمیشہ ہی سننے اور جاننے والا ہے۔
- ﴿التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ سے مراد توجہ کے طلب گار اور توبہ کرنے والے کی طرف بڑا ہی متوجہ ہونے والا اور توبہ قبول کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔
- ﴿الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ سے مراد ہمیشہ ہی غالب رہنے والا اور حکمت والا ہے۔ یہ چھ صفات اللہ تعالیٰ کی بیان ہوئی ہیں۔
- ﴿مُسْلِمَیْنِ﴾ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اور اس سے مراد ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام ہے۔ اور یہ اَسْلَمَ یُسْلِمُ سے اسم فاعل ہے۔ جو پوری طرح اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے فرمانبردار بنا دے، اس کے لیے یہ فعل استعمال ہوتا ہے۔
- ﴿اُمَّةً مُّسْلِمَةً﴾ مرکب توصیفی ہے اور اس سے مراد اطاعت گزاری کا حق ادا کرنے والی امت ہے۔
- ﴿مَنَاسِکَنَا﴾ میں نا ضمیر بھی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی طرف راجع ہے۔ مَنَاسِکَ مَنْسَکَ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ طریقہ عبادت ہے کہ جس سے عبادت کرنے کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی تعلیم کے مطابق ہوتا ہے۔
- ﴿رَسُوْلًا﴾ سے مراد مُرْسَلًا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچانے والا ہے۔
- ﴿الْکِتٰبَ﴾ سے مراد قرآن حکیم اور اَلْحِکْمَةِ سے مراد دین کی معرفت اور حکمت کی باتیں ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿يُزَكِّيهِمْ﴾ میں هم ضمیر ان کی طرف راجع ہے کہ جن میں رسول کی بعثت کے لیے دعا کی گئی۔ یزکی. فعل مضارع واحد مذکر غائب ہے۔یعنی وہ رسول ان کا تزکیہ کریں جس گمراہی اور برائی میں وہ غرق ہوں۔اس سے ان کو پاک کرے۔

❁ ﴿وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهِيمَ﴾ میں واو عاطفہ مَنْ استفہامیہ۔یرغب فعل مضارع واحد مذکر غائب۔عن حرف جر ملة ابراھیم مرکب اضافی عَنْ کا مجرور ہے۔جملے کے معنی ہیں: ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ سے کون بے رغبتی کرے گا۔

❁ ﴿اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾ میں الا حرف استثناء و مَنْ موصولہ، سَفِهَ فعل ماضی واحد مذکر غائب، نَفْسَهٗ میں ہ ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے اور نَفْسَ. سفه کا مفعول ہے۔جملے کے معنی ہیں: بے رغبتی کا مرتکب وہی ہوگا کہ جو اپنے نفس کو حماقت کی طرف لگائے گا۔

❁ ﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ﴾ میں واو عاطفہ لَقَدْ میں لام تاکید کا اور قَدْ جب فعل ماضی پر آئے تو معنی کو ماضی قریب میں کر دیتا ہے۔اِصْطَفَيْنٰهُ فعل ماضی جمع متکلم اور ہ ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔اس کا معنی ہے: ہم نے اس کو چن لیا۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿132﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿133﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿134﴾

''اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی ۔اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے ایک دین چن لیا ہے، پس تمہیں موت صرف اس حال میں آئے کہ تم (اللہ تعالیٰ کے) اطاعت گزار ہو۔کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آ پہنچا۔ جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم آپ کے الٰہ، آپ کے آباء و اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق (علیہم السلام) کے الٰہ کی عبادت کریں گے جو (حقیقت میں) ایک ہی الٰہ ہے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی۔اس کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم کماؤ گے۔ اور تم سے اس کا سوال نہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح:

ان آیاتِ مبارکہ میں فلاح و کامیابی کا سبب بننے والی اس وصیت کا ذکر ہوا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی شرک کے خلاف جہاد کرنے میں گزری تھی اور ان کو معلوم تھا کہ مشرکوں کا زور ہر دور میں رہا ہے اور رہے گا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی اولاد کو توحید کا پرچم بلند رکھنے ہی کی وصیت کی اور ان کو ربِ حقیقی کی بندگی کرنے کی تلقین فرمائی۔

تفاسیر میں منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب ستاسی (۸۷) سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نوازا۔ جب ایک سو سال کے ہوئے تو حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی ہی میں اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام عطا کر کے ان کو دادا بنا دیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ مصر کی بادشاہت سے بھی نواز دیا گیا۔ سورۂ یوسف میں احسن القصص کی صورت میں ان کا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے، اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے کی:

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (ابراھیم:۳۵،۳۶)

''اور جب ابراہیم نے کہا: پروردگار! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا لے۔ اے میرے رب! پس جو میری اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی، بے شک تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (الانبیاء:۵۲-۵۴)

''جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کے سامنے تم بیٹھے رہتے ہو۔ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: بے شک تم اور تمہارے آباء و اجداد کھلی گمراہی میں تھے۔''

بتوں کے باطل ہونے کے جو دلائل انہوں نے دیے، سورۂ مریم میں ان کا بہت دلچسپ انداز میں تذکرہ ہوا ہے:

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۝﴾ (مریم:۴۲-۴۶)

''جب اس نے اپنے باپ سے کہا: پیارے ابا جان! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ آپ کو کسی کام میں کفایت ہی کر سکتا ہے۔ اے ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ پس آپ میری اتباع کریں، میں آپ کو سیدھی راہ پر لگا دوں گا۔ اے ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں۔ بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے ابا جان! مجھے خوف ہے کہ رحمٰن کی طرف سے آپ کو عذاب پہنچے گا تو آپ پھر شیطان کے دوست ہو جائیں گے۔ (باپ نے) کہا! کیا تو میرے معبودوں سے اعراض (بے رغبتی) کرتا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں ضرور تجھے پتھر مار مار کر ختم کر دوں گا اور مجھ سے ایک مدت تک کے لیے دور ہو جا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر اللہ کی محبت انسان کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو پھر اس کو نکالنا آسان نہیں ہوتا اسی وجہ سے باپ نے اپنے لختِ جگر کو رجم کرنے کی دھمکی دے دی۔ یہاں اس بات کا بھی خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے کا سبب جو شے بھی ہوگی اور اس کی جو بھی صورت ہوگی، وہ باطل ہوگی۔

سورۂ فاطر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ﴾ (الفاطر:۱۳)

''وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک چل رہا ہے مقررہ مدت (تک) کے لیے۔ یہ اللہ ہی تمہارا رب ہے، اسی کے لیے بادشاہت ہے۔ اس کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ تو اتنے کے بھی مالک نہیں جتنا کھجور کی گٹھلی پر چھلکا ہوتا ہے۔''

یہاں من دونہ سے واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے علاوہ جن کو بھی پکارا جائے گا اور جن جن سے فریاد رسی یا مشکل کشائی کی امید رکھی جائے گی، وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہوتے اور اس طرح دعا کرنا شرک کی بدترین صورت ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں ہوتی ہے:

﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ﴾ (الفاطر:۱۴)

''اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور قیامت کے روز تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔''

ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں جو بت تھے، وہ بڑے بڑے بزرگوں کے ناموں پر بنائے اور تراشے جاتے تھے۔ ان کے بارے یہ تصور رائج تھا کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں۔ لہٰذا ان کے ذریعے قربِ الٰہی کے حصول کی کوشش کی جاتی تھی۔ سورۂ زمر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی ایسے لوگوں کے عقیدے کا ذکر کیا ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ (الزمر:۳)

''ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔''

سورۂ یونس میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (یونس:۱۸)

''یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں۔''

اسی لیے ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولادوں کو وصیت کی کہ تم کو ملنے والا دین بہترین ہے۔ اسی دین پر قائم رہنا اور تمہارا خاتمہ اسلام پر ہونا چاہیے۔ یعقوب علیہ السلام نے تو اپنے بیٹوں سے وعدہ بھی لے لیا کہ وہ اس رب کی عبادت کریں گے جس کی ان کے آباء واجداد کیا کرتے تھے۔ اس سے ان لوگوں کے عقیدے کی بھی نفی ہو جاتی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو یہودی یا نصرانی ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے یا کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں واضح کر دیا گیا کہ وہ اور ان کی اولاد موحد تھی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا وہ نہ کسی طرف دیکھتے تھے اور نہ کسی کو پکارتے تھے۔

عجیب نکتہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے مشکل کی گھڑی میں کسی نے کبھی بھی ان کو مدد کے لیے نہ پکارا۔ یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے سلسلے میں کتنی آزمائش ہوئی۔ لیکن انہوں نے اپنے رب کی طرف ہی اپنی نظروں اور دل کو لگائے رکھا۔ کئی سال آنکھیں بے نور رہیں لیکن نورِ توحید سے محروم نہ ہوئیں۔ جس اللہ پر ان کا ایمان اور یقین تھا، اسی نے ہر معاملہ درست کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ ہر امت نے اپنا حساب دینا ہے کسی کو کسی دوسرے کے بارے پوچھا نہیں جائے گا۔ ہمارا کام ہے کہ قبر میں آنے والے کل کی تیاری کریں۔

حلِّ لغات:

❁ ﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ﴾ میں واو عاطفہ، وَصّٰى فعل ماضی واحد مذکر غائب ب حرف جر اور هَا ضمیر اس جملے کی طرف راجع ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے اَسْلِمْ کے جواب میں کہا تھا۔ یعنی اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ''میں نے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے لیے اپنے آپ کو فرماں بردار بنا دیا۔'' رب العالمین کی اطاعت وفرماں برداری ہی ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا۔ اِبْرٰهٖمُ فاعل بَنِيْهِ کی ضمیر ہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ اور بنی سے مراد ان کے بیٹے ہیں۔ واؤ عاطفہ اور یعقوب بھی اسم فاعل ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اسی کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوبؑ نے بھی۔'' وصیت درحقیقت قولی یا تحریری حکم ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ﴾ (الاحقاف:۱۵)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿الدِّيْنَ﴾ سے مراد دین اسلام ہے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹)

"بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

سورۃ النسآء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ (النساء:۱۲۵)

"اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہوگا جس نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے تابعدار بنا دیا، اس حال میں کہ وہ نیک عمل کرنے والا تھا۔"

- ﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ میں لَا نہی کا تَمُوْتُنَّ نون ثقیلہ (نّ) کے ساتھ فعل نہی سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اِلَّا حرف استثناء، واؤ حالیہ، اَنْتُمْ ضمیر مرفوع مُسْلِمُوْنَ اسلام سے اسم فاعل مُسْلِمٌ کی جمع ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی وصیت کی وضاحت کر دی گئی کہ تمہیں موت اس حال میں آنی چاہیے کہ تم مُسْلِمُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہو۔ یہاں ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولادوں پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق تم نے بھی ایک دن اس دنیا کو چھوڑ دینا ہے۔ اس لیے وصیت بھی موت کے حوالے سے کی گئی ہے۔
- ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ﴾ میں اَمْ عاطفہ یا بمعنی بل، كُنْتُمْ فعل ناقص اور اس میں موجود ضمیر مرفوع اس کا اسم ہے جب کہ شُهَدَآءَ اس کی خبر منصوب ہے جو شاهد کی جمع ہے یعنی حاضر ہونے والے۔ شُهَدَآءَ میں الف تانیث کا ہے جس کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے۔ اِذْ ظرف مبنی يَعْقُوْبَ مفعول اور اَلْمَوْتُ فعل ماضی واحد مذکر غائب حَضَرَ کا فاعل ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب یعقوب کی موت کا وقت آیا، تو کیا تم وہاں موجود تھے؟
- ﴿مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ﴾ میں مَا استفہامیہ ہے، تَعْبُدُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر مِنْ حرف جر بَعْدِيْ سے مراد بَعْدِ مَوْتِيْ ہے۔ یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں سے یہ سوال تھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟
- ﴿اِلٰه﴾ سے مراد وہ معبود حقیقی ہے جس کی ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد عبادت کرتی تھی۔
- ﴿اُمَّةٌ﴾ سے مراد یہاں جماعت یا لوگ ہیں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿135﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ

"اور انہوں نے کہا: یہودی یا نصرانی بن جاؤ، ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ تم کہہ دو: ہم تو ابراہیم حنیف (علیہ السلام) کے طریقے کی اتباع کریں گے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ تم کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا، اس پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق،

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (136) فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (137) صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (138)

یعقوب اور ان کی اولادوں کی طرف نازل کیا گیا اور جو عیسیٰ و موسیٰ اور تمام نبی اپنے رب کی طرف سے دیئے گئے۔ (اس پر بھی ہمارا ایمان ہے) ہم ان میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ اگر وہ (اہل کتاب وغیرہ) اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو تو پھر وہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اور اگر منہ پھیر لیں تو وہ بے شک مخالفت میں ہوں گے۔ اور اللہ عنقریب ان سے آپ کو کفایت کرے گا۔ اور وہ سننے جاننے والا ہے۔ اللہ کے دین کو لازم رکھو۔ دین کی دولت (عطا کرنے) میں اللہ سے بڑھ کر اچھا کون ہوسکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔“

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہود و نصاریٰ کے عقائد باطلہ کا رد کرنے کا بہترین طریقہ اہل اسلام کو بتایا گیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر (ص ۶۴۴) کتاب الاعتصام (ص ۱۰۹۴) کتاب التوحید (ص ۱۱۲۵) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اہل کتاب عبرانی میں توراۃ پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی میں بیان کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ وَ لَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا))

”اہل کتاب کی تصدیق و تکذیب مت کرو بلکہ کہو کہ ہم اللہ اور جو کچھ نازل کیا گیا، اس پر ایمان لائے۔“

تفسیر قرطبی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے سوال کیا کہ آپ کن کن نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ ان کے جواب میں ان آیات کا نزول ہوا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تو کہنے لگے کہ ہم ان پر اور جو ان پر ایمان رکھے، ان کی باتیں تسلیم نہیں کریں گے۔ ان کی سمجھ میں اتنی سی بات نہ آئی کہ نبیوں میں سے کسی نبی کا انکار حقیقت میں تمام انبیاء اور اللہ کا انکار ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی اللہ تعالیٰ کا پیغامبر ہوتا ہے۔

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًاo اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًاo﴾ (النساء:۱۵۰،۱۵۱)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے اور بعض کا ہم نے انکار کیا اور ان کا ارادہ ہے کہ اس کے درمیان والی راہ اختیار کریں۔ وہی لوگ حقیقی کافر (یعنی انکار کرنے والے) ہیں اور ہم نے کفار کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اس کے برعکس تمام نبیوں پر ایمان رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بشارت یوں دی:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo﴾ (النساء:۱۵۲)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہ کیا، عنقریب اللہ ان کو ان کے اجر سے نوازے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اہل ایمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے آخر میں خود ہی ارشاد فرمایا:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ o﴾ (البقرة:۲۸۵)

''رسول (ﷺ) اور سب اہل ایمان اس پر ایمان لائے جو رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔ یہ سب لوگ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ (انہوں نے اعلان کر دیا کہ) ہم رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کریں گے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی بہترین صفت بیان ہوئی ہے اور امت محمدیہ کے لیے یہ بہترین نمونہ ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے ایمان کی یہی صورت ہو۔

مذکورہ آیات میں ہدایت یافتہ ہونے کے لیے یہ قانون بھی بیان کر دیا گیا کہ جس طرح صحابہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے، جب تک اسی طرح کا ایمان نہ لایا جائے گا، ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دی کہ غیر مسلم اگر اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہیں تو ان کی ہر قسم کی مخالفت اور تدابیر سے اللہ تعالیٰ آپ کو کفایت کرے گا۔ آپ ﷺ کے ذریعے امتِ محمدیہ کو بھی قیامت تک کے لیے یقین دہانی کرائی گئی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ایمان مضبوط ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر یقین ہو۔

تفاسیر میں منقول ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو ساتویں دن پانی میں ڈبکی لگوا کر یہودی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصرانی بنایا کرتے تھے، نصرانی جس پانی میں اپنے بچوں کو غوطہ دیا کرتے تھے۔اس کو "معمودیہ" کہا جاتا تھا۔
اللہ تعالیٰ نے بچوں کو رنگ دار پانی میں غوطہ دینا ہی دین نہیں بنایا بلکہ اصل دین اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا تابع اور فرماں بردار بنانا ہے۔اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں پر ان کی امتوں کی رشد وہدایت کے لیے جو کچھ نازل فرمایا، اس کو حق اور سچ سمجھنا ہے۔نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرتے ہوئے اللہ کے دین کی مخالفت سے بچنا ہے۔اللہ تعالیٰ کا دین وہی ہے جو تمام نبیوں کو دیا گیا اور انہوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی اپنی امت کے لیے نمونہ پیش کیا۔آج بھی اصل دین وہ ہے جو سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچا۔جس طرح آپ نے اس کے مطابق عمل کیا اسی طرح ہمیں بھی عمل کرنے کی ضرورت ہے۔اسی میں ہماری فلاح اور کامیابی ہے۔

حلّ لغات:

- ﴿هُودًا﴾ سے مراد یہودی۔﴿نَصَارٰی﴾ سے مراد عیسائی ہیں۔
- ﴿قُلْ﴾ فعل امر حاضر سے صیغہ واحد مذکر۔
- ﴿بَلْ﴾ حرفِ اِضراب ہے جو پہلی چیز سے اعراض اور دوسری چیز کے اثبات کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔
- ﴿مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ مرکب اضافی ہے۔اس سے مراد ابراہیم علیہ السلام کا دین اور دین پر عمل کرنے کا طریقہ ہے۔
- ﴿حَنِيْفًا﴾ سے مراد ہر قسم کی گمراہی سے بچنے والے اور تمام ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر صرف رب حقیقی کی اطاعت کرنے والے تھے۔حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔یہاں مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ سے پہلے نَتَّبِعُ محذوف ہے۔یعنی آپ کہہ دیں کہ ہم ابراہیم حنیف علیہ السلام کے طریقے کی اتباع کریں گے۔
- ﴿اُنْزِلَ﴾ فعل ماضی مجہول سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔اس سے پہلے مَا موصولہ ہے۔دونوں کا معنی ہے: جو نازل کیا گیا۔
- ﴿الْاَسْبَاطِ﴾ السِبط کی جمع ہے اور اس سے مراد بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی اولادوں میں سے وجود میں آنے والے وہ خاندان، قبائل اور گروہ ہین جو اپنے آباء و اجداد کے دین حنیف پر قائم رہے۔
- ﴿مُوْسٰى وَعِيْسٰى﴾ دونوں ایسے اسم ہیں کہ حالت رفعی، حالت نصبی اور حالت جری میں ان کے اعراب میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، ان کا اِعراب تقدیری (پوشیدہ) ہوتا ہے۔
- ﴿مَآ اُوْتِيَ﴾ میں مَا موصولہ اور اُوْتِيَ باب افعال سے فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب ہے۔
- ﴿مُوْسٰى، عِيْسٰى اور النَّبِيُّوْنَ﴾ اس کا نائب فاعل ہے۔اس کا معنی ہے: جو کچھ موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر نبی نے وہی کچھ کہا جس کا اس کو حکم دیا گیا۔کسی نبی کو اختیار نہ تھا کہ اپنی طرف سے شریعت میں کوئی ردو بدل کر لیتے۔
- ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ میں لا نفی کا، نُفَرِّقُ باب تفعیل سے فعل مضارع کا صیغہ جمع متکلم ہے، بَيْنَ۔ اَحَد اسم عدد، مِنْ حرف جر اور هُمْ ضمیر انبیاء علیہم السلام کی طرف راجع ہے۔جملے کے معنی ہیں: ہم ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے کسی کے بارے کوئی تفریق نہیں کرتے۔ یعنی ہم نہ صرف ان سب کو حق سمجھتے ہیں بلکہ ان پر جو کچھ نازل کیا گیا یا جو کچھ وہ دیئے گئے، اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔

❁ ﴿شِقَاق﴾ سے پہلے فی حرف جر ہے اور اس کی وجہ سے شقاق مجرور ہے۔ اس کی اصل شق ہے اور اس سے مراد کسی چیز کی ایک جانب یا حصہ ہوتا ہے۔ جب کوئی جماعت شقاق کا شکار ہوتی ہے تو اس کے افراد ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہوئے جھگڑنے لگ جاتے ہیں۔

❁ ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ﴾ میں فَ رابطے کی، سَ جب مضارع پر داخل ہو تو معنی مستقبل قریب میں کر دیتی ہے۔ يَكْفِي فعل مضارع واحد مذکر غائب، كَ، ضمیر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے، جب کہ هم ضمیر یہود و نصاریٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لفظ اللہ يَكْفِي کا فاعل اور دونوں ضمیریں اس کی مفعول ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: پس اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے کفایت کرے گا۔

❁ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ مرکب اضافی ہے اور اس سے پہلے الزموا محذوف ہے۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے دین کو لازم رکھو۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿139﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿140﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿141﴾	"(ان سے) کہو: کیا تم ہم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو جب کہ وہ ہمارا اور تمھارا رب ہے، اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہوں گے اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہوں گے، اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہیں۔ (یعنی اخلاص سے اس کی عبادت کرنے والے ہیں) کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحق، یعقوب اور ان کی اولادیں یہودی یا نصرانی تھے۔ (ان سے) پوچھو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہادت ہو اور وہ اس کو چھپائے، اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔ یہ ایک امت ہے جو گزر چکی ہے۔ ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو انھوں نے کمایا اور تمہارے لیے (بھی) وہی کچھ ہوگا جو تم نے کمایا اور تم سے اس کے بارے میں سوال نہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ذریعہ آپ کی امت کے علماء کو یہود و نصاریٰ سے دین کے معاملے میں بات کرنے کا بہترین انداز بتایا ہے۔ جھگڑے میں پڑنے کی بجائے ان سے بنیادی نکتہ پر گفتگو ہونی چاہیے کہ جب ہمارا اور تمہارا رب ایک ہے بلکہ کل کائنات کا وہی خالق و مالک ہے تو اس کے بارے میں اختلاف رکھنے یا جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس رب کی طرف سے تمام انبیاء و رسل مبعوث ہوئے، اسی نے محمد ﷺ کو قیامت تک کے لیے اپنی مخلوق کی رشد و ہدایت کے لیے بھیجا۔ اسی رب العالمین نے اپنے آخری نبی کی خبر توراۃ و انجیل میں دی جس سے یہود و نصاریٰ اچھی طرح واقف تھے۔ لیکن ان کے مفادات آڑے آئے اور حق کو قبول کرنے سے وہ محروم رہے۔ سورۂ اعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾ (الاعراف:۱۵۷)

”جو لوگ اتباع کرتے ہیں اُس رسول کی جو نبی امی ہے، جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرۃ: ۱٤٦)

”وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے کتاب دی، وہ انھیں (محمد ﷺ کو) اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور ان میں ایک ایسا فریق بھی ہے کہ جانتے ہوئے بھی حق کو چھپاتے ہیں۔“

﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ (البقرۃ:۱٤۷)

”یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔“

یعنی ایسے لوگوں سے آپ نے الگ ہی رہنا ہے۔ آپ کی مزید تسلی کے لیے سورۃ البقرۃ ہی میں فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (البقرۃ: ۲۵۸)

”تم نے وہ شخص نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے بادشاہت سے نواز رکھا تھا۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو اس کو مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔ پس کافر حیران ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوا کہ جھگڑالو سے جھگڑا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ معاملہ الجھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین رہنمائی یہ دی گئی کہ اس سے کہا جائے اگر حق تمھیں قبول نہیں تو تم نے اپنے اعمال کا حساب و جواب دینا ہے اور ہم اپنے اعمال کے بارے مسئول ہوں گے۔ رہی بات ہماری تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں خالص بندگی کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

یہود و نصاریٰ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولادیں یہودی یا نصرانی تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے خلاف ان کا پہلے بھی گٹھ جوڑ ہوتا رہا ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام یہود کے نزدیک نبی نہ تھے۔ آج بھی وہ ان کی نبوت تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اسلام کے خلاف دونوں کھل کر میدان میں آچکے ہیں۔ کیونکہ دونوں کا مفاد ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل دعوے کا خود ہی جواب دیا کہ اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کے بارے تم زیادہ علم رکھتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ جو ان کو پیدا کرنے والا اور انھیں نبوت و رسالت دینے والا تھا۔ جس کا پیغام انھوں نے اس کی مخلوق تک پہنچایا اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ظلم کو بھی اجاگر کردیا جو انھوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر شہادت کو چھپانے کی وجہ سے کیا۔ انسان کی کمزوری ہے کہ اپنے جیسے انسانوں سے دھوکہ دے کر وہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی دھوکہ بازی سے آگاہ نہیں ہو پائے گا۔ منافقوں کے بارے سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (النساء:۱۴۲)

''وہ اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انہی کے دھوکے میں مبتلا کردیا ہے۔''

سورۂ بقرہ میں واضح کردیا گیا:

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (البقرة:۹)

''وہ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ وہ جانتے نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ہی دھوکے میں مبتلا کر رہے ہیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ وہ ان کے ہر قول و فعل سے اچھی طرح باخبر ہے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اس سے وہ غافل نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ لوگوں نے اپنا اپنا حساب دینا ہے، دنیا میں جو کچھ کریں گے، اسی کے مطابق جزا یا سزا ملے گی۔ کسی کے بارے، کسی سے کوئی سوال نہ ہوگا اور نہ کسی کا بوجھ کسی دوسرے پر ڈالا جائے گا اور نہ ہی کسی سے کوئی سوال ہوگا اور نہ کسی کا بوجھ کسی دوسرے پر ڈالا جائے گا اور نہ کوئی کسی کا بوجھ اٹھائے گا۔ ہر کوئی اپنے ہی بارے فکرمند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس دن کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھے۔

حلِّ لغات:

❁ ﴿ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ ﴾ میں قُلْ فعل امر حاضر سے صیغہ واحد مذکر، أ ہمزہ استفہامیہ، تُحَاجُّوْنَ باب مفاعلہ سے فعل مضارع جمع مذکر حاضر، نَا ضمیر جمع متکلم کی، فی حرف جر اور لفظ اللّٰه مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: کہہ دو! کیا تم

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم سے اللہ کے بارے جھگڑا کرتے ہو۔ ﴿وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ واؤ عاطفہ، نَحْنُ ضمیر مرفوع منفصل، لَ حرف جر اور ہٗ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع، مُخْلِصُوْنَ مخلص کی جمع ہے، جو باب افعال سے اسم الفاعل ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی خالصتاً عبادت کرنے والے ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: ہم اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنے والے نہیں۔ ہم صرف اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔

- ﴿كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ میں کَانُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ہے اور یہ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ فعل ناقص وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ فاعل کے ملنے سے جملہ نہیں بنتا، بلکہ فاعل کی صفت بیان کرنے کی ضرورت رہتی ہے اس کے فاعل کو اسم اور اس کی صفت کو خبر کہتے ہیں۔ فعل کَانَ کا خاصہ ہے کہ اپنے اسم کی خبر کو ماضی میں ثابت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں کَانُوْا کا اسم اس میں پوشیدہ ضمیر (هُمْ) ہے جو اِبْرٰهٖمَ، اسْمٰعِيْلَ، اِسْحٰقَ، يَعْقُوْبَ، اور اَلْاَسْبَاط کی طرف راجع ہے۔ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى اس کی خبر ہے۔ یعنی مذکورہ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے۔ یہ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا جو غلط تھا۔
- ﴿قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾ محمد رسول ﷺ سے یہود و نصاریٰ کو خطاب کرواتا ہے کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام کے بارے تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ تعالیٰ؟
- ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ میں مَنْ استفہامیہ ہے، مِمَّنْ میں مِنْ حرف جر اور مَنْ موصولہ ہے کَتَمَ فعل ماضی واحد مذکر غائب اور شَهَادَةً اس کا مفعول ہے، عِنْدَ ظرف مبنی اور ہٗ ضمیر مِمنْ کے مَنْ کی طرف راجع ہے۔ مِنْ حرف جر اور لفظ اللہ مجرور ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اس گواہی کو چھپایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس ہے۔
- ﴿وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ سے واضح کر دیا گیا کہ جو تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔
- ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ میں تِلْکَ اسم اشارہ، اُمَّةٌ مشار الیہ، قد حرف تحقیق، خَلَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب، جملے کے معنی ہیں: یہ امت گزر چکی ہے۔
- ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾ لَهَا اور لَکُمْ میں لام حرف جر ہے جب کہ هَا ضمیر مجرور متصل اُمَّةٌ کی طرف راجع ہے اور کُمْ مخاطب کی ضمیر ہے۔ مَا موصولہ، کَسَبَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب اور کَسَبْتُمْ جمع مذکر حاضر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو انھوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم نے کمایا۔ آخر میں قانون بیان کر دیا گیا۔
- ﴿وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ تُسْـَٔلُوْنَ باب فَتَحَ سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ کَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ماضی استمراری سے صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ جملے کے معنی یہ ہیں: جو وہ کیا کرتے تھے، اس کے بارے تم سے سوال نہیں ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ
عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ
الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿142﴾ وَ كَذٰلِكَ
جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ
شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ
عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ
يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً
اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ﴿143﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ
فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
يَعْمَلُوْنَ ﴿144﴾

''عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے: جس قبلہ پر یہ تھے اس سے ان کو کس چیز نے پھیر دیا۔ آپ کہہ دیں: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلا دیتا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے۔ اور جس قبلہ پر آپ پہلے تھے اس پر ہم نے اس لیے آپ کو کیا تاکہ ہم جان لیں کہ کون اِس رسول (ﷺ) کی اتباع کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر پھر جاتا ہے۔ اور درحقیقت یہ بات بڑی گراں تھی مگر اُن پر (نہیں) جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نواز دیا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت کرنے والا، مہربان ہے۔ آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف بار بار اٹھتے ہوئے ہم نے دیکھ لیا۔ پس ہم آپ کو آپ کی پسند کے قبلہ کی طرف ضرور کر دیں گے۔ پس آپ اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف کر لیں۔ اور (مسلمانو!) تم جہاں بھی ہو وہاں سے اپنے چہروں کو اس طرف کر لو۔ بے شک جو لوگ کتاب دیے گئے وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اور جو وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں قبلہ کی تبدیلی کا ذکر ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں براء رضی اللہ عنہ بن عازب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس کی طرف چہرہ مبارک کر کے سولہ یا سترہ مہینے نمازیں پڑھیں۔ لیکن آپ کی خواہش تھی کہ بیت اللہ کو آپ کا قبلہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ آپ کی خواہش کے مطابق قبلہ تبدیل ہو گیا تو آپ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نمازِ عصر نئے قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی جس نے آپ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ اس کا گزر اہل قبا کی ایک مسجد کے پاس سے ہوا جس میں نمازی رکوع کی حالت میں تھے۔ اس آدمی نے آواز بلند کہا کہ میں اللہ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی کریم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ اس آدمی کی آواز سن کر رکوع ہی کی حالت میں اس مسجد کے نمازی بیت اللہ کی طرف ہوگئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جن کی شہادت یا موت اس تبدیلی سے پہلے واقع ہوچکی تھی۔ جب ان کی نمازوں کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان خیال آرائیاں ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيمَانَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (البقرة:١٤٣)

''اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر بڑا شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔'' (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالى ﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ...... ﴾ (حديث:٤٤٨٦)

یہاں بڑا ہی لطیف نکتہ بیان ہوا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سوچ بچار ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ بیت اللہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نمازیں پڑھی تھیں، کیا ان نمازوں کا اجر ان کو ملے گا یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سوچ و بچار کے جواب میں نمازوں کی بجائے ایمان کا ذکر فرمایا۔ یعنی سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ ان کے حکم کے مطابق عمل کیا اور پوری ایمان داری کے ساتھ ان کا ساتھ دیا۔ ان کو ان کے ایمان کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ اس میں سے کچھ بھی ضائع نہیں جائے گا۔ جو اللہ اپنی عام مخلوق کے لیے مشفق و مہربان ہے وہ اپنے اطاعت گزار بندوں کے ساتھ شفقت کیوں نہیں کرے گا۔ ان کی نمازوں کے اجر ضائع نہیں کرے گا۔ لطیف نکتے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ قبلہ تبدیل کر دیا جائے۔ زبان سے اظہار نہیں کیا۔ نیتوں اور دلوں کی باتوں کو جاننے والے نے آپ کی خواہش پوری کر دی۔ لہٰذا ہمیں ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے نمونہ کو سامنے رکھنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق قبلہ کی تبدیلی کے ساتھ آپ کو بھی شرف حاصل ہوا کہ آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بہترین امت بنا دیا۔ اس کے ساتھ یہ اعزاز بھی عطا کر دیا گیا کہ امت محمدیہ ﷺ قیامت کے روز دوسری امتوں پر گواہ ہوگی اور ہادی برحق اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔

صحیح بخاری میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا۔ وہ لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ کہتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے میرا پیغام میری مخلوق تک پہنچایا؟ وہ عرض کریں گے: میں نے پہنچایا۔ ان کی امت سے سوال ہوگا۔ کیا نوح علیہ السلام نے میرا پیغام تم تک پہنچایا؟ امت صاف انکار کر دے گی کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا: نوح! تیرے بارے میں کون گواہی دے گا کہ تم نے میرا پیغام پہنچایا؟ نوح علیہ السلام عرض کریں گے۔ میرے بارے میں محمد ﷺ اور ان کی امت گواہی دے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی۔ چنانچہ امت محمدیہ نوح علیہ السلام کے حق میں گواہی دے گی۔" (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ......﴾ (حدیث:٤٤٨٧)

اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ مدینہ طیبہ آ کر بیت المقدس کو قبلہ بنانا۔ پھر سولہ سترہ ماہ گزر جانے کے بعد اس کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا دینا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو آزمائش کا ایک ذریعہ بنایا تاکہ رسول اللہ کی اتباع اور مخالفت کرنے والے میں تمیز ہو سکے۔ اتباع کا حق انہوں نے ادا کیا جنھوں نے ایک سچے مسلمان کی گواہی پر نماز میں ہی اپنا رخ نئے قبلے کی طرف کر لیا اور مخالفت کرنے والوں نے اعتراض کر دیا۔ حالانکہ نبی برحق اور ان کی تعلیمات کے بارے میں اہل کتاب کو اچھی طرح علم تھا۔ لیکن اسلام دشمنی ان کو لے ڈوبی۔

تفسیر قرطبی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْبَيْتُ قِبْلَةٌ اَهْلِ الْمَسْجِدِ وَ الْمَسْجِدُ قِبْلَةٌ اَهْلِ الْحَرَامِ وَالْحَرَامُ قِبْلَةٌ لِاَهْلِ الْاَرْضِ فِیْ مَشَارِقِهَا وَمَغَارِبِهَا مِنْ اُمَّتِیْ))

"میری امت کے لیے بیت اللہ مسجد حرام کے اندر نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ ہے اور اہل حرم کے لیے پوری مسجد قبلہ ہے اور مشارق و مغارب میں رہنے والوں کے لیے پورا حرم قبلہ ہے۔"

یعنی جہت کے تعین میں آسانی پیدا کر دی گئی۔ غیر معمولی حالات میں یعنی دشمن کے خلاف جنگ کرنے والوں کو اجازت دے دی گئی کہ جنگ کے دوران جس طرف بھی منہ ہو اسی طرف نماز پڑھ لی جائے۔ نماز کی پابندی قائم رہی لیکن جہت میں وسعت ہوگئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بہترین امت بنا دے۔

حل لغات:

- ﴿السُّفَهَآءُ﴾ السَّفِيْهُ کی جمع ہے اور "اس سے مراد کم عقل لوگ ہیں۔" ﴿مِنَ النَّاسِ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے قبلہ تبدیل ہونے پر معترض تھے۔ ان میں سے زیادہ تر یہود تھے۔ استہزاءً منافق اور مشرک بھی ان کے ساتھ تھے۔
- ﴿صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ مرکب توصیفی اپنے ماقبل حرف جر الی کی وجہ سے مجرور ہے۔ اس سے مراد وہ راہ ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ ہو۔ یعنی للہ تعالیٰ کی طرف جانے والی سیدھی راہ۔
- ﴿اُمَّةً وَّسَطًا﴾ بھی مرکب توصیفی ہے۔ اس سے مراد بہترین امت یعنی امت محمدیہ ہے۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران:١١٠)
"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی۔ تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"
- ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ میں تَكُوْنُوْا فعل ناقص مضارع جمع مذکر غائب۔ لام کی وجہ سے آخر میں نون گری ہوئی ہے۔ شھداء اس کی خبر ہے بہترین امت بنانے کی یہاں وجہ بیان کر دی ہے کہ تم قیامت کے روز

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری امتوں کے لوگوں پر گواہی دو۔

❁ ﴿وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ اور رسول تم پر گواہ ہو۔

❁ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ واؤ عاطفہ۔ کان فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب لفظ اللہ اس کا اسم لِيُضِيعَ میں لام علت کا يُضِيعَ فعل مضارع واحد مذکر غائب ایمان اس کا مفعول کم ضمیر ہدایت یافتہ مومنوں کی طرف راجع ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر کان کی خبر ہے۔ جملے کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ یہاں نمازوں کو ایمان کہا گیا ہے۔

❁ ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اللہ اسم، بِ حرف جر، الناس مجرور، لام تاکید کا رَءُوفٌ رَّحِيمٌ مرکب توصیفی۔ جملے کے معنی ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑا ہی شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

❁ ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ قَدْ تحقیق کا نَرٰى فعل مضارع جمع متکلم تَقَلُّبَ. تَقَلَّبَ يَتَقَلَّبُ سے مصدر ہے۔ وجھک میں کاف ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور یہ مضاف مضاف الیہ مل کر تَقَلُّبَ کا مضاف الیہ ہے۔ پھر یہ جملہ نرىٰ کا مفعول بنتا ہے۔ فی حرف جر۔ السَّمَاءِ مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم نے دیکھ لیا ہے۔

❁ ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾ میں فائے رابطہ۔ لام تاکید کا نُوَلِّيَنَّ فعل مضارع جمع متکلم کے آخر میں نون ثقیلہ۔ کاف ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے اور خطاب بھی آپ سے ہو رہا ہے۔ قِبْلَةً مفعول۔ تَرْضٰى فعل مضارع واحد مذکر حاضر اور ھا ضمیر قِبْلَةً کی طرف راجع ہے۔ عربی گرامر کی رو سے جب فعل مضارع کے آغاز میں لام تاکید اور آخر میں نون ثقیلہ آ جائے تو مستقبل میں اس فعل کا واقع ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جملے کے معنی ہیں: آپ جس قبلہ کو پسند کر رہے ہیں، اس کی طرف ہم آپ کو ضرور کر دیں گے۔

❁ ﴿شَطْرَ﴾ سے مراد کسی شے کا نصف ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ ((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ)) (سنن الدارمی) وضو کرنا نصف ایمان ہے۔ یہاں ﴿شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ سے مراد مسجد حرام کی جہت ہے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿145﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

''اور اگر ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی، آپ تمام دلائل بھی دیں تو بھی وہ آپ کے قبلے کی طرف منہ نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی طرف منہ کریں گے اور نہ بعض ان کا بعض کے قبلے کی طرف منہ کرے گا اور اپنے پاس علم آنے کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بے شک آپ ضرور ناانصافوں میں سے ہو جائیں گے۔ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَبْنَآءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿146﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿147﴾ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿148﴾	اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق ایسا ہے جو حق کو جانتے ہوئے بھی اس کو چھپاتا ہے۔حق آپ کے رب کی طرف سے ہے، پس آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔اور ہر ایک کے لیے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ منہ کرنے والا ہے۔ پس (اے مسلمانو!) تم بھلائی اور نیکی کے کاموں میں سبقت لے جاؤ۔ جہاں بھی تم ہوگے، اللہ تعالیٰ تم کو وہاں سے لے آئے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہود و نصاریٰ کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہوا ہے۔سیدالانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت و بعثت کے بارے آگاہ ہونے کے باوجود انہوں نے ڈٹ کر آپ کی مخالفت کی۔حق کو چھپایا اور ٹھکرایا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ اور آپؐ کے ذریعے آپ کی امت کو تسلی دی کہ ان کا رویہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے اور رہے گا۔لہٰذا انہوں نے آپ کو بہکانے اور ورغلانے کی بہت کوشش کرنی ہے اور ان کی ہمیشہ یہی خواہش ہوگی کہ آپ ان کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے حق سے دور ہو جائیں۔سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴾(البقرۃ:۱۲۰)

''یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے طریقے کی اتباع نہ کریں۔آپ کہہ دیں کہ بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔آپ کے پاس جو علم آچکا ہے اس کے بعد آپ نے اگر ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مولیٰ و مددگار نہ ہوگا۔''

قرآن حکیم کا یہ اعلان قیامت تک کے لیے ہے۔موجودہ دور میں اس اعلان پر غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ دنیا بھر میں اہل اسلام پر ظلم کیوں ہو رہا ہے اور نصرت الٰہی کا نزول کیوں نہیں ہو رہا ہے۔اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی حقیقی ہدایت کو اپنانے کی بجائے یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کر رہی ہے۔حالانکہ جن پر اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا اور ان کو ملنے والا دین مکمل کر دیا، ان کو واضح طور پر فرما دیا تھا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کو ملنے والے علم کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر آپ نے یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی اتباع کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کا کوئی مولا و مددگار نہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ و مجتبیٰ ﷺ کے لیے یہ قانون بنا دیا تو ان کی امت پر کیوں جاری نہ ہوگا۔

اہل کتاب اور ان جیسے لوگوں کے بارے اللہ تعالیٰ کا اپنا اعلان ہے۔ سورۂ انعام اور سورۂ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ﴾(الانعام:۲۵، الاعراف:۱۴۶)

''خواہ وہ ہر نشانی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔''

سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝﴾(یونس:۹۶،۹۷)

''بے شک جن پر آپ کے رب کے کلمات حق ہو چکے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے خواہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے۔ ایسے لوگ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔''

سورۃ انعام میں مزید وضاحت یوں ہوتی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ (الانعام:۲۰)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اُس (پیغمبر) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا، پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾(الانعام:۲۱)

''اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیات کو جھٹلایا، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔''

قبلے کی تبدیلی کے بارے میں اہل کتاب جانتے تھے کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے۔ لیکن اپنی خصلتِ بد کی بنا پر قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ تفسیر قرطبی میں منقول ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سلام سے ایک موقع پر پوچھا کیا آپ محمد ﷺ کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹے کو جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں! بلکہ اپنے بیٹے سے بھی زیادہ ان کو جانتا اور پہچانتا ہوں۔

((بَعَثَ اللّٰهُ اَمِيْنَهٗ فِيْ سَمَآئِهٖ اِلٰى اَمِيْنِهٖ فِيْ اَرْضِهٖ بِنَعْتِهٖ فَعَرَفْتُهٗ))

اللہ تعالیٰ نے اس کو جو اس کے آسمان میں اس کا امین ہے۔ اس کی طرف بھیجا جو اس کی زمین میں اس کا امین ہے۔ ایسی صفات کے ساتھ بھیجا جن کو میں جانتا ہوں۔ ((وَابْنِيْ لَا اَدْرِيْ مَا كَانَ مِنْ اُمِّهٖ)) حالانکہ میں نہیں جانتا کہ میرا بیٹا اپنی ماں ہی سے ہے۔ یعنی بیٹے کے بارے میں شک ہوسکتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے وہ آپ کو پہلی مرتبہ دیکھتے ہی آپ پر ایمان لے آئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسد الغابۃ (۳/ ۲۶۵) میں انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو لوگ آپ کو دیکھنے کے لیے نکلے۔ میں بھی ان میں ایک تھا۔ جب میں نے آپ کا چہرہ مبارک دیکھا تو میں نے اسی وقت جان لیا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے آپ کی پہلی گفتگو جو سنی وہ یہ تھی۔

''لوگو! آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔ یعنی ایک دوسرے کو سلامتی کا تحفہ دو۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو اور جب لوگ رات میں سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو۔ ایسا کرو گے تو تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا ہی پیغام ہے کہ بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے کے لیے کوشاں ہو جاؤ۔ رہی بات یہ کہ نافرمانوں کا انجام کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کی مخلوق جہاں جہاں ہوگی، قیامت کے واقع ہونے کے بعد ان کو میدان حشر میں جمع کرے گا۔ اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں طاغوتی طاقتوں کی خواہشات کی پیروی کرنے سے محفوظ رکھے اور اس علم کے تحت زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا، جسے اللہ تعالیٰ نے حقیقی ہدایت قرار دیا۔

حل لغات:

- ﴿وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ﴾ میں واو عاطفہ، لام تاکیدی، اِنْ حرف شرط، اَتَیْتَ فعل ماضی واحد مذکر حاضر، اَلَّذِیْنَ اسم موصول اَلَّذِیْ کی جمع، اُوْتُوْا فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب، اَلْکِتٰبَ مفعول، کُلِّ اٰیَةٍ مرکب اضافی حرف جر کا مجرور ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اگر آپ ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تمام دلائل بھی دیں۔
- ﴿ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ ﴾ میں مَا نافیہ، تَبِعُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ۔ قِبْلَتَکَ میں کاف ضمیر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور یہ مرکب تَبِعُوْا کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ''وہ آپ کے قبلے کی طرف منہ نہیں کریں گے۔'' اور یہ جملہ جوابِ شرط ہے۔
- ﴿بتابع﴾ میں ب حرف جر اور تَابِع تَبِعَ یَتْبَعُ سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد اتباع کرنے والا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں قبلہ کے حوالے سے آیا ہے۔ یعنی اگر وہ آپ کے قبلہ کی طرف منہ نہیں کریں گے تو آپ بھی ان کے قبلہ کی طرف منہ نہیں کریں گے۔
- ﴿ اَھْوَآءَھُمْ﴾ میں ھُمْ ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹتی ہے اور اَھْوَاء ھَوٰی کی جمع ہے۔ اس سے مراد ان کی نفسانی خواہشات ہیں۔
- ﴿اِذًا﴾ جواب و جزا اور نتیجے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
- ﴿لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ الظّٰلِمِیْنَ الظَّالِم کی جمع ہے۔ اس سے پہلے مِنْ حرف جر پر لام تاکید ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تنبیہ فرمائی کہ آپ کے پاس جو علم آچکا ہے اگر اس کے بعد بھی آپ نے اہل کتاب کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ ضرور ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔
- ﴿یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ﴾ میں یَعْرِفُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب اَبْنَاءَ ھُمْ میں ضمیر ھُمْ اہل کتاب کی طرف راجع

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اَبْنَاءَ ابن کی جمع ہے اور یہ یَعْرِفُوْنَ کا مفعول ہے اور اس جملے سے پہلے کہا ہے۔ یعنی اہل کتاب محمد رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

- ﴿لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ میں یَکْتُمُوْنَ اور یَعْلَمُوْنَ دونوں فعل مضارع جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ اَلْحَقَّ فعل یَکْتُمُوْنَ کا مفعول ہے۔ واؤ حالیہ اور ھُمْ سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اہل کتاب کے ایک فریق کی اس جملے کے ذریعہ مذمت کی گئی ہے کہ وہ حق کو جانتے ہوئے بھی چھپاتے ہیں۔ یعنی جان بوجھ کر حق کو ٹھکراتے ہیں۔
- ﴿اَلْحَقُّ﴾ سے یہاں مراد قبلہ کی تبدیلی ہے۔
- ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ میں اَلْمُمْتَرِيْنَ، اَلْمُمْتَرِیْ کی جمع ہے۔ جو اِمْتَرٰی یَمْتَرِیْ سے اسم فاعل ہے۔ اَلْمِرْيَةُ اس کا مصدر ہے۔ کسی معاملے میں شک کرنے والے کے لیے یہ اسم استعمال ہوتا ہے۔ اس جملے کے ذریعے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ کے رب کی طرف سے جو بات حق ہے، اس میں ہرگز آپ نے شک نہیں کرنا۔
- ﴿وِجْهَةٌ﴾ سے مراد جہت اور سمت ہے۔
- ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ میں اسْتَبِقُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر، اَلْخَیْرَاتِ اَلْخَیْرَۃ کی جمع ہے اور فَاسْتَبِقُوْا کا مفعول ہے۔ اس کا معنی ہے: بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کرو۔ یہ تمام مسلمانوں کو حکم ہوا کہ قبلہ کی تبدیلی کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نئے قبلے کی طرف منہ کرو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿149﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۤ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿150﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

''اور جہاں سے بھی آپ نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کر لیں اور بے شک آپ کے رب کی طرف سے یہ حق ہے، اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔ اور جہاں سے بھی آپ نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کر لیں اور (مسلمانو!) جہاں بھی تم ہو وہاں سے اپنے چہروں کو اس طرف کر لیا کرو تاکہ لوگوں کے لیے تم پر کوئی حجت قائم نہ ہو۔ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے ظلم کیا۔ پس تم لوگ ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ (اور یہ تحویلِ قبلہ کا حکم اس لیے ہوا ہے) تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ جس طرح ہم نے تم میں تمہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمھیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمھارا تزکیہ کرتا ہے اور تمھیں کتاب وحکمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿151﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿152﴾	کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو، میری ناشکری نہ کرنا۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو دوسری اور تیسری مرتبہ تاکیداً حکم ملا کہ تمام نمازوں میں مسجد حرام کی طرف اپنے چہروں کو رکھنا ہے۔ قبلے کی تبدیلی کا پہلا حکم رسول اللہ ﷺ کی خواہش اور چاہت کے احترام میں ہوا۔ دوسرا حکم پہلے حکم کی تائید میں اس وقت ملا جب یہود نے اعتراض کر دیا کہ مسلمانوں کو ان کے قبلۂ اول سے کس بات نے پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو جواب دیا کہ یہی حق ہے اور اہل کتاب حق کے بارے پوری طرح آگاہ ہیں لیکن مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت کو قبول نہ کیا تو وہ تبدیلیٔ قبلہ کیسے قبول کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی امت کو تسلی دی کہ جو حکم آپ کو دیا گیا ہے وہی حق ہے۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں بیت المقدس کی طرف چہرہ مبارک کر کے نماز پڑھا کرتے تھے تو اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ یہ کہتا ہے کہ "میں دین حنیف پر ہوں یعنی ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ لیکن چہرہ بیت المقدس کی طرف کر کے نماز پڑھتا ہے۔ آپ اور آپ کے صحابہ اور صحابیات نے نمازوں میں مسجد حرام کی طرف رخ کر لیا تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ابھی انہوں نے بیت اللہ کی طرف نمازیں پڑھنی شروع کر دی ہیں۔ عنقریب یہ ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ آئیں گے۔ لہٰذا تیسری مرتبہ اہل مکہ میں سے مشرکوں کی سوچ کی نفی کے لیے بیت اللہ ہی کو قبلہ بنائے رکھنے کا حکم ملا تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قبلے کی تبدیلی کا مقصد مسلمانوں کا شرک کی طرف لوٹنا نہیں، بلکہ بیت اللہ کی تعظیم و تکریم ہے اور دین وہی حق ہے جس پر مسلمان قائم ہیں۔

اہل کتاب اور مشرکوں کی شدید مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو حکم دیا کہ ان سے ڈرنا نہیں، بلکہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ہی کا ڈر تمہارے دلوں میں ہونا چاہیے، کیونکہ قیامت کے روز اسی کے سامنے پیش ہو کر ہر انسان نے اپنے کیے کا جواب دینا ہے۔ جزا یا سزا کا فیصلہ اسی نے کرنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا ہے وہ اپنے رب کے علاوہ ہر ایک سے بے خوف ہو جاتا ہے۔

سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ (الاحزاب:۳۹)

"جو لوگ اللہ کے پیغامات (اس کی مخلوق تک) پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں، وہ اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے اور اللہ ہی حساب لینے والا کافی ہے۔"

سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

جنگ احد کے بعد قبیلہ عبدالقیس کے آدمیوں کے ذریعے مشرکوں کی سرداری کرنے والے ابوسفیان نے جو پیغام رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانثاروں کو پہنچایا۔ اسے سن کر مومنوں کا جو ردعمل تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کا حصہ بنا دیا تا کہ قیامت تک امت محمدیہ اس سے راہنمائی حاصل کرتی رہے اور کفار کے خلاف کسی حال میں بھی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''وہ لوگ جنہوں نے ان سے (مومنوں سے) کہا کہ بے شک دشمنی رکھنے والے لوگوں نے تم سے لڑنے کے لیے بہت کچھ جمع کر لیا ہے پس ان سے ڈر جاؤ۔''

دشمن کے اس پیغام نے مومنوں کو از روئے ایمان اور مضبوط کر دیا اور انہوں نے کہا: ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین وکیل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو یہ بشارت بھی دے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو اہل ایمان پر پورا کر دے گا سورۃ الملک میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴾ (الملك، ۱۲)

''بے شک جو لوگ اپنے رب سے بالغیب ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہوگا۔''

انسان اللہ تعالیٰ کے خوف کے تحت ہی ہدایت یافتہ ہوسکتا ہے۔

قبلے کی تبدیلی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت قرار دیتے ہوئے اپنے آخری نبی کریم محمد ﷺ کی بعثت کا حوالہ دیا۔ یعنی یہ بھی اس کی نعمت ہی تھی کہ اس نے تم ہی میں سے یعنی تمہاری جنس سے ایک ایسا رسول بھیجا جس نے تمہیں ہر قسم کی برائی اور پریشانی سے بچا لیا۔ تمہارے نفسوں کو پاک صاف کر دیا۔ کتاب وحکمت کی تعلیم سے تمہاری جہالت دور کر دی۔ اس نے تمہیں وہ کچھ سکھایا جس کے بارے تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل اسلام پر خاص فضل وکرم تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مجھے یاد کرتے رہا کرو۔ جب مجھے یاد کرو گے تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے:

''جب میرا بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو ایسی مجلس میں یاد کرتا ہوں جو اس کی مجلس سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے تو اس کی طرف میں دو ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔'' (صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله ﴿ و يُحَذِّرُكم الله نفسه ...... ﴾، حديث: ۷۵۰۵ / صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الذكر والدعاء حديث: ۲۶۷۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: اَنَا مَعَ عَبْدِيْ مَاذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ. اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر کے لیے اس کے ہونٹوں میں حرکت آتی ہے تو میں اپنے بندے کے پاس ہوتا ہوں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ بندہ اس سے جو چاہتا ہے وہ اس کو عطا فرماتا ہے۔

ساتھ ہی یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ میرا شکر کرتے رہنا۔ ناشکری کے مرتکب نہ ہونا کیونکہ ناشکری کفر ہے۔ سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَايَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴾ (النساء:۱۴۷)

”اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا جب تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ اللہ قدردان، جاننے والا ہے۔“

تفسیر ابن کثیر میں زید بن اسلم کے حوالے سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہ میں عرض کیا:

((يَا رَبِّ كَيْفَ اَشْكُرُكَ ؟ قَالَ لَهُ رَبُّهُ :تَذْكُرُنِيْ وَ لَا تَنْسَانِيْ فَإِذَا ذَكَرْتَنِيْ فَقَدْ شَكَرْتَنِيْ وَ اِذَا نَسِيْتَنِيْ فَقَدْ كَفَرْتَنِيْ))

”اے میرے رب! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ ان کے رب نے فرمایا: مجھے یاد کرتے رہو مجھے بھول نہ جانا۔ جب تو مجھے یاد کرتا رہے گا تو میرا شکر کرتا رہے گا اور جب مجھے بھول جائے گا تو میرے ساتھ کفر کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ذکر و شکر کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے خوف سے ہمارے دلوں کو مزین فرمائے۔

حل اللغات:

- ﴿حَيْثُ﴾ ظرفِ مکان مبنی علی الضم ہے۔
- ﴿خَرَجْتَ﴾ فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اور
- ﴿كُنْتُمْ﴾ فعل ناقص سے جمع مذکر حاضر ہے۔
- ﴿فَوَلِّ﴾ میں ف جزائیہ اور وَلِّ فعل امر حاضر سے صیغہ واحد مذکر ہے جب کہ
- ﴿وَلُّوْا﴾ جمع مذکر ہے۔ دونوں و ل ی کے مادے سے باب تفعیل (وَلّٰى يُوَلِّيْ) سے ہیں۔
- ﴿وُجُوْهَ﴾ وَجْهٌ کی جمع ہے اور
- ﴿ کَ اور كُمْ﴾ ضمیر منصوب متصل ہیں۔ کاف ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف اور کُمْ تمام اہل اسلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان رکھنے والوں کو حکم دیا گیا کہ جہاں سے بھی آپ نکلیں اور جہاں بھی تم ہو وہاں سے اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف کر لیں۔ یعنی نماز پڑھتے ہوئے آپ کا رخ مسجد حرام کی طرف ہونا چاہیے۔
- ﴿ لِئَلَّا﴾ اصل میں لِ + اَنْ + لَا ہے۔ اس میں لِ لامِ کَی ہے، اَنْ ناصبہ، لَا نافیہ اور
- ﴿ يَكُوْنَ﴾ کے آخر میں اَنْ کی وجہ سے ہی زبر آئی ہے۔
- ﴿لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ﴾ میں لام حرف جر، النَّاسِ مجرور، علی حرف جر، کُمْ ضمیر اہل اسلام کی طرف راجع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حُجَّةٌ سے مراد ایسی دلیل ہے جو صحیح مقصد کو واضح کر دے۔

❁ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ میں الا حرف استثناء، الَّذِيْنَ اسم موصول، ظَلَمُوْا فعل ماضی معروف، جمع مذکر غائب، من حرف جر اور هم ضمیر اہل کتاب اور مشرکوں کی طرف راجع ہے۔ قبلے کی تبدیلی کی وجہ بیان ہوئی ہے۔ ”تاکہ لوگوں کی تمہارے اوپر حجت قائم نہ ہو جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا“۔ یعنی اس سلسلے میں ان میں سے کج بحثی ظالم لوگ ہی کریں گے۔

❁ ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ﴾ میں پہلا جملہ فعل نہی پر مشتمل ہے اور دوسرا فعل امر پر۔ پہلے کی هُمْ ضمیر اہل کتاب اور مشرکوں کی طرف دوسرے کی نبیؐ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ ان جملوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو غیر اللہ (اہل کتاب وغیرہ) کے خوف سے منع کر کے حکم دیا ہے کہ مجھ سے ڈرو۔

❁ ﴿وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ﴾ میں واؤ عاطفہ، لَا لام کَی، اُتِمَّ فعل مضارع واحد متکلم، نِعْمَتِيْ اس کا مفعول، علی حرف جر اور کُمْ ضمیر اہل اسلام کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تاکہ تم پر میں اپنی نعمت پوری کر دوں۔

❁ ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ میں لَعَلَّ حرف مشبہ بفعل۔ اس کا خاصہ ہے کہ یہ اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔

❁ ﴿تَهْتَدُوْنَ﴾ باب افتعال (اِهْتَدٰى يَهْتَدِي) سے فعل مضارع جمع مذکر حاضر ہے۔ جملے کا معنی ہے: تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

❁ ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ امر اور جواب امر ہے۔ یعنی تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔

❁ ﴿وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ امر اور نہی ہے یعنی میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿153﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿154﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿157﴾

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ زندہ ہیں لیکن (ان کی زندگی کا) تمہیں شعور نہیں۔ اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک سے، نیز مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور آپ صابروں کو بشارت دے دیں۔ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ہوں گی اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں مومنوں کو انتہائی مشکل حالات میں جو کچھ کرنا چاہیے، نہ صرف اس کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ اس کو اپنانے پر جو اجر وثواب دیا جاتا ہے اس سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بندوں کی آزمائش ضرور کرتا ہے۔ اس لیے اہلِ ایمان پر بھی یہ قانون جاری ہوگا۔ یعنی ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی آزمائش ہوگی۔

سورۂ العنکبوت کے آغاز ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ أَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ○﴾ (العنکبوت:۲،۳)

''کیا لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے۔ اور تحقیق ہم نے ان لوگوں کو آزمایا جو ان سے پہلے تھے، پس اللہ تعالیٰ ضرور ان لوگوں کو جان لے گا جنھوں نے سچ کہا اور ان کو بھی ضرور جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔''

یہاں یہ بات سمجھنے کی بھی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ نیتوں کا جاننے والا ہے، اس کی مخلوق میں جھوٹ بول کر جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں ان کے مکر وفریب سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ آزمائش کا سلسلہ قائم کرتے ہیں۔ ایک طرف جھوٹوں کے جھوٹ کا پول کھلتا ہے اور دوسری طرف سچوں کے سچ کا بول بالا ہوتا ہے۔

سورة الانبیا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ (الانبیاء:۳۵)

''خیر وشر کے ذریعے فتنہ کے طور پر ہم تم کو آزمائیں گے اور ہماری ہی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ نے آزمائش کا ایک پہلو اجاگر فرمایا کہ نہ صرف شر کے ذریعے بلکہ خیر کے ذریعے بھی آزمائش ہوتی ہے۔ یعنی صحت وتندرستی کے ساتھ اپنی تمام نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے۔ عزت وشہرت اور اقتدار سے نوازتا ہے۔ طاقت ایسی عطا کرتا ہے کہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پھر دیکھتا ہے کہ وہ بندہ اطاعت الٰہی کا حق کتنا ادا کرتا ہے۔ اس کی مخلوق پر ظلم وزیادتی تو نہیں کرتا۔ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں غریبوں کو شریک کرتا ہے۔ شکر وذکر میں کتنا وقت لگاتا ہے۔ جب خیر سے مالا مال ہونے والا شخص مطلوبہ صفات سے عاری رہتا ہے تو پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں پہلی قوموں کے بارے بتایا گیا ہے:

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو مصائب اور تکالیف کے ذریعے آزماتا ہے۔ جن آیات کی تفسیر ہو رہی ہے ان پر غور کیا جائے تو ان میں سب سے بڑی آزمائش دینِ حق کی سربلندی کے لیے اس کے دشمنوں سے ٹکرانے کے نتیجہ میں جو نقصانات ہوتے ہیں ان کا ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ جب طاغوتی طاقتیں جمع ہو کر اسلام کو ختم کرنے یا مسخ کرنے کے درپے ہوں تو اہل اسلام پر خوف طاری ہوگا۔ مالی جانی نقصان ہوگا۔ معیشت ایسی تنگ کر دی جائے گی کہ جینا محال ہو جائے گا۔ ایسے حالات میں مومنوں کا کام ہے کہ دشمن کے آگے جھکنے کی بجائے ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے رکھتے ہوئے میدان میں نکل آئیں۔ سورۃ الانفال میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الانفال:۴۵)

''اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ دشمن کی کسی جماعت سے ہو جائے تو پھر ڈٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اہل ایمان کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی خوبصورت بنایا ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں سے ٹکراتے ہوئے اگر ان کو شہادت نصیب ہو جاتی ہے تو طبعی موت سے ان کی موت کو بہت اونچا درجہ دے دیا گیا۔ مومنوں کو ان کے مرنے کے بعد ان کو مردہ کہنے یا خیال کرنے سے منع کر دیا گیا۔ بلکہ ان پر واضح کر دیا گیا:

﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴾ (آل عمران:۱۶۹)

''اپنے رب کے پاس وہ رزق دیئے جاتے ہیں۔''

لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ ان کی زندگی اور ان کو ملنے والے رزق کا عالم برزخ میں معاملہ کیا ہے؟ اس کے بارے اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور دنیاوی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شہادت کے بعد ان کا مال وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے اور ان کی بیوہ عورتوں کی دوسرے مردوں کے ساتھ شادیاں بھی ہوتی ہیں۔

اسد الغابۃ (۷/ ۱۵) الاستیعاب (۲/ ۷۰۵) الاصابہ (۸/۹) اور طبقات ابن سعد (۸/۲۸۲۔ ۲۸۵) میں اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کے بارے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی جعفر رضی اللہ عنہ طیار کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جعفر رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ والی زندگی کا دنیاوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس طرح ماں کے پیٹ سے جنم لینے والا دنیا میں آ کر ماں کے پیٹ میں واپس نہیں جا سکتا اسی طرح عالم برزخ میں منتقل ہونے والا دنیا میں نہیں آ سکتا۔ دنیا سے ان کا ناطہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مدفون اولیآء اللہ کے بارے ہمارے ہاں جو تصور پایا جاتا ہے وہ درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنے والوں کی بہترین صفت یہ ہے کہ وہ جزع و فزع کا مظاہرہ کرنے کی بجائے کہتے ہیں:

ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

مسند احمد (۴/ ۴۱۵) میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ملک الموت سے مخاطب ہوا اور ارشاد فرمایا: اے ملک الموت! تو نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کی۔ تو نے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کو اس سے چھین لیا۔ اس کے دل کے ثمر کو قبض کیا۔ ملک الموت نے عرض کیا۔ اللہ! میں نے ایسا ہی کیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے کیا کہا؟ ملک الموت نے عرض کیا: اس نے تیری حمد بیان کی اور کلمہ استرجاع کہا۔ یعنی اس نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو حکم دیا: اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔''

مسند احمد (۴/۲۷) میں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کو کوئی رنج یا مصیبت پہنچے اور اس پر کافی مدت گزر جائے، پھر اس کو وہ یاد آئے اور وہ کلمہ استرجاع کہے تو اس کو اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا مصیبت کے نزول پر یہی کلمہ کہنے پر ملا تھا۔ کیونکہ ان کلمات کے ذریعہ مسلمان اعلان کرتا ہے کہ وہ اور جو کچھ اس کے پاس ہے۔ وہ سب اللہ کا ہی دیا ہوا ہے اور اس نے انجام کار میں اپنے رب کی ہی طرف لوٹنا ہے۔ اس لیے کسی آزمائش میں وہ ڈالتا ہے یا اپنا دیا ہوا واپس لیتا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔

ایسا اعلان کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ نہ صرف خوش ہوتا ہے بلکہ ان کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نواز دیتا ہے اور ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر گواہ ہو جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کی اس بہترین تعلیم کو اپنانے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿اِسْتَعِيْنُوْا﴾ ع و ن کے مادے سے باب استفعال (اِسْتَعَانَ يَسْتَعِيْنُ) سے فعل امر حاضر جمع مذکر ہے (ب) حرف جر
- ﴿الصَّبْرِ﴾ مجرور، واو عاطفہ اور
- ﴿الصَّلٰوةِ﴾ بھی معطوف ہو کر مجرور ہے۔ یہ اہل ایمان کو حکم ہے کہ مشکل حالات میں صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو۔ اگر کسی وجہ سے دشمن کی دشمنی یا اس کے جارحانہ اقدام یا کسی اور صورت میں تکالیف اور مصائب کا سامنا ہو جائے تو اِدھر اُدھر دیکھنے کی بجائے اس پر صبر کیا جائے اور اسے مِن جانب اللہ سمجھ کر صرف اللہ تعالیٰ سے نماز میں کھڑے ہو کر مدد چاہی جائے۔ اس حکم کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت بھی دے دی۔
- ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ صبر کے لغوی معنیٰ نفس وغیرہ کو روک لینے کے ہیں اور ''صٰبِرِيْنَ'' باب (ض) سے اسم الفاعل جمع مذکر ہے۔
- ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ﴾ میں واو عاطفہ لَا تَقُوْلُوْا فعل نہی، يُقْتَلُ فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس سے پہلے لِمَنْ ہے جس میں لام حرف جر اور مَنْ موصول ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں فی حرف جر اور سبیل اللہ مرکب اضافی مجرور۔
- ﴿اَمْوَاتٌ﴾ میت کی جمع ہے اور اس سے پہلے هُمْ ضمیر محذوف ہے۔ جملے کے معنیٰ ہیں: جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو
- ﴿بَلْ اَحْيَآءٌ﴾ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ احیاءٌ حَیٌّ کی جمع ہے جو ح ی و کے مادے سے فعیل کے وزن پر اسم صفت ہے۔
- ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ میں واو حالیہ، لٰكِنْ حرفِ استدراک کہلاتا ہے جو جملہ سابقہ میں پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لَا نفی کا اور تَشْعُرُوْنَ باب نصر سے فعل مضارع معروف جمع مذکر حاضر ہے۔ جملے کے معنیٰ ہیں: لیکن تمھیں اس کا شعور نہیں۔ یعنی شہداء عالمِ برزخ میں کیسے زندہ ہیں؟ تم ان کی زندگی کے بارے نہیں جانتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ﴾ میں واو عاطفہ، لَنَبۡلُوَنَّ میں لام تاکید کا اور آخر میں نون ثقیلہ اور نَبۡلُوۡ فعل مضارع جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ کم ضمیر مخاطب کی اہل ایمان کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ہم تمہاری ضرور آزمائش کریں گے۔ آزمائش کیسے ہوگی؟ اس کی بھی وضاحت کر دی گئی۔ وہ مختلف صورتوں میں خوف ہوگا۔

﴿اَلۡجُوۡعِ﴾ یعنی بھوک ہوگی۔ وہ قحط سالی سے ہو یا دشمن کی ناکہ بندی سے یا معاشرتی اور معاشی حالات کی ابتری کی وجہ سے ہو۔

﴿نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ﴾ سے مراد مالی نقصان ہے۔

﴿وَالۡاَنۡفُسِ﴾ سے مراد جانی نقصان ہے۔

﴿وَالثَّمَرٰتِ﴾ سے مراد پھلوں کا نقصان یعنی باغات کا اجڑنا اور ان کا تباہ و برباد ہونا ہے۔

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ﴾ میں واو عاطفہ بَشِّرۡ باب تفعیل سے فعل امر حاضر واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو حکم تھا کہ آپ مذکورہ بالا مصیبتوں اور آزمائشوں میں صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں۔ بشارت یہ تھی کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اور ان کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔

﴿قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ﴾ میں قَالُوۡا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ اس میں ضمیر مستتر ھم الصّٰبرین کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی صابروں کا قول ہے۔ اِنَّا میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اور نا ضمیر جمع متکلم کی۔ لِلّٰهِ میں لام حرف جر اور لفظ اللہ مجرور۔ الیہ میں بھی اِلٰی حرف جر اور ہِ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ رَاجِعُوۡنَ راجع کی جمع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: صابر لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ صابر لوگ یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب ان کو کوئی مصیبت آئے۔ یہ جملہ کہنے پر ان کے لیے جو اجر ہوگا اللہ تعالیٰ نے وہ بھی بیان فرمایا کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ہوں گی اور وہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِۚ
فَمَنۡ حَجَّ الۡبَيۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَاؕ وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًاۙ
فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿158﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ
يَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى
مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الۡكِتٰبِۙ
اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿159﴾
اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَبَيَّنُوۡا

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جس کسی نے حج یا عمرہ کیا اور اس نے ان دونوں کا طواف بھی کر لیا تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور جس کسی نے نیکی یا بھلائی کا کوئی کام اپنی مرضی (اور خوشی) سے کیا تو اللہ خوب جانتا اور قدر کرنے والا ہے۔ بے شک جو لوگ ہمارے نازل کردہ دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم نے لوگوں کے لیے انہیں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ انہی لوگوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہوگی۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ اور اصلاح کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿160﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿161﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿162﴾

اور انہوں نے (دلائل اور ہدایت کو) واضح کر دیا۔ پس انہی کی میں توبہ قبول کروں گا اور میں ہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہوں۔ بے شک جو لوگ کفر کے مرتکب ہوئے اور اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان پر ہونے والے عذاب میں نہ کوئی تخفیف ہوگی اور نہ ان کو ڈھیل ہی دی جائے گی۔''

تشریح:

ان آیاتِ مبارکہ میں صفا اور مروہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ان لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے دینِ حق کو چھپاتے ہیں۔ ان کا جو انجام ہوگا، اس سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں صفا مروہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کے حوالے سے عرض کیا کہ اگر کوئی ان کا طواف نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایسی بات نہیں جیسے تم کہتے ہو۔ اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو اَنۡ یَّطَّوَّفَ کی بجائے اَنۡ لَّا یَطَّوَّفَ ہونا چاہیے تھا۔ یعنی لا کے موجود ہونے کی ضرورت تھی۔ اصل میں یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ قدید کے سامنے اپنے پسندیدہ بت مناۃ کے نام کا تلبیہ کہتے تو صفا مروہ کا طواف کرنے میں حرج سمجھتے تھے۔ یعنی طواف نہیں کرتے تھے۔ جب اسلام کے نور سے ان کے دل منور ہوگئے۔ تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث:٤٤٩٥)

صحیح بخاری ہی کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صفا مروہ کے طواف کو ہم جاہلیت کا ایک کام سمجھتے تھے۔ جب ہم اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگئے تو ہم اس سے رک گئے۔ اللہ تعالیٰ نے صفا مروہ والی آیت نازل فرما دی۔

(صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث:٤٤٩٦)

امام ابن جریر کی تفسیر طبری (۲/ ۴۷) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ صفا مروہ کے درمیان کئی بت تھے اور شیاطین رات بھر ان کے درمیان گھومتے پھرتے تھے۔ جب اسلام کی روشنی پھیلی تو مسلمانوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول (ﷺ)! صفا مروہ کے درمیان ہم طواف نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ وہ شرک ہے جس کے ہم جہالت میں مرتکب ہوا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صفا مروہ والی آیت نازل فرما دی۔

صحیح مسلم (۱/ ۳۹۵) میں نبی کریم ﷺ کے حج کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے، جس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مذکور ہے کہ آپ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد جب مقام ابراہیم پر دو نفل پڑھ چکے تو آپ ﷺ صفا کی طرف آئے اور اس کے قریب آ کر آپ نے صفا مروہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیت پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ))

''میں وہیں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔''

چنانچہ آپ نے طواف کا آغاز صفا سے فرمایا جو ساتویں چکر پر مروہ پر ختم ہوا۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی صلی اللہ علیه وسلم، حدیث:۱۲۱۸)

امام قرطبی نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک زبردست اصول نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

((قَدْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّوَافَ بَيْنَهُمَا فَلَيْسَ لِاَحَدٍ اَنْ يَتْرُكَ الطَّوَافَ بَيْنَهُمَا۔))

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے صفا مروہ کے درمیان طواف کر کے اسے سنت بنا دیا۔ اب کسی ایک کے لیے جائز نہیں کہ ان دونوں کے درمیان طواف چھوڑ دے۔''

سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾(الاحزاب:۲۱)

''تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آپ کے نمونے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔ اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے بھی انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ان میں سے کسی ایک کو یہ اختیار نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے علم میں سے کچھ چھپا لے۔ سورۃ المائدۃ میں سید الانبیاء ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ (المائدۃ:۶۷)

''اے رسول! جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو آگے پہنچا دو۔ اگر ایسا نہ کیا تو تم نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا۔''

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے علم کو چھپانا بہت بڑا گناہ ہے۔ جامع الترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس کسی سے ایسی بات کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا اسے علم تھا، پھر اس نے جان بوجھ کر اس کو چھپایا، قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' (جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی کتمان العلم، حدیث:۲۶۴۹)

یہود و نصاریٰ کے علماء میں کتمانِ علم کی عام عادت تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کرتے ہوئے ان کو آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں سے لعنت کرنے والوں کی ان پر لعنت ہوگی۔ لیکن ان میں سے جو توبہ کریں گے اور اپنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصلاح کرنے کا حق ادا کریں گے اور جو کچھ چھپایا کرتے تھے، اس کو واضح طور پر بیان کریں گے، تو اللہ تعالیٰ کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربانیوں سے نوازنے والا پائیں گے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی رحم کرنے والا مہربان ہے، اس لیے جو بھی بندہ گمراہی اور گناہوں کا مرتکب ہونے کے بعد اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی بخشش کا طلب گار بن جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس کے گناہ معاف کرتا ہے بلکہ ان کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

کتمانِ علم کے مرتکب ہونے والے نہ صرف علم کو چھپاتے ہیں بلکہ اپنی گمراہی اور کفر پر ڈٹے رہتے ہیں اور ان کی موت بھی اسی پر ہوتی ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ ان پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کے ساتھ ان کو ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جس میں نہ کوئی تخفیف ہوگی اور نہ ان کو کسی قسم کی مہلت ملے گی۔ کیونکہ زندگی میں ان کو بہت مہلت ملی، ان کو پورا پورا موقع ملا کہ حق کو سمجھیں اور اس کو اپنا کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار لیں۔ لیکن انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی۔ حق کو پہچاننے کے باوجود اس کو ٹھکراتے رہے۔ برائی اور گمراہی کو اپناتے رہے۔ اس لیے جب ان پر ان کے اعمال کی وجہ سے عذاب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا تو پھر کوئی تدبیر ان کے کام نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھے۔

حل لغات:

- ﴿الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ اپنے ماقبل اِنَّ حرف مشبہ بالفعل کا اسم ہیں اور ان سے مراد وہ پہاڑ ہیں جن کے درمیان اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہاجرہ نے پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تھے۔ زمانہ جاہلت میں ان کے درمیان کئی بت رکھے ہوئے تھے۔ مکہ کے مشرکوں نے صفا پر ''اساف'' اور مروہ پر ''نائلہ'' نامی بتوں کو نصب کیا ہوا تھا جن کے بارے میں قرطبی میں منقول ہے کہ دونوں بدبختوں نے بیت اللہ میں بدکاری کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا دیا۔ اہل مکہ نے ان کو صفا اور مروہ پر اس لیے رکھ دیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ لیکن بعد میں ان کی بھی عبادت ہونے لگ گئی۔ الصفا مذکر اور المروۃ مؤنث ہے۔ شاید اس لیے کہ اساف مرد تھا اور نائلہ عورت۔
- ﴿شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ مرکب اضافی اپنے ماقبل حرف جر مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے۔ شعائر، شَعِیْرَۃ کی جمع ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی خاص علامات یعنی اس کی نشانیاں ہیں۔
- ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ﴾ میں فَا حرف استیناف، مَنْ موصول، حَجَّ اور اِعْتَمَرَ دونوں فعل ماضی سے واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان اَوْ حرف عطف ہے۔ جملے کے معنی ہیں: : جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا۔ حج کا لغوی معنیٰ قصد کرنا اور اِعْتَمَرَ سے مراد زیارت کرنا ہے۔
- ﴿جُنَاحَ﴾ سے مراد گناہ ہے۔
- ﴿اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ میں اَنْ ناصبہ (مصدریہ) ہے، یَطَّوَّفَ باب تفعل سے فعل مضارع واحد مذکر غائب، بِھِمَا میں بِ حرف جر اور ھِمَا ضمیر الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ کی طرف راجع ہے۔ معنی ہیں: یہ کہ ان دونوں کا طواف کرے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ میں واو عاطفہ مَنْ موصول، تَطَوَّعَ باب تفعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب اور خَيْرًا اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جس نے بھلائی اور نیکی کا کام اپنی مرضی اور خوشی سے کیا۔
- ﴿شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ إِنَّ کی پہلی اور دوسری خبر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے کہ وہ قدردان اور جاننے والا ہے۔
- ﴿اَلْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے دلائل اور ہدایتِ حقیقی ہے۔ حق اور شرعی مسائل ہیں۔
- ﴿اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ میں اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعید، يَلْعَنُهُمْ میں ضمیر هُمْ دونوں جگہ ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو اَلْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى کو چھپاتے ہیں۔ يَلْعَنُ (ف) فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب ہے۔ پہلے کا فاعل لفظ الله اور دوسرے کا اَللّٰعِنُوْنَ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: وہی لوگ ہیں جن پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہوگی۔ اَللّٰعِنُوْنَ: اللَّاعِنُ کی جمع ہے جو باب فتح سے اسم فاعل ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور اس کی تمام مخلوق ہے۔
- ﴿تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا﴾ تینوں حسب ترتیب باب نَصَرَ، إفعال اور تفعیل سے فعل ماضی معروف کے جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ ان کا معنی ہے کہ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور جو بیان ہونا چاہیے تھا وہ بیان کر دیا۔ ان کے بارے میں اعلان ہے: ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾ پس وہی لوگ ہیں جن کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں یعنی ان کی توبہ قبول کرتا ہوں۔
- ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ میں خٰلِدِيْنَ، خالد کی جمع ہے۔ فِي حرف جر اور هَا ضمیر لعنة کی طرف راجع ہے۔ یعنی اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ دوسرے لفظوں میں لعنت سے ان کو چھٹکارا حاصل نہیں ہوگا۔
- ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ میں يُخَفَّفُ باب تفعیل سے فعل مضارع مجہول سے واحد مذکر غائب کا اور يُنْظَرُوْنَ باب نصر سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ یہاں واضح کر دیا گیا کہ ان کو ملنے والے عذاب میں نہ کوئی تخفیف ہوگی اور نہ ان کو ڈھیل یا مہلت ملے گی۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠	”اور تمہارا معبود اکیلا ہے۔ اس مہربان نہایت رحم کرنے والے کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں، اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلتی ہیں، اور اس میں جو اللہ نے آسمان سے پانی برسا کر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلا دیا،

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾	اور ہواؤں کے رخ تبدیل کرنے میں اور زمین و آسمان کے درمیان تابع کیے گئے بادلوں میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی واحدنیت اور اس کی معرفت حقیقی تک پہنچانے والی نشانیوں کا ذکر ہوا ہے۔ سیدالانبیاء محمد رسول ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل مکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ سورۂ عنکبوت وغیرہ میں ان کے عقیدے کی وضاحت ہوئی ہے کہ کشتیوں میں سوار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کو خالصتاً پکارتے، اسی سے عافیت طلب کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جب کنارے لگا دیتا تو رب حقیقی کے ساتھ غیراللہ کو پکارنا شروع کر دیتے۔ اسی بنا پر ان کو مشرک اور کافر کہا گیا، ان سے جنگیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ان پر غالب کر دیا اور وحدہ لاشریک کا پرچم سارے عرب پر لہرانے لگا۔

تفسیر قرطبی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک موقع پر کفارِ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارے لیے اپنے رب کا وصف بیان کریں تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرۃ:۱۶۳)

یعنی تمہارا الٰہ اکیلا ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے، نہ اولاد اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔ وہ ذاتِ عالیہ ایسے رشتوں سے بے نیاز ہے کیونکہ وہی ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس کی قدرت ایسی ہے کہ وہ کن کہتا ہے تو جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ وہ ﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (البروج:۱۶) ہے یعنی جو ارادہ کرتا ہے اس کو کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رحمٰن و رحیم ہونے کا اعلان بھی فرمایا ہے۔ یعنی اللہ کے ساتھ جن کو پکارا جاتا ہے ان میں سے کوئی بھی رحمٰن و رحیم نہیں۔ یہی دو ایسی دائمی صفتیں ہیں جن کی وجہ سے دنیا کا نظام قائم ہے۔

عطاء رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب ﴿اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ کا نزول ہوا تو اہل مکہ نے کہا: كَيْفَ يَسَعُ النَّاسَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ؟ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے ایک ہی معبود کیسے کفایت کر سکتا ہے؟ اپنے اسی عقیدۂ باطلہ کی بنا پر انہوں نے بیت اللہ کے آس پاس تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے جنہیں انہوں نے الٰہ کا درجہ دیا ہوا تھا۔ اس کے باوجود بقا اور سلامتی کے لیے اللہ تعالیٰ کو ہی پکارا کرتے تھے۔ اپنے بتوں کے ذریعے صرف قرب الٰہی کے متمنی رہتے تھے۔ سورۂ یونس میں ان کے عقیدے کا ذکر ان الفاظ سے ہوتا ہے:

﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸)

"یہ (بت) اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔"

سورۃ الزمر میں اس طرح وضاحت ہوتی ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ (الزمر:۳)

''ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کردیں۔''

قرآن حکیم کی انہی آیات کی روشنی میں آج کے مسلمانوں کو اپنے عقائد کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اہل مکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے بلکہ اس کے قرب کے حصول کے لیے ہی شرک کے مرتکب ہوتے تھے۔ ان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ نے اپنی دعوتِ حق کا آغاز کلمۂ توحید سے کیا۔ آپ ﷺ لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ ((قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا))۔ لوگو! ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہو، فلاح پاؤ گے۔ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہنے سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ نہ کسی کو پکارو اور نہ کسی پر توکل اور بھروسہ کرو۔

مسند احمد (۴۹۲/۳) میں ربیعہ بن عباد الدیلی سے چند روایات مختلف الفاظ میں مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ذوالمجاز کے بازار میں آپ ﷺ نے یہی دعوت دی اور آپ کا چچا ابولہب آپ کا پیچھا کرتے ہوئے آپ کی دعوت کی نفی کرتا تھا۔ دعوتِ حق کا یہ بھی ایک عجیب پہلو ہے کہ اس کو ٹھکرانے میں آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہی پیش پیش رہے ہیں۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ الخدری سے مروی ہے:

((لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین، حدیث:۳۱۱۷)

''تمہارے عزیز و اقارب جو موت کے بالکل قریب ہو جائیں، انہیں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہنے کی تلقین کرو۔''

سنن ابی داؤد ہی میں معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین، حدیث:۳۱۱۶)

''جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ انجام کار جنت میں داخل ہو جائے گا۔''

تفسیر ابن کثیر میں اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیات میں ہے۔

﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴾ اور ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾

کفار قریش نے جب کہا کہ دنیا کے تمام لوگوں کو اکیلا معبود کیسے کفایت کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ والی آیت نازل فرما دی۔ تم کہتے ہو کہ تمام لوگوں کو کیسے کفایت کرے گا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ وہ کل کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی۔ دنیا کے آسمان کو چاند، سورج اور ستاروں سے سجایا۔ بلکہ ان کو ایسے نظام میں مربوط کیا کہ ان کے طلوع و غروب ہونے میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ زمین پر گاڑے گئے پہاڑ، پھیلے ہوئے صحراء، بہتے ہوئے دریا، زمین کی سطح پر رکے رہنے والے سمندر، پھلوں سے لدے ہوئے درخت، رنگا رنگ کے پھول، لہلہاتے کھیت، آسمان سے برسنے والا پانی، رخ تبدیل کرنے والی ہوائیں، فضا میں اڑنے والے پرند اور جنگلوں میں پائے جانے والے درند و چرند، خشکی اور تری میں اس کی مخلوق پر تاریکی پھیلانے والی رات اور اجالا کرنے والا دن اور اشرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المخلوقات کو اپنی پیدا کردہ تمام مخلوق پر برتری دینے والا کون ہے؟ اگر وہ کل کائنات کے نظام کو چلا سکتا ہے تو کیا اپنے انسانی مخلوق کو کفایت نہیں کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فیصلہ سنا دیا کہ اس میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی عقل عطا فرمائے کہ جس کے ذریعہ وہ اس کی نشانیوں پر غور کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوار لیں۔

حل لغات:

- ﴿اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ مرکب توصیفی ہے اور یہ اِلٰهُكُمْ کی خبر ہے۔
- ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ میں نفی اور اثبات کی ترکیب ہے جو اکیلے اثبات سے زیادہ معنویت رکھتی ہے۔ اس میں تمام جھوٹے معبودوں سے الوہیت کی نفی اور پھر اس کا صرف اللہ کے لیے اِثبات ہے۔ یعنی نہیں کوئی معبود مگر وہی اور معبود بھی ایسا جو رحمٰن و رحیم ہے۔ رحمٰن و رحیم دونوں صفتیں رحمت سے مشتق ہیں۔ ''الرحمٰن'' میں اللہ کی رحمتِ عامہ کا ذکر ہے جس سے انس و جن (کافر، مشرک اور مؤمن و مسلم کے فرق کے بغیر) اور دیگر تمام حیوانات و جمادات فیض یاب ہو رہے ہیں اور اس رحمت کا اظہار دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں ہے۔ جب کہ ''الرحیم'' میں رحمتِ خاصہ کا اظہار ہے جو صرف مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (التوبة:۱۱۷)

''بے شک وہ ان (مومنوں) پر بڑا ہی مہربان، رحم کرنے والا ہے۔''

- ﴿اِخْتِلَافِ﴾ اِخْتَلَفَ، يَخْتَلِفُ (باب افتعال) سے مصدر ہے اور
- ﴿الَّيْلِ وَ النَّهَارِ﴾ اس کے مضاف الیہ ہیں۔ اس سے مراد دن کو رات سے الگ کر کے ایک دوسرے کے پیچھے لگانا ہے۔ یعنی دن کے بعد رات کا چھا جانا اور رات کے بعد دن کا روشن ہونا ہے۔
- ﴿الْفُلْكِ﴾ قرآن حکیم میں یہ لفظ واحد، جمع اور مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ واحد، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے ایک ہی طرح آیا ہے۔
- ﴿فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ میں اَحْيَا باب افعال سے فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ بِهٖ کی ضمیر ہ آسمان سے برسائے گئے پانی کی طرف راجع ہے۔ اَلْاَرْضَ، اَحْيَا کا مفعول ہے۔ بَعْدَ اسم ظرف ہے۔ مَوْتِهَا کی ضمیر هَا اَلْاَرْضَ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کا معنی ہے: پس اس نے آسمان سے برسنے والے پانی سے اس کی موت کے بعد اس کو زندہ کیا۔ یعنی خشک اور بنجر زمین کو ہریالی سے نوازا۔
- ﴿وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ میں بَثَّ (ن) بھی فعل ماضی معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ فِيْهَا کی ضمیر هَا، اَلْاَرْضَ کی طرف راجع ہے اور دَابَّةٍ دَبَّ يَدُبُّ سے اسم الفاعل ہے۔ اس سے مراد ہر جاندار مخلوق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلائی۔
- ﴿تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ﴾ مرکب اضافی ہے۔ تصریف باب تفعیل (صَرَّفَ يصرف) سے مصدر ہے اور الریاح،

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الریح کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہواؤں کو پھیرنا اور ان کا رخ تبدیل کرنا ہے۔

﴿السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ﴾ مرکب توصیفی ہے اور اس سے مراد تابع کیے گئے بادل ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿167﴾

''اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ کے علاوہ بہت سے معبود بنا رکھے ہیں۔ ان سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے ہوتی ہے، جب کہ اہل ایمان اللہ سے محبت کرنے میں مضبوط اور انتہائی ثابت قدم ہوتے ہیں۔ کسی طرح وہ (مشرک) جان لیں کہ جب وہ عذاب دیکھیں گے تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ بے شک تمام قوت صرف اللہ کے لیے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔ اتباع کیے گئے سردار جب اتباع کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اس حال میں کہ وہ سب عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔ اور اتباع کرنے والے کہیں گے: کاش ہم دنیا میں لوٹ جائیں اور پھر ہم ان (بڑے لوگوں) سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کریں جس طرح انھوں نے ہم سے کیا ہے۔ اسی طرح اللہ ان کے اعمال ان کو دکھائے گا تاکہ ان پر حسرت و افسوس ہو اور وہ جہنم کی آگ سے نکل نہیں پائیں گے۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ طاقت کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالیہ ہے اور غیر اللہ سے محبت کرنے والے قیامت کے روز بے بس ہوں گے۔ جن کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ ان کو نجات دلوائیں ان میں سے کوئی بھی ان کے کام نہیں آئے گا بلکہ ان سے بیزاری کا اظہار کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت کاملہ پر دلالت کرنے والی نشانیوں کا ذکر کرنے کے بعد غیر اللہ کی محبت میں غرق ہونے والوں کے انجام سے اس لیے آگاہ فرمایا کہ اس کی مخلوق کو غیر اللہ کی طرف لگانے والوں کے مکر و فریب سے بچ جائے۔ دنیا میں عموماً یہ دستور رہا ہے کہ بڑے لوگوں کی تابعداری چھوٹے لوگ ہی کرتے ہیں اور وہی ان کی گمراہی کا سبب بھی بنتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ سبا میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ... ۝ ﴾ (سبا:۳۱-۳۳)

''اور کسی طرح تم دیکھو جب ظالموں کو ان کے رب کے پاس کھڑا کیا جائے گا۔ بعض ان کا بعض سے جھگڑا کرے گا۔ چھوٹے کمزور لوگ متکبر لوگوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے۔ متکبر لوگ چھوٹے کمزور لوگوں کو کہیں گے: کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا جب کہ وہ تمہارے پاس آ گئی؟ (قطعاً نہیں) بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔ کمزور لوگ متکبرین سے کہیں گے کہ تم دن رات مکر وفریب کے ذریعے ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور اس کے ساتھ شریک بنائیں۔''

سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ ﴾

(ابراھیم:۲۱)

''اور وہ سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ کمزور لوگ متکبرین سے کہیں گے: بے شک ہم نے تمہاری اتباع کی۔ اب کیا اللہ کی طرف سے ملنے والے عذاب کے کچھ ہی حصے سے تم ہمیں بچا سکتے ہو؟ وہ (متکبرین) کہیں گے۔ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہاری رہنمائی ضرور کرتے۔ اب ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم بے صبری کا مظاہرہ کریں یا صبر کریں۔ اب ہمارے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔''

سورۂ احزاب میں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴾ (الاحزاب:۶۷،۶۸)

''اور کہیں گے اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کی اطاعت کی۔ انہوں نے راہِ حق سے ہمیں ہٹا دیا۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر زبردست لعنت فرما۔''

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ سے دنیا میں محبت کرنے کا انجام جہنم کی آگ ہوگا۔ اللہ کے سوا جس کسی کی بھی اطاعت وعبادت کی جائے گی کوئی بھی باطل معبود وہاں کام نہیں آئے گا۔ بلکہ اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت کا نہ صرف وہ انکار کریں گے بلکہ ان سے اپنی بے زاری کا اعلان بھی کریں گے اور پیروکار اور ان کے پیشوا، دونوں جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ؟ ''سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ))(صحيح البخارى، كتاب التفسير، باب قوله تعالى﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا......﴾ حديث:٤٤٧٧/صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب......حديث:٨٦)

''یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔''

جس کی سمجھ میں یہ نکتہ آ جائے وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی نشانی اور ان کی پہچان خود ہی بیان کر دی کہ جس طرح غیر اللہ کو معبود بنانے والے اپنے معبودوں سے محبت کرتے ہیں، اہل ایمان اس سے بھی زیادہ اپنے رب حقیقی سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں ان کے نزدیک عزیز سے عزیز چیز کی محبت بھی ہیچ ہو جاتی ہے۔ ان کی زندگیوں کا مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہی ہوتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملنے والی رہنمائی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر اس عمل سے محفوظ رکھے، جس کا انجام جہنم ہوسکتا ہے۔

حل لغات:

- ﴿يَتَّخِذُ﴾ کا مادہ أ خ ذ ہے اور یہ باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔
- ﴿اَنْدَادًا﴾ اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور نِدٌّ کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں شریک کیا جائے یا اس کی مثل سمجھا جائے۔ کفار مکہ نے اپنے بزرگوں کے بت بنا کر بیت اللہ کے آس پاس سجا رکھے تھے۔ قرب الٰہی کے لیے ان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انہی کو اَنْدَادًا کہا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ رؤسا و سردار ہیں جن کی اتباع کرتے ہوئے لوگ شرک اور برائی کا ارتکاب کرتے تھے۔
- ﴿يُحِبُّوْنَهُمْ﴾ يُحِبُّوْنَ باب افعال سے فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ هُمْ ضمیر اَنْدَادًا کی طرف راجع ہے۔
- ﴿كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ میں حرفِ جر کاف تمثیل کا ہے اور حُبِّ اللّٰهِ مرکب اضافی ہے: وہ جملے کے معنی ہیں: اپنے باطل معبودوں سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی چاہیے۔
- ﴿اَشَدُّ﴾ افعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ سے جو محبت ہوتی ہے اسے اجاگر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔
- ﴿حُبًّا﴾ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے اور یہاں تمیز ہونے کی وجہ سے نصبی حالت میں ہے۔
- ﴿اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا اور وَاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾ ان دونوں جملوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دو خبریں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ساری قوت ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔ظلم کے مرتکب ہونے والوں پر یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوگی جب وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھ لیں گے۔

- ﴿تَبَرَّءَ﴾ ب ر ء کے مادے سے باب تفعل ہے یہ فعل ماضی واحد مذکر غائب ہے جس کے معنیٰ بے زار ہونے اور لاتعلق ہونے کے ہیں۔
- ﴿اتُّبِعُوْا﴾ باب افتعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے جب کہ
- ﴿اتَّبَعُوْا﴾ فعل ماضی معروف ہے۔
- ﴿رَاَوُا﴾ باب فتح سے فعل ماضی معروف جمع مذکر غائب ہے اور
- ﴿الْعَذَابَ﴾ اس کا مفعول ہے۔
- ﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾ میں تَقَطَّعَتْ باب تفعل سے فعل ماضی معروف ہے۔صیغہ واحد مؤنث غائب اور اَلْاَسْبَابُ اس کا فاعل ہے جو سبب کی جمع ہے۔اس سے مراد وہ رسی ہوتی ہے جس سے کسی چیز کو باندھ کر کھینچا جائے۔ پھر اس کا استعمال ہر اس چیز کے لیے ہونے لگا جو کسی کام کا ذریعہ ہو۔ جملے کے معنی ہیں: ان کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے یعنی کسی قسم کی کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔
- ﴿لَوْ﴾ حرف تمنا ہے۔یہ حرف زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل میں شرط کے لیے اور بعض دیگر معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
- ﴿كَرَّةً﴾ سے مراد رَجْعَةً یعنی پھر سے دنیا میں لوٹنا ہے۔جن لوگوں نے دین الٰہی کو چھوڑ کر مال داروں، اپنے سیاسی یا مذہبی رہنماؤں اور سرداروں کی اتباع کی ہوگی وہ عذاب کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں پھر سے لوٹایا جائے تاکہ ہم بھی ان بڑے بڑے لوگوں سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کریں جس طرح انہوں نے ہم سے کیا۔
- ﴿كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ میں حَسَرَاتٍ حَسْرَةٌ کی جمع ہے۔ جملے کا معنی ہے: ''اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال دکھائے گا تاکہ ان کے لیے باعث افسوس اور حسرت ہوں اور وہ جہنم کی آگ سے نکل نہیں سکیں گے۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿168﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿169﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا

''اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی ہی کا حکم دیتا ہے اور اس بات کا بھی کہ تم اللہ کے بارے میں وہ کہو جس کا تمہیں علم نہیں۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا، تو کہتے ہیں کہ ہم اسی کی اتباع کریں گے جس پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّ لَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿170﴾ وَمَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا كَمَثَلِ الَّذِىۡ يَنۡعِقُ بِمَا لَا يَسۡمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ‌ؕ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿171﴾

ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا۔ اگر چہ ان کے آباء واجداد ذرا سی بھی عقل نہ رکھتے تھے اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہی تھے؟ اور کفار کی مثال ان جانوروں جیسی ہے جو اپنے چرواہے کی صرف آواز اور پکار سنتے ہیں، بہرے گونگے اور اندھے ہیں اور وہ بے عقل ہیں۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں حلال وطیب کھانے اور شیطان کی پیروی نہ کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کفار کی انتہائی جہالت کا ذکر فرمایا ہے۔ اسلام میں حلال کمانے اور حلال ہی کھانے کی زبردست تلقین کی گئی ہے۔ اسی طرح حرام سے نہ بچنے والوں کے انجام سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ مشکوۃ (ص ۲۴۳) میں بیہقی کے حوالے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ »

''جنت میں وہ جسد داخل نہیں ہوگا جس کی پرورش حرام سے ہوئی۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ)) (صحيح البخارى، كتاب البيوع، باب من لم يبال من حيث كسب المال، حديث: ۲۰۵۹)

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس بات کی پروا نہیں ہوگی کہ جو اس نے لیا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔''

اس حدیث کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لیں تو واضح ہوگا کہ ہمارے ہاں اکثر لوگوں کا یہی حال ہو گیا ہے۔ مال کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ کسی کو کوئی خیال نہیں کہ اس کی کمائی میں کتنا حرام شامل ہو رہا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ شیطان کا یہی مشن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کی طرف جانے والی راہ سے روک دے اور زیادہ سے زیادہ ان کو جہنم کا ایندھن بنا دے۔

سورۃ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ‌ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ۝﴾ (الاعراف: ۱۶، ۱۷)

''شیطان نے کہا کہ جس کے سبب تو نے مجھے گمراہ کیا ان کے لیے میں تیری طرف آنے والی سیدھی راہ میں ضرور بیٹھ جاؤں گا۔ پھر میں ان کے پاس آگے کی طرف سے، پیچھے کی طرف سے، دائیں اور بائیں جانب سے ضرور آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔''

ان دو آیتوں میں غور طلب پہلی بات یہ ہے کہ اس نے خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اپنی گمراہی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی۔ آج بھی جو اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کی بجائے دوسروں کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے وہ شیطان کی راہ پر ہوتا ہے۔ دوسری بات شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دی کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یعنی اس کی دشمنی کوئی پوشیدہ امر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی بجائے اس نے مہلت مانگی۔ جب مہلت مل گئی تو اس نے علانیہ طور پر اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنے کی سکیم بھی واضح کر دی۔ جو دشمن انسان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے کر تباہ کرنے کے درپے ہو، اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی پیروی نہ کرنا۔ کیونکہ اس نے تمہیں برائی اور فحاشی کی طرف لگانا ہے، اللہ کی بندگی اور عبادت سے غافل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں تم سے وہ باتیں کہلوائے گا جن کا تمہیں علم نہیں۔ آج ایسا ہو رہا ہے، کھلم کھلا برائی اور فحاشی کو اپنایا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑتے ہوئے فخر محسوس کیا جا رہا ہے۔

یہی حال رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب کا تھا۔ بلکہ ساری دنیا جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اللہ کی وحدانیت کا تصور کسی بھی ملک یا ملت میں موجود نہ تھا۔ غیر اللہ کی پرستش کو اللہ تعالیٰ کی ہی عین عبادت سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت میں ان کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔

﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (آل عمران:١٦٤)

''بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

ان کی گمراہی کا یہ عالم تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرآن حکیم نازل ہو رہا ہے اس کے مطابق عمل کرو۔ تو وہ کہتے کہ ہم تو وہی کچھ کریں گے جو ہمارے آباء واجداد کیا کرتے تھے۔ وہ بھول جاتے تھے کہ ان کے پاس اس کی کیا ضمانت ہے کہ ان کے آباء واجداد راہِ حق پر تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ہدایت سے واقف تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے باپ اور اپنی قوم سے سوال کیا:

﴿ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴾ (الانبياء:٥٢،٥٣)

''یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کے سامنے تم بیٹھے رہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔''

ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ان کی جاہلانہ سوچ کے بارے میں یوں آگاہ کیا:

﴿ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (الانبياء:٥٤)

''بے شک تم اور تمہارے آباء واجداد کھلی گمراہی میں ہو۔''

یعنی جو کچھ تمہارے آباء واجداد نے کہا وہ غلط تھا اور تم بھی غلط بات پر ان کی تقلید کر رہے ہو۔ اسی نکتے کو سورۃ البقرہ کی آیت میں آگے بڑھایا گیا کہ کفر پر ڈٹے رہنے والوں کی مثال ایسی ہی ہے کہ دعوتِ حق کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ غیر اللہ کی محبت ان کو اندھا بہرا اور گونگا کر رہی ہے۔ سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نجات تین کاموں میں ہے:

پہلا: ''اكل الحلال'' یعنی حلال کھانا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا: "اَدَاءُ الْفَرَائِضِ" یعنی فرائض کا ادا کرنا۔
تیسرا: "اَلْاِقْتِدَاءُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ" یعنی نبی کریم ﷺ کی اقتدا کرنا، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرنا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نجات دلانے والے ان کاموں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل اللغات:

❁ ﴿ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ میں كُلُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر، مِنْ حرف جر، مَا موصولہ، فِي حرف جر، الْاَرْضِ مجرور، حَلٰلًا طَيِّبًا مرکب توصیفی كُلُوْا کا مفعول ہے، حال بھی ہوسکتا ہے۔ یہ خطابِ عام ہے۔ یعنی اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک ہے، اس میں سے کھاؤ۔

❁ ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ میں واو عاطفہ، لَا تَتَّبِعُوْا فعل نہی سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ، خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ مرکب اضافی ہے۔ خُطُوٰتِ، خُطْوَة کی جمع ہے۔ چلتے ہوئے دو قدموں کے درمیان والے فاصلے کو لغت میں خُطوة کہتے ہیں۔ چونکہ یہ الشَّيْطٰنِ کا مضاف ہے اس لیے اس سے مراد شیطان کی پیروی کرنا ہے۔ جملے کا معنی ہے: تم شیطان کی پیروی نہ کرو یعنی اس کی مزین کردہ برائی کے پیچھے مت لگو۔

❁ ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہٗ ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے۔ لام حرفِ جر اور كم ضمیر لوگوں کی طرف لوٹ رہی ہے۔

❁ ﴿ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ مرکب توصیفی اِنَّ کی خبر ہے۔ جملے کا معنی ہے: بے شک وہ (یعنی شیطان) تمہارا کھلا دشمن ہے۔

❁ ﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ میں اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے جو جملے کے مضمون کو ہر شک و شبہ سے بالا کر دیتا ہے۔ يَاْمُرُكُمْ میں كُمْ ضمیر مخاطب کی اور يَاْمُرُ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب، بِ حرف جر، السُّوْٓءِ سَاءَ يَسُوْٓءُ (ن) سے مصدر ہے۔ اس سے مراد ایسی برائی ہے جس کا مرتکب ہونے کے بعد انسان غم زدہ ہو جاتا ہے۔ واو عاطفہ اور الْفَحْشَآءِ بھی مجرور ہے۔ سخت قبیح اور مذموم قسم کے اقوال و افعال کو فحشاء کہتے ہیں۔ واو عاطفہ، اَنْ ناصبہ، تَقُوْلُوْا اصل میں تَقُوْلُوْنَ تھا۔ اَنْ ناصبہ کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہوگئی۔ علی حرفِ جر، لفظ اللّٰه مجرور، تعلمون فعل مضارع معروف سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ آیت کا معنی ہے: بے شک وہ (یعنی شیطان) تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں وہ کہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

❁ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ میں واو عاطفہ، اِذَا ظرف مبنی۔ یہ لفظ جب فعل ماضی پر آئے تو معنی مستقبل میں کر دیتا ہے، قِيْلَ فعل ماضی مجہول سے واحد مذکر غائب، لام حرف جر، هُمْ ضمیر لوگوں کی طرف راجع ہے۔ اتَّبِعُوْا فعل امر حاضر سے جمع مذکر، مَا موصولہ، اَنْزَلَ باب افعال سے فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب، لفظ اَللّٰهُ اس کا فاعل ہے۔ جملے کا معنی ہے: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا﴾ میں قَالُوْا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ، بَلْ حرف اِضراب ہے جو پہلی چیز سے اعراض و انکار اور دوسری چیز کے اثبات کے لیے آتا ہے۔ نَتَّبِعُ فعل مضارع جمع متکلم، مَا موصولہ، اَلْفَيْنَا باب افعال سے فعل ماضی کا صیغہ جمع متکلم، عَلٰی حرفِ جر، ہِ ضمیر اس طریق یا عمل کی طرف راجع ہے جس پر کفار کے آباء واجداد تھے۔ جملے کے معنی ہیں: کفار نے کہا کہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا۔

❁ ﴿يَعْقِلُوْنَ اور يَهْتَدُوْنَ﴾ دونوں فعل مضارع سے جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں ان سے پہلے لَا نافیہ ہے۔ یہ کفار کے آباء واجداد کے بارے میں اللہ نے فرمایا: اگرچہ وہ کچھ عقل نہ رکھتے تھے اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ ہوں۔

❁ ﴿يَنْعِقُ﴾ فعل مضارع معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کا معنیٰ ہے: وہ چیختا چلاتا ہے۔ دعآء ، اور نداء سے مراد کسی کو نزدیک سے اور دور سے آواز دینا اور پکارنا ہے ۔

❁ ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ سے مراد بہرے گونگے اور اندھے لوگ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿172﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿173﴾

”اے ایمان والو! جو پاک رزق ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے تم پر مردار، (بہنے والا) خون، خنزیر کا گوشت اور جو جانور غیراللہ کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں ان کو حرام کر دیا ہے۔ البتہ جو شخص مجبور کر دیا گیا اس حال میں کہ وہ بغاوت کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو (اور وہ کچھ کھالے) تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

تشریح:

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے خطاب فرماتے ہوئے حکم دیا: وہ نہ صرف پاک حلال رزق کھائیں بلکہ رزق ملنے پر اس کا شکر بھی ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اعلان فرمایا:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ (ابراهيم:۷)

”اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب بڑا سخت ہے۔“

اسی لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر ہر لمحہ اور ہر جگہ اس کا شکر ادا کرتا رہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شاعر کے دو شعر نقل کیے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنْ يَکُ هٰذَا الدَّهْرُ قَدْ سَاءَ نِی
فَطَالَمَا قَدْ سَرَّنِی الدَّهْرُ
اَلْاَمْرُ عِنْدِی فِيْهِمَا وَاحِدٌ
لِذٰلِکَ شُکْرٌ وَلِذٰلِکَ صَبْرٌ

(ترجمہ) اگر زمانے نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور مجھے تکلیف پہنچائی ہے تو زمانے نے مجھے بہت سی خوشیاں بھی دی ہیں۔ دونوں ہی صورتوں میں میرا معاملہ ایک ہی جیسا ہے۔ خوشیوں پر شکر کرتا ہوں اور تکالیف آنے پر صبر کرتا ہوں۔"

آج کے پرفتن دور میں رزق حلال کا ملنا بہت بڑی نعمت ہے۔ لہٰذا اس کے حصول کے لیے کوشاں رہنے میں ہی برکت و عافیت ہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہی حکم دیا جو اس نے اپنے رسولوں (علیہم السلام) کو دیا۔"

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب و تربیتھا، حدیث: ۱۰۱۵)

سورۃ المومنون کے الفاظ ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (المومنون: ۵۱)

"اے رسولو! پاک حلال کھاؤ اور نیک عمل کرو۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو دور دراز کا سفر کرتے ہوئے غبار آلود ہو کر لمبے لمبے ہاتھ کر کے دعا کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا کھانا پینا اور اس کا لباس حرام کمائی سے تھا۔ پھر اس کی دعا کیسے قبول ہو گی؟

اس حدیث مبارک کے ابتدائی الفاظ ہیں:

((اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا))

"بے شک اللہ پاک ہے اور پاک ہی قبول کرتا ہے۔"

یعنی کمائی میں حرام شامل نہ ہو اور کھانے پینے اور استعمال کی اشیاء میں حرام کی آمیزش نہ ہو۔

تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوۃ بنا دے۔ یعنی جب دعا مانگوں تو قبول ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: "اے سعد!

((اَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ))

"اپنے کھانے پینے کو پاک کر یعنی پاک حلال رزق کھا، تو مستجاب الدعوۃ بن جائے گا۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے جب کوئی آدمی اپنے پیٹ میں لقمہ حرام ڈالتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور جس شخص کا جسم حرام اور سود سے پرورش پاتا ہے وہ اس لائق ہے کہ جہنم میں جائے کیونکہ جہنم ہی اس کی زیادہ حق دار ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کی قبولیت کے لیے اکلِ حلال شرط ہے۔ اسی لیے مومنوں کو حکم ملا کہ حلال کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

امت محمدیہ کو الجھاؤ سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں کا خاص طور پر ذکر فرمادیا: مجبوری کی حالت کے علاوہ ان کا کھانا پینا حرام ہے، وہ حلال جانور جو طبعی موت مر جائے، پہاڑی سے گرنے یا سینگ لگنے یا گلا دبائے جانے سے موت واقع ہو جائے، شرعی طور پر اس کو مرنے سے پہلے ذبح نہ کیا جائے تو مسلمانوں کے لیے اس کا کھانا حرام ہے۔ لیکن پانی کے جانوروں جیسے مچھلی وغیرہ کے بارے میں یہ حکم لاگو نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا کھانا حلال ہے۔ جس جانور کو ذبح کرتے ہوئے عمداً بسم اللہ کو چھوڑا جائے تو وہ بھی حلال نہ ہوگا۔

اہل عرب میں وحشیانہ عادت تھی کہ جانوروں کا خون پیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے اس عادت کو حرام کر دیا۔ جب کہ تلی اور کلیجی کا کھانا حلال ہے۔ اہل مغرب غیر مسلموں کے نزدیک سور کا گوشت مرغوب غذا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اس کا کھانا بھی حرام کر دیا۔ اگرچہ اس کو شرعی طور پر بسم اللہ کہہ کر ہی ذبح کیا گیا ہو۔ اس کی چربی بھی اس کے گوشت کے زمرے میں آتی ہے۔ لہٰذا اس کا استعمال بھی حرام ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے یہود پر لعنت فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ہر چربی کو حرام کیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر نہ صرف استعمال کیا بلکہ اس کی تجارت بھی کی۔'' (صحیح البخاری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب ذکر عن بنی اسرائیل، حدیث: ۳٤٦۰، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ...... حدیث: ۱۵۸۲)

دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود کو قتل کرے۔'' (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب لا یذاب شحم المیتۃ، ولا...... حدیث: ۲۲۲۳، ۲۲۲٤)

مذکورہ تین چیزوں کے ساتھ ان حلال جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا گیا جن کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر کی روایت ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت نے گڑیوں کی شادی رچائی اور ایک اونٹ ذبح کیا، کیا اس اونٹ کا گوشت کھایا جا سکتا ہے؟ انہوں نے فتویٰ دیا کہ اس کا گوشت نہ کھایا جائے کیونکہ وہ صنم یعنی بت کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔

رحیم و کریم نے لاچار اور مجبور انسانوں کو موت سے بچنے کے لیے حرام غذا کھانے کی محدود اجازت بھی دے دی۔ کسی انسان پر ایسا وقت آتا ہے کہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود حلال رزق حاصل نہیں کر پاتا تو اس کو حسب ضرورت حرام اور ممنوع کے استعمال کی اجازت دینے کے ساتھ یہ شرط بھی عائد کر دی کہ وہ ان اشیاء میں رغبت رکھنے یا زیادتی کرنے کا رجحان نہ رکھتا ہو۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی اہمیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ اس کی مخلوق بھوک اور پیاس سے مجبوری کی حالت میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لیکن جو لوگ خود ہی اپنے مسلمان

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھائیوں کا خون بہاتے ہیں یا بہانے میں مدد اور تعاون کرتے ہیں کل اللہ کے ہاں کیا جواب دیں گے؟

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں احترام زندگی کا احساس پیدا کرے۔

حل لغات:

❁ ﴿طَيِّبَاتِ﴾ طَيِّبَةٌ کی جمع ہے اور اپنے ماقبل مِنْ حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے۔اس سے مراد پاک حلال رزق ہے۔

❁ ﴿وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ﴾ میں واو عاطفہ، اُشْكُرُوْا فعل امر حاضر سے جمع مذکر، لام حرف جر، لفظ اللّٰه مجرور۔اس کا معنیٰ ہے: اور اللہ کے لیے شکر کرو۔

❁ ﴿اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ میں اِنْ شرطیہ، كُنْتُمْ فعل ناقص (ماضی) سے جمع مذکر حاضر، اِيَّاهُ میں ہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور اِيَّاه ضمیر منصوب منفصل کے تلفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ جب ضمیر منصوب اپنے عامل سے پہلے ہو یا اس پر کسی کلمے کا عطف ڈالا جائے، یا اِلَّا کے بعد آئے تو اِيَّا کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ جیسے تقدیم کی صورت میں سورۂ فاتحہ میں تعلیم دی گئی ہے۔

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ ''ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' عطف کی صورت میں سورۃ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾ (الانعام:۱۵۱)

''اور اپنی اولاد کو بھوک کی وجہ سے قتل نہ کرو۔ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی۔''

سورۂ بنی اسرائیل میں سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل:۲۳)

''تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں حجاج کا شعر بھی نقل کیا ہے۔

اِيَّاكَ اَدْعُوْ فَتَقَبَّلْ مَلَقِي
وَاغْفِرْ خَطَايَا وَكَثِّرْ وَرَقِي

(ترجمہ) میں خاص تجھے پکار رہا ہوں۔پس میری خوشامد قبول کر اور میری خطائیں معاف فرما اور میرا مال بڑھا۔

❁ ﴿تَعْبُدُوْنَ﴾ فعل مضارع سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔

❁ ﴿اَلْمَيْتَةَ﴾ سے مراد وہ حلال جانور ہیں جن کو شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو بلکہ وہ کسی اور طریقے سے مر گئے یا مارے گئے ہوں۔

❁ ﴿اَلدَّمَ﴾ سے مراد حلال جانوروں کا بہتا ہوا خون ہے۔ جیسے سورۃ الانعام میں واضح کیا گیا ہے۔:

﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (۱۴۸)﴾ ''کہ وہ بہتا ہوا خون ہو۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ﴾ مرکب اضافی ہے اور اس سے مراد سور کا گوشت ہے جو امت محمدیہ کے لیے قطعی طور پر حرام کر دیا گیا خواہ شرعی طریقے سے اس کو ذبح بھی کیا جائے۔

﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں واؤ عاطفہ، مَا بمعنی الَّذِی یعنی موصول، اُهِلَّ باب افعال سے فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب، لام حرفِ جر، غیر مضاف اور لفظ اللہ مضاف الیہ۔ جملے کے معنی ہیں: ''جو غیر اللہ کے نام پر پکارا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا۔ یہ لفظ ''هِلَالٌ'' سے ماخوذ ہے اور ہلال پہلے دن کے چاند کو کہتے ہیں۔ تاریخیں یاد رکھنے کے لیے عرب کے ہاں چاند دیکھنے کا رواج تھا اور جب چاند دیکھتے تو لوگوں میں اس کا اعلان کر دیتے۔ اسی اعلان سے ہی اِهْلَالٌ کے ''اعلان'' اور ''آواز لگانے'' کے معنیٰ ماخوذ ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد وہ جانور ہیں جو بتوں اور شیطانوں کے لیے ذبح کیے جائیں۔ امام المراغی کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن پر اللہ کے نام کے علاوہ اور نام پکارا جائے۔

امام القرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ایسے ذبیحے تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) ''ذبیحة المجوسی'' جو آگ کے لیے یا آگ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے۔

(۲) ''الوثنی'' جو کسی بت کے نام پر ذبح کیا جائے۔

(۳) ''المعطل'' جو بغیر کسی عقیدے کے ذبح کیا جاتا ہے۔ ان تینوں ہی صورتوں میں جانور حلال نہیں ہوگا۔ جیسا کہ مذکورہ حرام کردہ سے پہلے ہی ارشاد ہوا: ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ﴾ بے شک اللہ نے تم پر حرام کر دیا۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ فاء استیناف کا، مَنْ شرطیہ موصول، اُضْطُرَّ باب افتعال سے فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ غیر اسم لازم الاضافت حال ہے۔ بَاغٍ بَغٰی يَبْغِيْ سے اسم فاعل، واؤ عاطفہ، لَا نفی کا، عَادٍ عَدٰی يَعْدُوْ سے اسم فاعل، ف جواب شرط، لَا نفی جنس اور اثم اس کا اسم ہے، عَلٰی حرف جر، ہ ضمیر فَمَنْ کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنیٰ ہے: جو مجبور کیا گیا اس حال میں کہ وہ حد سے بڑھنے اور زیادتی کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

﴿غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ غَفُوْرٌ، اِنَّ کی پہلی خبر رَحِيْمٌ دوسری خبر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿174﴾

''بے شک جو لوگ وہ چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کتاب کی صورت میں نازل فرمایا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لے لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں کو آگ سے بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کو پاک ہی کرے گا اور ان کے لیے دردناک

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ ﴿175﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿176﴾

عذاب ہوگا۔ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے بدلے عذاب خریدا۔ پس وہ (جہنم کی) آگ پر کس قدر دلیر ہیں! یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور بے شک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ بہت دور کی ضد میں ہیں۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں علمائے سوء کے انتہائی برے عمل اور ان کے انجام کا ذکر ہوا ہے۔ مفسرین کا اگرچہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیات یہود کے علماء کے بارے میں نازل ہوئیں۔ لیکن قرآن حکیم میں بیان ہونے والا قانون قیامت تک جاری ساری رہے گا۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے موقع پر لوگوں کو دھوکا دیا اور حق چھپانے میں کوشاں رہے، اور آج بھی جو لوگ ان کی راہ پر چلیں گے اور حق کو مسخ کرنے کے درپے ہوں گے، ان کا انجام بھی وہی ہوگا جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے خود قرآن حکیم میں دی ہے۔

یہود و نصاریٰ کو یقین کامل تھا کہ آخری نبی علیہ السلام کی بعثت ہوگی۔ دونوں کا خیال تھا کہ وہ نبی ان میں سے ہوگا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہود میں مبعوث ہونے والے نبی تھے۔ لہٰذا ان کا اعلان یہود و نصاریٰ دونوں کی طرف سے ہی تصور کیا جائے گا۔

سورۃ الصف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴾ (الصف:٦)

''اور جب عیسیٰؑ نے کہا: اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے جو تمہارے پاس توراۃ ہے، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور تمہیں اس رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لائے (یعنی ان کو اللہ کی طرف سے ملنے والے معجزات دکھائے) تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔''

سینٹ تھیو (متی) کا بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''لوگو! میں قانون توڑنے اور نبیوں کی تعلیم کو برباد کرنے نہیں آیا۔ بلکہ اس کو پورا کرنے آیا ہوں۔''

لیکن اس وقت کے بنو اسرائیل نے نہ تو ان کی نبوت تسلیم کی اور نہ ہی ان کے معجزات پر وہ ایمان لائے بلکہ اپنی طرف سے ان کو سولی پر چڑھوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل عقیدے کی نفی قرآن حکیم میں کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدالانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں علمائے یہود اچھی طرح واقف تھے۔لیکن حرام کھانے کی عادت اتنی پڑ چکی تھی کہ حق کو تسلیم کرنے اور اس کو ظاہر کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے بلکہ اس کو پوشیدہ رکھنے پر لوگوں کے مال کھایا کرتے تھے۔

سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبة:۳٤)

''یہود ونصاریٰ کے بہت سے علماء اور راہب لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔''

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اپنے اپنے دین کے نام پر لوگوں سے مال وصول کرتے اور ان کو دین اسلام میں داخل ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے سے روکتے تھے۔ تفاسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ ان کا خیال تھا کہ اگر لوگ اسلام میں داخل ہوگئے تو ان کی دکان داری ختم ہو جائے گی۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ حق کو چھپا کر جو مال وہ کھا رہے ہیں، وہ سراسر ناجائز اور حرام ہے۔ بلکہ وہ جہنم کے انگارے ہیں جن سے اپنے پیٹوں کو بھر رہے ہیں اور اپنے آپ کو رحیم وکریم کی رحمت وکرم سے محروم کر رہے ہیں۔ قیامت کے روز جس اللہ کی بارگاہ میں انہوں نے پیش ہونا ہے وہ ان سے نہ کلام کرے گا اور نہ اس کی طرف سے ان کو پاک کرنے کا کوئی سلسلہ قائم ہوگا۔ اس دن ان پر حقیقت واضح ہوگی کہ جس کو انہوں نے ہدایت سمجھا وہ عین گمراہی تھی۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی بخشش سے تعبیر کیا وہ عین دردناک عذاب کا سبب تھا۔ تعجب کے طور پر ارشاد ہوا کہ کیسے لوگ ہیں؟ یہ جانتے ہوئے کہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا انجام جہنم کی آگ ہے۔ پھر بھی گمراہی کو اپنائے چلے جا رہے ہیں۔ درحقیقت یہ شیطان کا بہکاوا ہوتا ہے۔ وہ دنیا کو انسان کے دل و دماغ میں اس طرح مزین کر دیتا ہے کہ آخرت کی طرف انسان کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار شیطان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ عالم کو اس کے علم کے ذریعہ، قوت و طاقت والے کو اس کی قوت و طاقت کے ذریعہ۔ مال دار کو اس کی مال داری کے ذریعہ اور اسی طرح ہر فن سے تعلق رکھنے والے کے ذہن میں تکبر وغرور کو مزین کرتا ہے۔ ہر شخص یہ سمجھنا شروع کر دیتا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی عقل مند نہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی ذہین وفطین نہیں۔ اس کی قوت و طاقت اس سے کبھی چھننے والی نہیں۔ علمی میدان میں اس کا کوئی مثیل نہیں، سخاوت وثروت میں اس کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ حق کو ٹھکرانے والا برائی پر اس طرح ڈٹ جاتا ہے کہ برائی ہی اس کے لیے حق بن جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سمجھایا کہ اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں گم ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت وبخشش سے دور ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

۞ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلَّذِیْنَ اسم موصول اَلَّذِیْ کی جمع ہے، یَکْتُمُوْنَ باب نَصَرَ سے فعل مضارع جمع مذکر غائب، مَا موصولہ، اَنْزَلَ باب اِفعال سے فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب، لفظ اَللّٰهُ اس کا فاعل ہے، مِنْ حرف جار اور اَلْكِتٰبِ مجرور ہے۔ جملے کے معنی ہیں: بے شک جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ اُسے چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب میں سے نازل فرمایا:

- ﴿ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ میں واوٴ عاطفہ، يَشْتَرُوْنَ باب افتعال سے فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب، ب حرف جر، ہ ضمیر اس کی طرف راجع ہے جسے چھپانے والے چھپاتے ہیں۔
- ﴿ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ مرکب توصیفی ہے، مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور وہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں۔ شِرَآءٌ اور بَيْعٌ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ ویسے شِرَآءٌ خریدنے اور بیع عموماً بیچنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن لازم و ملزوم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے معنی میں بھی لائے جاتے ہیں۔ جیسے یہود کا معمول تھا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا حق چھپانے کے بدلے معمولی سی رقم لے لیتے ہیں۔
- ﴿ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ﴾ میں اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ ذٰلِكَ کی جمع، مَا نافیہ، يَاْكُلُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب، فِيْ حرف جر بُطُوْنِهِمْ میں هُمْ ضمیر حق کو چھپانے والوں کی طرف راجع ہے جب کہ بُطُوْنٌ، بطن کی جمع ہے، اِلَّا حرف استثناء اور اَلنَّارَ مستثنیٰ۔ جملے کا معنی ہے: نہیں کھاتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ یعنی اپنے پیٹوں میں وہ آگ ہی بھرتے ہیں۔ عربی لغت میں یہ ترکیب (نفی اور اثبات) بات کو یقینی بنانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔
- ﴿ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ میں واوٴ عاطفہ، لَا نفی کا، يُكَلِّمُ اور يُزَكِّيْ دونوں باب تفعیل سے فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کے صیغہ ہیں۔ دونوں کی ضمیر متصل هُمْ اور هِمْ حق چھپانے والوں کی طرف راجع ہیں۔ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مرکب اضافی ظرف زمان ہے۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔
- ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔
- ﴿ اِشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ﴾ میں اِشْتَرَوْا باب افتعال سے فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ بِالْهُدٰى اور بِالْمَغْفِرَةِ میں ب بدل کی ہے، الضَّلٰلَةَ اور العذاب دونوں اِشْتَرَوْا کے مفعول ہیں۔ حق کو چھپانے والوں کی مذمت کی گئی ہے کہ انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے بدلے عذاب خریدا ہے۔
- ﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ ﴾ میں بھی ضمیر انہی لوگوں کی طرف لوٹ رہی ہے اور مَا اَصْبَرَ افعال تعجب میں سے ہے۔ یعنی جہنم میں داخلے پر وہ کتنے دلیر اور ثابت قدم نظر آتے ہیں۔
- ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ سے واضح کر دیا گیا: بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے۔
- ﴿شِقَاقٍ بَعِيْدٍ﴾ مرکب توصیفی مجرور ہے کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والوں کی حقیقت بیان ہوئی ہے: ''وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔'' یعنی جس طرح کوئی کسی انتہائی گہرے گڑھے میں گر جائے تو اس کو کوئی راستہ نہیں ملتا، یہی ان کا حال ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾

’’نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق و مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ ایک شخص اللہ، یوم آخرت، ملائکہ، کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اس نے مال کی محبت کے باوجود قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں پر اور غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کیا اور اس نے نماز قائم رکھی اور اس نے زکوۃ ادا کی۔ اور وعدہ کرنے پر اپنے وعدے پورے کرنے والے اور جو تنگدستی، دکھ درد اور جنگ میں صبر کریں، وہی لوگ سچے اور وہی لوگ متقی ہیں۔‘‘

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں نیکی کا تصور بہت ہی جامع اور کامل ترین صورت میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ اسلامی معاشرے کی بہترین عکاسی ہوئی ہے۔ اس دور میں بھی اگر اہل اسلام قرآن حکیم کی اس آیت کے مطابق ایمان داری کے ساتھ عمل کرنا شروع کر دیں تو ہمارا معاشرہ بھی مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔

تفاسیر میں منقول ہے کہ جب مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا لیا تو یہود و نصاریٰ نے اعتراض کیا...... جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔۔ یہاں ان کے اعتراض کے جواب میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اسلام کی روح اور اس کا جوہر ہے۔ معاشرے کو ہر قسم کے بگاڑ سے بچانے کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ ایسے ایمان و عمل کی صورت ہے جس میں دنیا اور آخرت کے سنورنے کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور ان جیسے لوگوں پر واضح کر دیا کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لینے سے انسان نیک نہیں ہو جاتا۔ بلکہ نیکی کے حصول کے لیے بنیادی شرط ایمان کا صحیح اور کامل ہونا ہے۔ حقیقی ایمان یہ ہے کہ کل کائنات کے خالق و مالک اور تمام مخلوق کے رازق کی وحدانیت پر ایمان ہو۔ اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ یوم آخرت یعنی قیامت کے واقع ہونے اور اس کے بعد دنیا میں کیے گئے اعمال کے مطابق جزا و سزا پانے پر ایمان ہو۔ یوم آخرت کا تصور اگر ختم ہو جائے تو انسان دنیا میں اپنی اصلاح کرنے سے بے نیاز ہو جائے۔ یوم آخرت کا وقوع ہی اس کو برائی سے روکنے کا سبب بنتا ہے۔ ملائکہ پر ایمان اس لیے ضروری ہے کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق ہے جو ہر وقت اس کی عبادت میں لگی رہتی ہے اور وہ وہی کچھ کرتی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملتا ہے۔ انسان کی طرح نیکی یا بدی کو اپنانے میں اس کو کوئی اختیار نہیں۔ وہ صرف اطاعت

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزار ہے۔ انسانوں کے بارے میں قیامت کے روز اس مخلوق کو جو حکم ملے گا، اس کے مطابق عمل ہوگا۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جسے یہ شرف حاصل ہے کہ قیامت تک اس میں تحریف نہیں ہوگی۔ دنیا میں صرف یہی ایک واحد الہامی ایسی کتاب ہے جو معمولی تغیر وتبدل سے بھی محفوظ رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نزول کے ساتھ ہی اس کی حفاظت کا خود ہی ذمہ لے لیا تھا۔ سورۃ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ (الحجر:۹)

''بے شک ہم ہی نے یہ ذکر نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو ذکر کہہ کر اس کی اہمیت کو مزید بڑھایا کہ یہ بار بار پڑھی جانے والی کتاب ہی نہیں۔ بلکہ پڑھنے والوں کے لیے نصیحت یعنی انسانوں کو صحیح راہ پر قائم رکھنے اور شیطانی راہ سے بچانے والی ہے۔ نبیوں پر ایمان نہ ہوتو اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے حاصل ہوگی؟ کیونکہ نبیوں ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنی مخلوق کی راہنمائی فرمائی۔ اسی لیے سورۃ النساء میں ارشاد ہوا:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (النساء:۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی۔ اس نے بے شک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

لہٰذا نبیوں پر ایمان رکھنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پر ہو۔ اس آیت میں ایمان کو نیکی قرار دینے کے ساتھ عملی نیکی کا بھی ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعۂ معاشرہ مستحکم ہوتا ہے۔ مال چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اسی کی دین ہوتی ہے۔ اس لیے اس نے مال داروں کے مال میں اپنی غریب مخلوق کا بھی حصہ رکھا ہے۔ مال کی محبت ہر انسان کے دل میں پائی جاتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ مال کی محبت و رغبت رکھنے کے باوجود جو انسان اپنے نادار قریبی رشتہ داروں، مساکین، مسافروں، سوال کرنے کا والوں اور غلاموں کی آزادی پر مال خرچ کرتا ہے وہی حقیقی طور پر نیک ہے۔

یہاں اس بات کا بھی خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے سے دوہرا ثواب ملتا ہے: ایک مال خرچ کرنے اور دوسرا صلہ رحمی کرنے کا۔

اسی طرح مسکین وہ ہوتا ہے کہ کمائی تو کرتا ہے لیکن اس کی کمائی اس کے گھر والوں کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ سفید پوش ہونے کی بنا پر نہ کسی سے مانگ سکتا ہے اور نہ ہی عام سائلوں کی طرح ہاتھ پھیلا سکتا ہے۔ لہٰذا مال داروں پر ایسے افراد کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ ایمان کے ساتھ مال خرچ کرنا اور ضرورت مندوں تک پہنچانا ہی اصل نیکی ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ افضل صدقہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صحت اور مال داری کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرے۔'' (صحيح البخارى، كتاب الزكوة، باب فضل صدق، الشحيح الصحيح، حديث:١٤١٩، صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب بيان أن أفضل الصدقة صدقة الصحيح الشحيح، حديث ١٠٣٢)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مال داروں کا فرض ہے کہ اپنے معاشرے کے ضرورت مند بہن بھائیوں کی مدد کریں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ کوئی مسلمان یا انسان ایمان کا دعوے دار ہو اور مستحق لوگوں پر مال بھی خرچ کرتا ہو تو کیا نماز اور زکوٰۃ کی اس کو ضرورت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے شک کو دور کر دیا کہ نماز اور زکوٰۃ کے بغیر حقیقی نیکی کا حصول ممکن نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزکوٰۃ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جسے کر کے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی گئی نماز پڑھتا رہ۔ فرض کردہ زکوٰۃ ادا کرتا رہ اور رمضان کے روزے رکھ۔'' (صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ ، باب وجوب الزکاۃ ، حدیث:۱۳۹۷)

اس اعرابی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں اس پر کچھ نہیں بڑھاؤں گا۔ جب وہ رخصت ہونے کے لیے مڑا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کو دیکھ لے۔

جس معاشرے میں بدعہدی کی وبا عام ہو۔ وہ معاشرہ کبھی بھی مستحکم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ انسان کا سارا معاملہ عہد ہی پر چلتا ہے۔ دین کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے عہد ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی انسان کا کسی انسان سے بدعہدی کرنا دھوکا ہوتا ہے۔ اسلام میں ایسے شخص کو منافق کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے منافق کی تین نشانیاں بتائیں ہے:

((إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، إِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قوله تعالیٰ ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُونُوا...... ﴾ حدیث:۶۰۹۵، صحیح مسلم، کتاب الإیمان ، باب خصال المنافق، حدیث: ۵۹)

''جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے اس کو نہ نبھائے اور جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے۔''

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴾ (بنی اسرائیل:۳۴)

''وعدے کے بارے میں سوال ہوگا۔''

لہٰذا عہد کا پورا کرنا نیکی کا حصہ ہے۔ چونکہ انسان عموماً بے صبر اور کمزور ہوتا ہے۔ اس لیے نیکی کا کمال صبر کے بغیر نہیں ہوتا جو اپنی پیدائشی کمزوری پر قابو پاتے ہوئے مختلف مصائب میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں اعلان کرتا ہے کہ وہی سچے اور وہی متقی ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ مذکورہ صفات سے ہمیں نواز دے۔

حل لغات:

- ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ﴾ میں لَيْسَ فعل ناقص ہے اس کا مضارع نہیں ہے بلکہ یہ ماضی کی صورت میں ہی مضمون کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ الْبِرُّ سے مراد ہر قسم کی نیکی اور بھلائی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَنْ تُوَلُّوْا میں اَنْ ناصبہ، تُوَلُّوْا، باب تفعیل سے فعلِ مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ وُجُوْھَکُمْ اس کا مفعول ہے۔ قِبَلَ اسم جہت مضاف اور اَلْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اس کا مضاف الیہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف کرلو۔

❀ ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ میں واؤ عاطفہ، لٰكِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اسی کی وجہ سے الْبِرَّ کے آخر میں زبر آئی ہے۔ مَنْ اسم موصول، اٰمَنَ فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب، باللہ میں ب حرفِ جر اور لفظ اللہ مجرور معطوف علیہ اور یوم آخرت ملائکۃ الکتاب و النبیین معطوف ہیں۔ جملے کا معنی ہے: نیکی اس کی ہے جو اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، ملائکہ، کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔

❀ ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ میں واؤ عاطفہ، اٰتَى فعل ماضی سے صیغہ واحد مذکر غائب، الْمَالَ اس کا مفعول، عَلٰى حرف جر، حُبِّهٖ اس کا مجرور ہے۔ حُبِّهٖ کی ضمیر ہ کو اگر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے تو معنی اللہ کی محبت ہوگا اور اگر مال کی طرف لوٹایا جائے تو مال کی محبت ہوگا۔ ذَوِي الْقُرْبٰى اپنے جملہ معطوفات کے ساتھ مل کر مفعول ثانی ہوگا۔

❀ ﴿وَالْمُوْفُوْنَ﴾ باب افعال (اَوْفٰى يُوْفِيْ اِيْفَاءً) سے اسم الفاعل جمع مذکر کا لفظ ہے۔

❀ ﴿عَاهَدُوْا﴾ ع ہ د کے مادے سے باب مفاعلہ کا فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔

❀ ﴿الْبَاْسَآءِ﴾ سے مراد تنگدستی

❀ ﴿اَلضَّرَّآءِ﴾ سے مراد تکلیف، دکھ، درد ہے۔

❀ ﴿حِيْنَ الْبَاْسِ﴾ سے مراد جنگ میں دشمن کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف اور مشکلات ہیں۔

❀ ﴿الْمُتَّقُوْنَ﴾ المتقی کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ کے خوف اور محبت سے معمور ہوتے ہیں اور اسی کے تحت وہ نیکی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور گناہ کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿178﴾ وَلَكُمْ فِي	''اے ایمان والو! مقتولوں کا قصاص لینا تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت (قصاص لینا ہوگا)۔ پس جس کسی کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو معروف طریقہ سے اس کی اتباع کرنی ہوگی اور اُن (مقتول کے لواحقین) کی طرف دیت بھی اچھی طرح ادا کرنی ہوگی۔ تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے۔ پس جو کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾	اس کے بعد زیادتی کرے گا اس کے لیے درد ناک عذاب ہوگا۔ اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (قتل ناحق سے) بچ جاؤ۔''

تشریح:

دنیا میں اس وقت جتنے بھی قوانین ہیں وہ تمام وضعی یعنی انسان کے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ جب کہ اسلامی قانون اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ انسان کا خالق ہے، اس لیے وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا قانون اس کی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ انسانی معاشرے کو قتل و غارت اور ظلم و زیادتی سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے اس نے قصاص کا قانون فرض کرتے ہوئے اہل ایمان پر واضح کر دیا کہ اسی میں حیات ہے۔ اسی کے ذریعے معاشرے میں امن و امان قائم رہے گا اور انسانی جانوں کو کوئی خطرہ نہ ہوگا کیونکہ قتل و غارت کرنے والوں کو معلوم ہوگا کہ جیسے ہی وہ قانون کے شکنجے میں آئیں گے تو اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔ کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہ ہوگی۔ قاتل آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، اس کو مقتول کے لواحقین کے حوالے کیا جائے یعنی ان کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا جائے گا۔ مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کریں یعنی حاکم کے ذریعے کرائیں یا اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب پانے کے لیے اس کو معاف کر دیں یا ضائع ہونے والی جان کے بدلے دیت یعنی شرعی معاوضہ لینے پر راضی ہو جائیں۔ ان تین کے علاوہ چوتھی کوئی صورت نہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے قصاص کے بارے میں لکھا ہے:

" لَاخِلَافَ اَنَّ الْقِصَاصَ فِي الْقَتْلِ لَا يُقِيْمُهُ اِلَّا اُولُوا الْاَمْرِ."

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قتل کا قصاص صاحبِ اختیار و اقتدار ہی قائم کریں گے۔''

یعنی قاتل کو گرفتار کر کے قاضی کی عدالت میں پیش کیا جائے اور قاضی لواحقین کی خواہش کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ مقتول کے لواحقین کو اپنے طور پر اپنی خواہش پورا کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے فساد کے کم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھنے اور پھیلنے کا خطرہ ہوگا۔ جیسا کہ عموماً پرانی دشمنی کی بنا پر مختلف گروہوں اور خاندانوں کے درمیان ہوتا رہتا ہے۔

سورۃ المائدہ میں مزید وضاحت ہوتی ہے:

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (المائدہ:٤٥)

''اور ہم نے ان پر کتاب میں لکھ دیا (یعنی ان پر فرض کر دیا) کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور دوسرے ہر زخم کا قصاص لیا جائے گا۔ پس جو معاف کر دے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ اللہ نے جو نازل فرمایا اس کے مطابق جو فیصلہ نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں گے پس وہی لوگ ظالم ہوں گے۔"

یہود کی بدنصیبی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق عمل نہ کیا لیکن جب سیدالانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن حکیم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے مطابق قوانین نافذ کر کے ایک مثالی معاشرہ قائم کر دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب الدیات میں ایک یہودی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک لڑکی کے زیورات اتارنے کے لیے پتھر سے اس کا سر کچل دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس لڑکی کو لایا گیا۔ تو اس میں زندگی کے آثار کچھ باقی تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تجھے فلاں نے مارا؟ لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ آپ نے دوسرا نام لیا تو اس نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ لیکن جب یہودی کا نام لیا تو اس نے سر کے اشارے سے ہاں کر دی۔ اس یہودی کو پکڑ کر آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔

((فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتّٰى أَقَرَّ، فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ)) (صحيح البخاري، كتاب الديات، باب سؤال القاتل حتى يقر ...... حديث: ٦٨٧٦)

"آپ برابر اس سے پوچھ کچھ کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے قتل کا اقرار کر لیا۔ پس اس کا سر بھی پتھروں سے کچل دیا گیا۔"

اس واقعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تفتیش اس انداز میں ہونی چاہیے کہ قاتل یا مجرم خود ہی اپنے گناہ کا اعتراف کرے یا اس پر گواہی ایسی قائم ہو جائے کہ اعتراف کے بغیر اس کو کوئی چارہ نہ رہے۔

اسلامی قانون میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر ایک جان کے قتل میں کئی افراد شریک ہوں تو ان سب پر فرد واحد والا قانون لگے گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۲/ ۲۲۷، ۲۲۸) میں ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے: اہل صنعاء میں سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے بدلے سات افراد کو قتل کرایا۔ موطا امام مالک کی روایت کے مطابق انہوں نے پانچ یا چھ اشخاص کو ایک شخص کے قتل کے بدلے قتل کرایا جنہوں نے دھوکے سے اسے قتل کیا تھا۔ یہ بھی منقول ہے کہ یعلی بن امیہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے یمن پر عامل تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا تو انہوں نے امیرالمومنین سے راہنمائی چاہی۔ امیرالمومنین نے قتل میں شریک سب کی گردنیں مارنے کا حکم دے دیا۔

صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غلام دھوکے سے قتل کر دیا گیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

((لَوِ اشْتَرَكَ فِيهَا أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ۔)) "اگر اس قتل میں سارے اہل صنعاء شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کے جرم میں قتل کر دیتا۔" (صحيح البخاري، كتاب الديات، باب إذا أصاب قوم من رجل: هل يعاقب أو يقتص، منهم كلهم؟ حديث:٦٨٩٦)

اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام میں انسانی جان کی کتنی اہمیت ہے اور اسلامی قانون مظلوم کو فوراً انصاف مہیا کرتا ہے۔

بخاری مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فِي الدِّمَاءِ)) "قیامت کے دن سب سے پہلے خون کے بارے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ کیا جائے گا۔'' یعنی قاتل و مقتول کا معاملہ طے ہوگا۔(صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب قوله تعالٰی ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾ حدیث:٦٨٦٤صحیح مسلم، کتاب القسامة والمحاربین، باب المجازاة بالدِّمَاءِ فی الآخِرَةِ...... حدیث:١٦٧٨)

دیت کے بارے میں اہل ایمان کو تعلیم دی گئی ہے کہ اس کے طلب کرنے میں ایسا طریقہ نہ اپنایا جائے جس سے معاملہ مزید بگڑ جائے یا فتنہ وفساد کا خدشہ ہو جائے۔ بلکہ اچھے انداز میں اس کا تقاضا کیا جائے اور جب معاملہ طے ہو جائے تو دیت کی ادائیگی میں حیل و حجت سے اجتناب کرتے ہوئے احسن طور پر معاملے کو سمیٹ دیا جائے۔ تاکہ کشیدگی ختم ہو جائے۔

عرب میں ایسے بھی واقعات ہوئے کہ مقتول کے لواحقین نے دیت وصول کرنے کے باوجود قاتل کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی کیونکہ یہ بدترین قسم کی عہد شکنی ہے۔ قصاص کی حکمت اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان کر دی کہ تمہارے دلوں میں خوف پیدا ہو جائے اور تم خون خرابے سے بچ جاؤ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ میں يٰٓاَيُّهَا حرف ندا ہی کی صورت ہے ویسے تو کسی کو پکارنے یا آواز دینے کے لیے ''یا'' استعمال ہوتا ہے۔ جیسے يَا زَيْدُ۔ یا حرفِ ندا اور زَيْدُ منادی کہلاتا ہے اور منادی کے آخر پر پیش آتی ہے۔ اگر منادی مضاف یا نکرہ غیر معین ہو تو پھر منصوب ہوگا یعنی اس کے آخر پر زبر ہوگی۔ جیسے: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اور اگر منادی معرف باللام ہو تو درمیان میں اَيُّهَا یا اَيَّتُهَا لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے خطاب میں يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ اگر منادی معرف باللام مؤنث ہو تو پھر حرف ندا میں تائے تانیث بھی لائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
- ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ یعنی اے نفس مطمئنہ۔ یہاں مومنوں سے خطاب ہے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے۔ یعنی اے ایمان والو!
- ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى﴾ میں كُتِبَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ عَلٰى حرف جر، كُمْ ضمیر مومنوں کی طرف راجع ہے۔ اَلْقِصَاصُ سے مراد بدلہ لینا ہے۔ فی حرف جر اور اَلْقَتْلٰى قتیل کی جمع ہے اور لفظ مؤنث تانیث الجماعہ ہے۔ جیسے جریح کی جمع جرحٰی. صَرِيْع کی جمع صرعیٰ اور غَرِيْق کی جمع غرقٰی آتی ہے۔ كُتِبَ یہاں فرض کے معنی میں آیا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: مقتولوں کا بدلہ لینا تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔
- ﴿اَلْحُرُّ﴾ سے مراد آزاد مرد، اَلْعَبْدُ سے مراد غلام اور الْاُنْثٰى سے مراد عورت ہے۔
- ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ﴾ جملہ شرطیہ ہے۔
- ﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ﴾ جواب شرط ہے۔ یعنی جس کسی کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی گئی تو معروف طریقہ سے اس کی اتباع ہونی چاہیے اور مقتول کے ورثاء کو اچھے انداز میں دیت ادا ہونی چاہیے۔

- ﴿ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ میں ذلک اسم اشارہ اور باقی جملہ مشارالیہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تمہارے رب کی طرف تخفیف اور رحمت ہے۔
- ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ﴾۔ جملہ شرطیہ اور
- ﴿فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ جواب شرط ہے۔ یعنی جس نے دیت لینے کے بعد زیادتی کی پس اس کے لیے درد ناک عذاب ہوگا۔
- ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ میں یٰاُولِي الْاَلْبَابِ کے ذریعے عقل خاص والوں سے خطاب ہے۔ یا حرف ندا۔ اولی منادی مضاف اور الباب لُبّ کی جمع مضاف الیہ ہے۔ جملے کا معنیٰ ہے: اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے حیات یعنی زندگی کی بقا ہے۔
- ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کا عمومی معنی ہے تاکہ تم متقی پرہیز گار بن جاؤ۔ لیکن یہاں اس سے مراد ہے تاکہ تم قتل ناحق سے بچ جاؤ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿180﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿181﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿182﴾	”جب تمہارے کسی ایک پر موت کا وقت آ جائے، اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو تمہارے اوپر فرض ہے کہ تم والدین اور قریبیوں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جاء، یہ متقین پر حق ہے۔ پس جس نے وصیت کو سننے کے بعد اس کو بدل دیا تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ جو کوئی وصیت کرنے والے کی طرف سے وصیت میں جانبداری اختیار کرنے یا گناہ کا مرتکب ہونے کا خطرہ محسوس کرے تو وہ ان کی اصلاح کر دے (جن کے بارے میں وصیت کی گئی تھی) تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔“

تشریح:

سورۃ البقرہ کی یہ آیات مبارکہ ان آیات میں سے ہیں جن کی تلاوت تو کی جاتی ہے لیکن ان پر عمل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں دیئے گئے حکم کو سورۃ النسآء کی آیت ۱۱ اور ۱۲ سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں اسی کے مطابق عمل ہوتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلم آدمی پر حق ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی ایسی شے ہو جس کے بارے میں وصیت ہونی چاہیے تو اس پر دو راتیں بغیر وصیت کے گزرنی نہیں چاہئیں۔ بلکہ اس کے بارے میں اس کے پاس لکھی ہوئی وصیت موجود ہونی چاہیے۔'' (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا، و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وصیة الرجل مکتوبة عنده......حدیث:۲۷۳۸)

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((کَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَ کَانَتِ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ ، فَنَسَخَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ مَا أَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّکَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ ، وَ جَعَلَ لِلْأَبَوَیْنِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ ، وَ جَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَ لِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ ۔)) (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب لا وصیة لوارث، حدیث:۲۷۴۷)

''میت کے مال کا وارث اس کا بیٹا ہوتا تھا اور والدین کے لیے وصیت کی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جو پسند فرمایا منسوخ کر دیا، پس دو عورتوں کے حصے کو ایک مرد کے حصے کے برابر کر دیا۔ والدین میں سے ہر ایک کو ۱/۶ حصہ کا حق دار بنا دیا۔ میت کی اگر اولاد ہو تو بیوہ کو ۱/۸ اور اگر اولاد نہ ہو ۱/۴ حصہ دلوا دیا۔ اسی طرح اگر میت بیوی کی ہو اور اس کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں خاوند کو آدھا حصہ اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ کا حق دار بنا دیا۔ آیات میراث میں اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے حصے خود ہی مقرر کر دیے۔''

سورۃ النسآء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ کَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴾ (النساء:۷)

''مردوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی چھوڑیں۔ عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی چھوڑیں اور حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے۔''

اس کی مزید وضاحت یوں ہوتی ہے:۔

﴿ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ ۗ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَ لِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ...... ﴾ (النساء:۱۱)

''اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں حکم فرماتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے اس میں سے جو میت نے چھوڑا دو تہائی حصہ ہوگا اور اگر لڑکی ایک ہی ہو تو وہ آدھے حصے کی وارث ہوگی اور والدین میں سے ہر ایک کے لیے میت کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اگر اس کی اولاد ہو تو چھٹا چھٹا حصہ ہوگا۔ اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف والدین ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ ملے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا۔ (باقی والد کو مل جائے گا)''

اگلی آیت میں زوجین کی وراثت کو بھی واضح کر دیا گیا:

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ...... ﴾ (النساء:١٢)

''اور تمہارے لیے اس میں سے نصف حصہ ہوگا جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اگر ان کی اولاد ہو تو انہوں نے جو وصیت کی ہو یا ان پر کوئی قرض ہو تو اس سے ان کو سبکدوش کرنے کے بعد تمہارے لیے ایک چوتھائی حصہ ہوگا۔''

﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ...... ﴾ (النساء:١٢)

''اور جو تم چھوڑ جاؤ اس حال میں کہ تمہاری اولاد نہ ہو تو اس میں سے تمہاری بیویوں کو ایک چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر ان کو آٹھواں حصہ ملے گا۔''

میت اگر کلالہ ہو اور مذکورہ ورثاء کی بجائے اس کی ماں کی طرف سے ایک بہن اور ایک بھائی ہو تو ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ...... ﴾ (النساء:١٢)

''تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر وہ دو سے زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی میں سب شریک ہوں گے۔ لیکن اس سے پہلے میت کی طرف سے کی گئی وصیت کو پورا کیا جائے گا اور اگر اس پر کوئی قرض ہو تو وہ اتارا جائے گا۔''

یہ بھی خیال رکھا جائے گا کہ تقسیم میں کسی کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اگر ایسی کلالة ہو جس کے حقیقی بہن بھائی یا ان میں سے کوئی ایک موجود ہو تو ان کے لیے وہی اصول رکھا گیا ہے جو میت کی اولاد کے وارث ہونے کی صورت میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ورثاء کا حق اور ان کو ملنے والے حصوں کی وضاحت کے ساتھ غیر ورثاء کے بارے میں وصیت کے معاملے کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع والے سال مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت اس بیماری میں کیا کرتے تھے جس نے شدت اختیار کر لی اور میں اس جگہ مرنا نہیں چاہتا تھا جس سے میں نے ہجرت کی تھی۔ ایک دفعہ جب آپ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا. اللہ نے مجھے مال دار بنایا ہے اور میری صرف ایک ہی بیٹی ہے جو میری وارث ہوگی۔ کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے عرض کیا: تو آدھا کیے دیتا ہوں۔

آپ ﷺ نے پھر انکار فرمایا۔ میں نے عرض کیا:

تو ایک تہائی کر دوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلثُّلُثُ کَبِیْرٌ اَوْ کَثِیْرٌ۔))

''ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے۔''

آپ نے فرمایا: تیرے لیے بہتر ہے کہ تو اپنے وارثوں کو اس حال میں چھوڑے کہ وہ غنی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ یعنی اگر تو نے سارا مال یا مال کا اکثر حصہ صدقہ کر دیا تو ورثاء غربت کی وجہ سے لوگوں کی اعانت کے محتاج ہو جائیں گے۔ (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالثلث، حدیث: ۲۷۴۴)

اس حدیث مبارک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقی اولاد کے علاوہ جو رشتہ میں قریب ہوتے ہیں، حقیقی اولاد کی غیر موجودگی میں وہ بھی وارث ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا! ان کو ان کے حق سے محروم کرنے کے لیے ایک تہائی وصیت سے زیادہ کی اسلام میں اجازت نہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی نیک اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے لیکن وصیت میں ظلم کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اسی پر خاتمہ کی بنا پر جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر سال برے اعمال کو اپناتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کا خاتمہ بھلائی پر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ جنتی بن جاتے ہیں۔ یہ بیان کرنے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اگر چاہو تو قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ لو:

﴿ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹)

''یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، ان سے تجاوز مت کرو۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں، پس وہی لوگ ظالم ہیں۔''

اسی لیے اگر کسی کی وصیت میں کوئی بات قرآن و سنت کی تعلیم کے خلاف دیکھی جائے گی تو اس کی اصلاح ضروری ہو جائے گی۔ ابن ماجہ میں بھی ستر سال ہی مروی ہیں لیکن ترمذی اور ابوداؤد میں جو روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں ستر کی بجائے ساٹھ سال کا ذکر ہوا ہے اور سورۃ البقرہ والی آیت کی بجائے سورۃ النساء کی آیت میراث کا آخری حصہ مذکور ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَطَعَ مِيْرَاثَ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔)) (مشکوٰۃ المصابیح، باب الوصایا)

''جس نے وارث کی میراث کو قطع کیا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کو قطع کرے گا۔''

صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت ابن ماجہ اور امام بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے نقل کر کے اہل ایمان کو وراثت کے بارے میں ظلم کرنے والے ظالموں کے انجام سے آگاہ کر دیا ہے تاکہ وہ اس طرح کے ظلم سے بچتے رہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت میراث میں وصیت کا قرض سے پہلے ذکر ہوا ہے۔ اس سے شاید یہ تاثر ملے کہ وراثت میں سے پہلے میت کی وصیت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ یہ بات درست نہیں۔ سب سے پہلے میت پر اگر کچھ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے گا۔ صحیح بخاری میں اس کی وضاحت یوں موجود ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ)) ''بے شک نبی کریم ﷺ نے وصیت سے پہلے میت کا قرض ادا کیا یا کرنے کا حکم فرمایا۔'' (صحیح البخاری،کتاب الوصایا، باب تاویل قولہ تعالیٰ ﴿من بعد وصية يوصى بها أو دين......﴾)

ویسے بھی فرمانِ الٰہی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا.﴾ (النساء:۵۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے مالکوں کو ادا کرو۔''

((فَاَدَاءُ الْاَمَانَةِ اَحَقُّ مِنْ تَطَوُّعِ الْوَصِيَّةِ۔))

''لہٰذا وصیت کے مطابق عمل کرنے سے زیادہ حق امانت کی ادائیگی کا ہے۔''

سورۃ البقرہ کی آیات مذکورہ کا حکم اگرچہ منسوخ ہے لیکن ایک بڑی اہم بات ضرور اجاگر ہوتی ہے کہ مرنے سے پہلے والدین اور قریبیوں کی دیکھ بھال کا بندوبست کرنے کا حکم اہل اسلام کو اس وقت دیا گیا جب دوسرے مذاہب یا اہل عرب میں اس کا تصور نہ تھا۔ اسلامی ریاست کے مستحکم ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے حصے خود معین کر کے اسلام کو دنیا کا بہترین دین بنا دیا۔ اسی لیے اسلامی تعلیم کے مطابق عمل کرنے والی ریاست کو فلاحی ریاست کہا جاتا ہے ۔دعا ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری ریاست کو بھی دنیا کی بہترین اسلامی فلاحی ریاست بنا دے۔

حل لغات:

- ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ﴾ میں كُتِبَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب ۔ عَلٰی حرف جر اور كُمْ ضمیر مخاطب کی یعنی اہل ایمان ہی سے خطاب ہے۔ اسی لیے امام قرطبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: كُتِبَ سے پہلے واؤ عاطفہ محذوف ہے۔ جملے کا معنی ہے: تم پر فرض کیا گیا۔
- ﴿اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ میں اِذَا مبنی ہے اور جب یہ فعل ماضی پر آئے تو معنی مستقبل میں کر دیتا ہے اور شرط کی صورت بھی اس میں موجود ہوتی ہے۔ حَضَرَ فعل ماضی واحد مذکر غائب ۔ الْمَوْتُ اس کا فاعل اور اَحَدَ اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب تم میں سے کسی ایک کو موت کا وقت آ جائے۔
- ﴿اِنْ تَرَكَ خَيْرًا﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ تَرَكَ فعل ماضی واحد مذکر غائب، خَيْرًا اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اگر اس نے مال چھوڑا۔
- ﴿الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اَلْوَصِيَّةُ سے مراد موت کے واقع ہونے سے پہلے اپنی جائداد اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال وغیرہ کے بارے میں ہدایت دینا ہے کہ اس کو کس طرح تقسیم کرنا ہے۔

❁ ﴿حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ حَقًّا مصدر مؤکد منصوب ہے۔ جملے کا معنی ہے: معروف طریقہ پر والدین اور قریبیوں کے لیے متقین پر وصیت کرنا حق ہے۔

❁ ﴿فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ﴾ میں بَدَّلَ اور سَمِعَ دونوں فعل ماضی واحد مذکر غائب ہیں اور دونوں کی متصل ضمیریں "ہ" وصیت کی طرف راجع ہیں۔ کیونکہ اَلْوَصِيَّةُ بمعنی اَلْاِيْصَاء ہی ہے اور یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب ہے۔

❁ ﴿فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ﴾ شرط اور جواب کا معنی ہے: پس جس کسی نے وصیت کے بارے میں جو کچھ سنا، اس کے بعد پھر اس کو بدل دیا تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس کو بدل دیتے ہیں۔

❁ ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ میں اِنَّ مشبہ بالفعل جو مضمون جملہ کی تحقیق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ سَمِيْعٌ اِنَّ کی پہلی اور عَلِيْمٌ دوسری خبر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: "بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔"

❁ ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ خَافَ فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اصل میں یہ خَوَفَ تھا۔ واو متحرک اور ما قبل مفتوح کی وجہ سے واو، الف ہوگئی۔ مِنْ حرف جر۔ مُّوْصٍ، اَوْصٰى يُوْصِيْ سے اسم فاعل ہے۔ جَنَفًا سے مراد وصیت کرتے ہوئے کسی کی جانبداری کرنا یا جانب داری کی طرف مائل ہونا ہے اور اِثْمًا سے مراد گناہ ہے اور یہ دونوں خاف کے مفعول ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی کے حق میں زیادہ مائل ہونے یا گناہ کا مرتکب ہونے کا اندیشہ ہو۔

❁ ﴿فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ اَصْلَحَ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ بَيْنَهُمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں وصیت کی گئی تھی۔ جملے کے معنی ہیں: پس اس نے ان کے درمیان اصلاح کی تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿183﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿184﴾

"اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ گنتی کے چند دن ہیں۔ تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہو، وہ اور دنوں میں گنتی پورے کرے، اور جو طاقت رکھتے ہیں، وہ فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ جو رضا کارانہ طور پر نیکی کا کام کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اگر تم جانو تو روزے رکھنا تمہارے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾

لئے افضل ہوگا۔رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کی ہدایت کی خاطر اور ہدایت کی نشانیاں اورحق وباطل میں فرق کرنے والا بنا کر۔پس تم میں سے جو رمضان کو پائے اس پر فرض ہے کہ اس کے روزے رکھے۔جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہوتو دوسرے دنوں میں گنتی کو پورا کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اورتم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔اورتا کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائی بیان کرو اورتا کہ تم شکر کرو۔''

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں رمضان مبارک کے روزوں کی فرضیت اور بابرکت مہینے کی فضیلت کاذکر ہوا ہے اور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ امت محمدیہ سے پہلے جو امتیں تھی ان پر بھی روزے فرض تھے۔موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے گئے تو انہوں نے روزے رکھے۔عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان سے مائدہ کے نزول کی درخواست کرتے ہوئے روزے رکھے جیسا کہ تفاسیر میں منقول ہے۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔آپ نے ان سے اس روزے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ دن تو بڑا ہی صالح ہے۔اس دن اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی۔چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا۔آپ نے فرمایا:

((فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ ، وَ أَمَرَبِصِيَامِهِ)) (صحيح البخارى، كتاب الصوم باب صوم يوم عاشوراء، حديث:٢٠٠٤)

''میں تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کا حقدار ہوں۔پس آپ نے روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو رکھنے کا حکم دیا۔''

بخاری ہی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے،رسول اللہ ﷺ بھی رکھا کرتے تھے۔جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو آپ نے وہی روزہ رکھا اور رکھنے کا حکم فرمایا۔لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔جس نے چاہا رکھا اور جس نے چاہا چھوڑ دیا۔دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:'' جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔''(صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء، حديث:١٨٩٣، ٢٠٠١، ٢٠٠٢)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفاسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ آغاز اسلام میں ہر مہینے تین روزوں کے ساتھ عاشورا کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو ان کا حکم منسوخ ہوگیا اور ان کو نفلی عبادت کی صورت دے دی گئی۔ آغاز اسلام میں یہ بھی اجازت ہوتی تھی کہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے کے باوجود اگر کوئی چاہتا خود تو روزہ نہ رکھتا لیکن اس کے بدلے میں کسی مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوگئے تو پھر یہ رخصت ان لوگوں تک محدود ہوگئی جو انتہائی بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ جہاں تک وقتی بیماری یا عورتوں کے حیض اور نفاس کا تعلق تھا یا کوئی سفر میں ہونے کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکتا تھا یا اور کوئی شرعی عذر ہوتا تھا۔ تو اس شخص کو اجازت مل گئی کہ وہ رمضان المبارک کے بعد ان روزوں کی قضا کرے جو رمضان المبارک میں اس سے رہ گئے تھے۔ جو لوگ بلاوجہ فرضی روزے چھوڑ دیتے ہیں ان کے بارے میں صحیح بخاری ہی کی روایت ہے:

((مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا فِي رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَإِنْ صَامَهُ۔))

"جس کسی نے رمضان المبارک کا ایک روزہ بیماری یا عذر کے بغیر چھوڑ دیا تو وہ سارا سال روزے رکھنے کے باوجود اس چھوڑے ہوئے روزے کی کمی کو پورا نہیں کرسکتا۔" (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب، إذا جامع فی رمضان)

بخاری مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو آسمان اور جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔" (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب هل یقال رمضان أو شهر رمضان؟ و من رأی ...... حدیث: ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل شهر رمضان، حدیث: ۱۰۷۹)

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنے والا شیاطین کے وسوسوں سے مامون ہو جاتا ہے۔ روزہ داروں کا جنت میں داخلہ آسان ہو جاتا ہے۔ روزہ ہی ایسی عبادت ہے جس میں اور کوئی دخیل نہیں ہوتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اعلان کر دیا۔

((فَإِنَّهُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ))

"روزہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا جزا دوں گا۔" (صحیح البخاری، باب هل يقول إنی صائم، إذا شتم، حدیث: ۱۹۰۴، صحیح مسلم، باب فضل الصیام، حدیث: ۱۱۵۱)

اتنے بڑے اعلان کے باوجود جو روزے نہ رکھے تو اس سے بڑھ کر بدقسمت کون ہوسکتا ہے! صحیح بخاری میں یہ بھی مروی ہے کہ "جس نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان المبارک کے روزے رکھے اور راتوں کو قیام کیا اس کے جتنے پہلے گناہ ہوتے ہیں ان کو معاف کر دیا جاتا ہے۔" (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان إیمانا و احتسابا ...... حدیث: ۱۹۰۱)

رمضان المبارک کی دوسری فضیلت اور برکت یہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ جس میں پہلی قوموں کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعات بیان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو نعمتوں سے نوازا۔لیکن انہوں نے شکر کرنے کی بجائے سرکشی کو اپنایا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں کے ذریعے ملنے والے پیغام کو ٹھکرایا۔جس کے نتیجے میں ان کا نام ونشان مٹادیا گیا۔ان کی قوت وطاقت ان کے کام نہ آئی اور جنہوں نے اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے جھکا دیا،اس کی بندگی اور عبادت کا حق ادا کر دیا،اللہ تعالیٰ نے ان کی دنیا اور آخرت سنواردی۔قرآن حکیم میں جنت ودوزخ کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے گویا انسان آنکھوں سے ان کو دیکھ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق و مالک ہونے کے ایسے دلائل بیان فرمائے ہیں کہ ذرا سی عقل رکھنے والا بھٹک نہیں سکتا۔مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں قیامت کے واقع ہونے کا بار بار ذکر ہوا تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ ایک دن انہوں نے اپنے اس رب کے سامنے پیش ہونا ہے جس کی وحدانیت پر ان کو یقین نہیں آرہا۔جس کی صفات میں غیر اللہ کو شریک کیا جاتا ہے۔ان آیات میں قرآن حکیم کی تین صفات ایسی بیان ہوئیں کہ اگر ان پر غور کرلیا جائے تو راہِ حق سے دور ہونے والے لوگوں کو حقیقی ہدایت نصیب ہوسکتی ہے۔قرآن کو نہ صرف ہدایت بلکہ ہدایت کی نشانیاں قرار دیا گیا۔اللہ تعالیٰ اپنی انسانی مخلوق سے جو کچھ چاہتا ہے،اس کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ قرآن حق وباطل میں فرق کا سبب اور ذریعہ بننے والا ہے۔حق کے متلاشی کو سمجھاتا ہے کہ اس نے باطل سے کس طرح بچنا ہے۔انسان کو اس کی آخرت تباہ کرنے والے کاموں اور باتوں سے آگاہ کرتا ہے۔ہمارے رب نے یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ مہربان ہونے کے ناطے وہ اپنی مخلوق کو تنگی میں ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا بلکہ اپنے بندوں کو آسانیوں سے نوازنے والا ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کو حکمرانی عطا فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔حالانکہ رسول اللہ ﷺ اپنے عمال کو حکم فرمایا کرتے تھے:

((يَسِّرُوْا وَ لَا تُعَسِّرُوْا وَ بَشِّرُوْا وَ لَا تُنَفِّرُوْا)) ۔

''لوگوں پر آسانی کرنا،ان پر تنگی نہ ڈالنا۔ان کو خوشی دینا اور ان کے دلوں میں نفرت پیدا نہ کرنا۔''

بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق حضرت معاذ بن جبل اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو بھی روانہ کرتے ہوئے آپ نے یہی تلقین فرمائی۔حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں السنن اور مسانید کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ)) (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب فی الأمر بالتیسر، و ترك التنفير، حدیث:۱۷۳۲، صحیح مسلم، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی الله علیه وسلم یتخولهم بالموعظة......حدیث:۶۹)

''میں یک طرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔''

اسلامی تاریخ اور احادیث گواہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو تنگی میں نہ ڈالا۔بلکہ ہر قسم کی تنگی کو ختم کر کے آسانیاں پیدا کردیں۔پہلے ادیان میں جو مشکلات پائی جاتی تھیں ان کو آسان کردیا گیا تاکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہونے والے روزوں کی گنتی پوری کریں اور ان کے پورا ہونے پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اسی کی بڑائی بیان کریں اور اپنا ہر معاملہ اسی کی طرف لوٹائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حل لغات:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ میں کُتِبَ بمعنی فُرِضَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب، عَلٰی حرف جر، کُمْ ضمیر مخاطب کی اور الصِّیَامُ، کُتِبَ کا نائب فاعل ہے۔الصِّیَامُ، صَامَ یَصُوْمُ سے مصدر ہے اس کا لغوی معنی امساک یعنی رکنا ہے۔خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو، چلنے پھرنے سے یا گفتگو کرنے سے ہو۔سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو حکم دیا کہ جب تو کسی انسان کو دیکھے اور وہ تیرے بچے کے بارے میں تجھ سے سوال کرنا چاہے تو کہہ دینا:

﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ (مریم:۲۶)

''بے شک میں نے رحمٰن کے لئے نہ بولنے کا روزہ رکھا ہے''۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے نابغہ کا شعر نقل کیا ہے:۔

خَيْلٌ صِيَامٌ وَ خَيْلٌ غَيْرُ صَائِمَةٍ

''ایسے بھی گھوڑے ہیں جو اپنی جگہوں میں کھڑے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو میدان جنگ میں متحرک ہیں''۔

ایک اور بھی شعر ہے:۔

وَالْبَكَرَاتُ شَرُّهُنَّ الصَّائِمَةُ

''چرخیوں میں سب سے بری وہ ہیں جو رکی پڑی ہیں''۔یعنی کام نہیں کر رہی ہیں۔

شرعی طور پر روزے کی نیت سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کرنے سے رکنا صوم کہلاتا ہے۔اس میں کمال کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ لغویات اور شرع میں ممنوع کاموں سے بھی بچا جائے۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ))

''جو جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ یہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے''

- ﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ مرکب توصیفی ہے۔موصوف اگر جمع مکسر ہو تو اس کی صفت مؤنث ہوتی ہے۔اس سے مراد گنتی کے چند دن ہیں۔
- ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ سے مراد دوسرے دنوں میں گنتی کو پورا کرنا ہے۔یعنی فرضی روزوں میں سے بیماری یا سفر کی وجہ سے جتنے روزے نہ رکھے گئے ہوں، بعد میں ان کو رکھ لیا جائے۔
- ﴿فِدْيَةٌ﴾ سے مراد مال خرچ کرکے اپنے آپ کو گناہ سے بچانا یا قید سے چھڑانا ہے۔طَعَامُ مِسْكِيْنٍ مرکب اضافی ہے اور اس کے معنی ہیں: ایک مسکین کو کھانا کھلانا۔
- ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ﴾ میں تَطَوَّعَ باب تفعل سے فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور خیرا سے مراد نیکی اور خیر سے مراد اچھائی اور بھلائی ہے۔جملے کا معنی ہے: جو کوئی رضا کارانہ طور پر یعنی اپنی طرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نیکی کا کام کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ میں رَمَضَانَ، رَمَضَ سے مشتق ہے۔اسی سے رَمْضَاء اور اِرْمَاض ہے جس کا معنی ہے: انتہائی شدید جلانے والی گرمی۔ رمضان المبارک کے مہینے کے بارے میں تفسیر قرطبی میں منقول ہے کہ اس میں نیک اعمال سے گناہوں کو جلایا جاتا ہے۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ اگرچہ مرکب اضافی ہے لیکن رمضان کے آخر میں مضاف الیہ ہونے کے باوجود قاعدے کے مطابق زیر اس لئے نہیں آئی کہ یہ غیر منصرف ہے اور اس کی وجہ الف نون زائدہ کا ہونا ہے۔جملے کا معنی ہے: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم کو نازل کیا گیا۔

﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ قرآن حکیم کی صفات ہیں۔یعنی قرآن لوگوں کے لئے باعث ہدایت اور ہدایت کی نشانیاں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ﴾ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب

﴿فَلْيَصُمْهُ﴾ ہے۔یعنی جو بھی تم میں رمضان کے مہینے کو پائے وہ اس کے روزے لازماً رکھے۔

﴿اَلْيُسْرَ﴾ سے مراد آسانی اور

﴿اَلْعُسْرَ﴾ سے مراد تنگی ہے۔

﴿لِتُكْمِلُوْا اور لِتُكَبِّرُوْا﴾ دونوں ہی فعل مضارع سے جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں اور ان سے پہلے لام کَیْ آیا ہے جس کی وجہ سے ان دونوں کے آخر کے نون گر گئے ہیں۔ان کا معنی ہے: تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿186﴾	”اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو (انہیں بتاؤ کہ) بے شک میں بہت ہی قریب ہوں۔ جب بھی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ پس ان کو چاہیے کہ میری بات بھی قبول کر لیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں“

تشریح

قرآن حکیم کی یہ ایسی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ جو کوئی اس کو پکارے گا وہ نہ صرف اس کی پکار سنے گا بلکہ جس مقصد کے لئے اس کو پکارا جائے گا وہ اس کو پورا کرے گا۔ اس آیت مبارکہ میں یہ قید نہیں ہے کہ پکارنے والا متقی پرہیزگار ہو تو اس کی پکار سنی جائے گی۔ بلکہ رحیم و کریم نے عام و خاص سب کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن اس نے پکارنے والوں سے یہ مطالبہ ضرور کیا ہے کہ وہ بھی اس کی طرف سے دی گئی دعوت کو قبول کریں، اس کے حقیقی رب

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے پر ایمان اور یقین رکھیں، اس کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب کی تعلیم کے مطابق عمل کریں، شرک و بدعت سے بچ جائیں، اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ بنائیں، کیونکہ یہی رشد و ہدایت ہے اور اس کے حصول کے لئے لازم ہے کہ ہر قسم کی گمراہی سے اجتناب کیا جائے۔ جو ذات بہت ہی قریب ہے، جو سمیع و بصیر اور علی کل شیء قدیر ہے اسی کی طرف دیکھا جائے اسی پر توکل اور بھروسہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جو پکارنے والے کو یقین دلا رہا ہے کہ وہ جب بھی اسے پکارے گا وہ اس کی فریاد رسی کرے گا، اس کی مشکلات کو آسان کرے گا۔ جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو جائے گا تو وہ اس وقت اس کی مدد کرے گا۔ اس کے باوجود جو غیر اللہ کی محبت کو گلے لگائے گا تو وہی اپنی دنیا اور آخرت برباد کرے گا۔

اس آیت کی شان نزول میں مفسرین نے کئی قول نقل کیے ہیں۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر جامع البیان میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ جب سورۂ غافر کی آیت: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (الغافر: ٦٠) ''اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا۔'' نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کس گھڑی میں اس کو پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي﴾ آیت نازل فرمادی۔

تفسیر قرطبی میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک قوم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

((أَقَرِيبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيهِ أَمْ بَعِيدٌ فَنُنَادِيهِ ؟))

''کیا ہمارا رب قریب ہے اگر قریب ہے تو دھیمی آواز میں اس کو پکاریں اور اگر دور ہے تو اونچی آواز میں اس کو پکاریں؟''

اللہ تعالیٰ نے ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ﴾ آیت کے ذریعے ان کو جواب دیا۔

صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ جب ہم کسی بلند جگہ پر چڑھتے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ، وَلَكِنْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا))

''اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو بے شک تم غائب اور بہرے کو نہیں پکار رہے بلکہ تم ہمیشہ سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔'' (صحیح البخاری، باب الدعاء إذا علا عقبة ،حدیث: ٦٤٨٤)

صحیح بخاری کی دوسری روایت ہے۔ حدیث قدسی ہے

((قَالَ اللَّهُ: أَنَا مَعَ عَبْدِي مَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ ۔))

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے (ذکر کے) لئے اس کے ہونٹ حرکت میں رہتے ہیں۔'' (صحیح البخاری، کتاب التوحید باب قول اللہ﴿ لا تحرك به لسانك﴾...... و فعل النبیؐ حیث ینزل علیه الوحی)

اس کی تائید سورۃ النحل میں یوں ہوتی ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ ﴾ (النحل:١٢٨)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور وہ احسان کرنے والے ہیں۔"
یعنی اللہ کی نصرت اور مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

مسند احمد میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ کوئی گناہ کی بات ہو اور نہ اس میں قطع رحمی والی کوئی خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ اس کی دعا کو قبول کرتے ہوئے اس کی مراد فوراً پوری کر دیتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے آخرت کے لیے مؤخر کر دیتا ہے یا اس کی وجہ سے آنے والی کسی مصیبت کو ٹال دیتا ہے"۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کیا: پھر تو ہم کثرت سے دعا مانگا کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُ اَكْثَرُ))

"اللہ کے ہاں کونسی کمی ہے۔ وہ اس سے بھی بہت زیادہ دینے والا ہے۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بہت ہی عمدہ شعر نقل کیا ہے:

اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُوَالَهٗ
وَ بَنُوْ اٰدَمَ حِيْنَ يُسْئَلُ يَغْضَبُ

"اگر تو اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے تو وہ غضبناک ہوتا ہے اور بنی آدم سے جب مانگا جائے تو وہ غضبناک ہوتے ہیں۔"

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا درحقیقت عبادت ہے سورۂ غافر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ . ﴾ (الغافر: ۶۰)

"بے شک جو لوگ میرے عبادت (دعاء) سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

یہ اسی آیت مبارکہ کا حصہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ "مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا"۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا عبادت ہی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بجائے جب کسی اور کو پکارا جائے گا تو شرک ہوگا اور اللہ تعالیٰ ناراض ہی ہوگا۔

تفسیر القرطبی میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا بڑا ہی خوبصورت قول منقول ہے:

لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدٌ مِنَ الدُّعَاءِ مَا يَعْلَمُهٗ مِنْ نَفْسِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَجَابَ دُعَاءَ شَرِّ الْخَلْقِ اِبْلِيْسَ ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ . ﴾ (ص: ۷۹، ۸۰)

"کسی ایک کو دعا سے ہرگز وہ بات نہ روکے جو وہ اپنے بارے میں خود جانتا ہوں۔ یعنی اگر اس میں کوئی بری عادت ہے تو وہ عادت اس کو ہدایت کے حصول کے لئے دعا مانگنے سے مانع نہ ہو۔ بلکہ اصلاح کے لئے تو دعا ضرور کرنی چاہیے۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے برا یعنی ابلیس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا بھی قبول فرمائی جب اس نے کہا: اے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن بندوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بے شک تو مہلت دیئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ یعنی تجھے مہلت دے دی گئی۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرایا۔

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (الزمر: ۵۳)

''آپ کہہ دیں! اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، تم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے، اس لئے کہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔''

ترمذی شریف میں حدیث قدسی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا اعلان ہے۔

((يَا ابْنَ آدَمَ ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَ رَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيْكَ لَا أُبَالِي۔ يَا ابْنَ آدَمَ ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَ لَا أُبَالِي ۔ يَا ابْنَ آدَمَ ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً)) (جامع الترمذی ، کتاب الدعوات، باب الحديث القدسی، يا ابن آدم انك ما دعوتنی ...... ، حديث: ۳۵۴۰)

''اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رکھے گا۔ جو بھی تجھ میں کوتاہیاں ہوں گی ان کے باوجود میں تجھے معاف کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان تک ہوں اور تو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اور مجھے پرواہ نہیں۔ اے ابن آدم! تو زمین جتنے گناہ لے کر میرے پاس اس حال میں آئے کہ میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ بنایا ہو تو میں اتنی ہی بخشش لے کر تیرے پاس آؤں گا۔''

اس حدیث قدسی سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتے ہوئے جو بھی اس کو پکارے گا اور شرک سے بچتے ہوئے استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی بخشش سے اسے نواز دے گا۔ اگرچہ زمین و آسمان میں اس کے گناہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے بندے اس کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق عمل کریں۔ اس نے جن کاموں سے روکا ہے ان سے رک جائیں اور جن کے کرنے کا حکم دیا ہے ان میں لگ جائیں۔ ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں یعنی دعا مانگتے ہوئے یقین کامل ہو کہ جس کو پکارا جا رہا ہے وہ پکار سننے والا ہے۔ اس سے جو مانگا جائے وہ عطا کرنے والا ہے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اُدْعُوا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْإِجَابَةِ ، وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ)) (جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی إيجاب الدعاء بتقديم الحمد و الثناء...... حديث: ۳۴۷۹)

''اللہ تعالیٰ کو پکارو اس حال میں کہ تمہیں یقین ہو کہ تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ غیر متوجہ اور غافل دل سے نکلی ہوئی دعا قبول نہیں کرتا۔''

''دعا'' عبادت ہے بلکہ مخ العبادت ہے اور قضاء و قدر میں تبدیلی کا سبب کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ دعا ہی ہے جیسا کہ ترمذی ہی کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ)) (جامع الترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء لا یرد القدر الا الدعاء، حدیث:۲۱۳۹)

''قضا کو رد کرنے والی صرف دعا ہی ہے۔''

اس لئے دعا مانگنے والے کے لئے ضروری ہے کہ ایسے خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرے کہ اس کا رب اس پر مہربان ہو جائے۔ امام سہیلی کا ایک بڑا ہی خوبصورت شعر ہے۔

مَالِیْ سِوَا قَرْعِی لِبَابِکَ حِیْلَةٌ
وَلَئِنْ رَدَدْتَّ فَاَیَّ بَابٍ اَقْرَعُ

''تیرا دروازہ کھٹکھٹانے کے سوا میرے پاس اور کوئی حیلہ نہیں۔ اگر تو نے مجھے اپنے دروازے سے لوٹا دیا تو میں کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا؟۔''

جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے انسان کی یہ کیفیت ہو جائے تو اللہ اپنے بندے کو کسی اور کے دروازے پر کیسے بھیج سکتا ہے؟ مانگتے ہوئے یہ بھی ذہن میں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حکیم وعلیم ہونے کے ناطے بندوں کو وہی کچھ دیتا ہے جو اس کے لئے مناسب ہوتا ہے۔ لہٰذا!

انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہوئے دنیا اور آخرت کی بھلائی کا اس سے طلب گار رہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا کر رکھا ہے اس پر اس کا شکر ادا کرتا رہے۔ ناشکری اور بے صبری کو اپنے پاس نہ آنے دے، شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگتا رہے۔ دعا ہے کہ قریب ومجیب ہمارے گناہ کو معاف فرمائے اور ہماری دنیا و آخرت سنوار دے۔

حل لغات:

- ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ﴾ میں واوَ استینافیہ، اِذَا ظرف مبنی، سَاَلَ فعل ماضی واحد مذکر غائب، کَ ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے۔ عِبَادِیْ کی ضمیر ''ی'' اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے عِبَاد، عبد کی جمع ہے۔
- ﴿عَنِّیْ﴾ اصل میں عَنْ نِی ہے اور عَنْ حرف جر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں یعنی پوچھیں کہ میں کہاں ہوں؟ تو انہیں جواب دو
- ﴿فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ بے شک میں بہت ہی قریب ہوں
- ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ اُجِیْبُ باب افعال سے فعل مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ دَعْوَةَ مصدر ہے اور اَلدَّاعِ اسم فاعل ہے۔ دَعَانِ فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب اور نون (نِ) وقایہ کا ہے جس کے آخر سے ی گری ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: پکارنے والے کی پکار کا میں جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔ اس جملے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے قریب ہونے کی وضاحت کی ہے۔
- ﴿فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ﴾ میں لِیْ اور بِیْ میں ی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے جب کہ ''لِ'' اور ''بِ'' دونوں ہی حرف جر ہیں۔ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا اور لِیُؤْمِنُوْا دونوں فعل امر غائب سے جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ جملے کے معنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں: ان کو چاہیے کہ میری بات مان لیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ میں لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے جو رجا (امید) کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ هُمْ ضمیر عِبَادِی، کی طرف راجع ہے یَرْشُدُوْنَ فعل مضارع سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جملے کا معنی ہے: تاکہ وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں۔ اَلرُّشْدُ وَالرَّشَدُ وَالرَّشَادُ، اَلْغَيُّ (گمراہی) کی ضد ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿187﴾

''روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مباشرت کرنے کو تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے۔ پس وہ تمہاری طرف متوجہ ہوا اور تم سے اس نے درگزر کیا۔ پس اب تم ان سے مباشرت کرو اور اللہ نے جو تمہارے لیے لکھ دیا ہے اس کو تلاش کرو۔ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی دھاری سے الگ ہو جائے۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور بیویوں سے اس وقت مباشرت نہ کرنا جب تم مساجد میں اعتکاف کر رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان کے قریب نہ جانا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں۔''

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں مومنوں کے لیے بہت آسانی پیدا کر دی گئی ہے۔ جس کام میں وہ خیانت کے مرتکب ہوتے تھے یا خیانت کی جو وجہ تھی اس قانون کو انسانی فطرت کے مطابق کر کے خیانت کو ختم کر دیا گیا۔

صحیح بخاری میں براء بن عازب سے مروی ہے کہ جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو صحابہ کرام سارا رمضان اپنی بیویوں کے قریب نہ جاتے تھے۔ لیکن کچھ لوگ تھے جو اس سلسلے میں خیانت کے مرتکب ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی فطری کمزوری کی وجہ سے مذکورہ آیت نازل فرمادی۔ (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب ﴿أحِلَّ لَكُمْ لَيلَة الصيام الرَّفث...... ﴾ حديث: ٤٥٠٨)

اس آیت مبارکہ کے ذریعے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ جو کام انسانی فطرت کے تحت ضروری ہو اسے روکنے یا روکنے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشدد کرنے کی بجائے اس کو انسانی فطرت کے مطابق کرنے سے معاملہ درست ہو جاتا ہے اور خیانت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

رمضان المبارک کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت کرنے کی نہ صرف اجازت مل گئی بلکہ خاوندوں اور بیویوں کے تعلق کو بڑے ہی خوبصورت انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ یعنی بیویاں خاوندوں کا لباس ہیں اور خاوند بیویوں کے لباس ہیں۔ لباس ہونے میں دونوں ایک جیسے ہیں کیونکہ لباس انسان کی ستر پوشی اور اس کی شخصیت کو جاذب نظر بنانے کا سبب ہوتا ہے۔ جسم میں کوئی عیب ہو تو اس کو چھپا دیتا ہے اور انسانی جسم سے سب سے زیادہ قریب رہنے والی چیز اس کا لباس ہی ہوتا ہے۔ اس میں یہ بھی کنایہ موجود ہے کہ انسانی حقوق میں دونوں برابر ہیں۔ اس سے بڑھ کر عورت کو کس برابری کی ضرورت ہے؟

انسانی فطرت ہے کہ خاوند کو بیوی کی اور بیوی کو خاوند کی ضرورت ہوتی ہے۔ رمضان المبارک کی راتوں میں مومنوں کو جب مشکل پیش آئی تو بعض سے اس میں خیانت بھی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کی طرف متوجہ ہوا بلکہ ان سے ہونے والی کوتاہی بھی معاف کر دی اور آئندہ کے لیے بھی آسانی پیدا کر دی اور حکم دے دیا کہ اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کو تلاش کرو۔ اس سے مراد اولاد ہے۔ یعنی جو اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ملنے والی ہے اس کے متلاشی بن جاؤ۔ یہاں بھی نکتے کی بات یہ بیان ہوئی کہ اولاد کا ملنا اور نہ ملنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اولاد نہ ہونے کی صورت میں جو لوگ غیر شرعی کاموں میں وقت ضائع کرتے ہیں ان کو صرف اپنے رب کی طرف دیکھنا چاہیے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے دو جلیل القدر نبیوں کا ذکر ہوا ہے جن کو بڑھاپے میں اولاد ملی۔ دونوں نے اپنے رب کو پکارا۔ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ (الصافات:۱۰۰)

''اے میرے رب! مجھے صالح اولاد عطا فرما۔''

زکریا علیہ السلام بارگاہ الٰہ میں عرض کرتے ہیں:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴾ (آل عمران:۳۸)

''اے میرے رب! اپنے پاس سے مجھے پاک اولاد عطا کر دے۔ بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں نبیوں کی دعا قبول فرمائی اور دونوں کو نیک صالح اولاد عطا فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ضمانت ہے کہ جو بھی پکارنے والا اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو سنتا ہے۔ تو ادھر ادھر دھکے کھانے اور ایمان گنوانے کی بجائے اسی کو پکارا جائے جس کو ابراہیم اور زکریا علیہما السلام نے پکارا اور دعا قبول کرنے والے نے قبول کر کے ان کو اولاد سے نواز دیا۔

اس آیت مبارکہ میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ روزہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ رات کی سیاہی اور صبح کے اجالے میں فرق ہو جائے۔ صحیح بخاری میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۃ البقرہ کی یہ آیت جب نازل ہوئی تو میں نے اپنے تکیے کے نیچے سفید اور سیاہ رسی کے ٹکڑے رکھ لیے۔ جب اتنا اجالا ہو جاتا کہ دونوں میں تمیز ہو جاتی تو کھانا پینا بند کر دیتا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تیرا سرہانہ یعنی تکیہ تو بہت لمبا ہے۔ آپ نے فرمایا: الخیط الابیض اور الخیط الاسود سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔ چنانچہ مومنوں کے لیے یہ آسانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی پیدا ہوگئی کہ روزہ افطار کرنے کے بعد سے روزہ رکھنے کے وقت تک کھا پی سکتے ہیں، اس سے پہلے یہ اجازت نہیں تھی۔'' (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب و کلوا واشربوا حتی یتبین ...... حدیث:۴۵۰۹، ۴۵۱۰، کتاب الصیام، باب قول اللہ تعالی ﴿ وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى ...... ﴾ حدیث:۱۹۱۶)

صحیح بخاری ہی میں قیس بن ضرمہ الانصاری کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب افطار کا وقت ہوا تو انہوں نے بیوی سے کھانا مانگا۔ بیوی نے کہا گھر میں کچھ نہیں۔ کہیں سے کچھ لانے کی کوشش کرتی ہوں۔ وہ جب واپس آئیں تو دن بھر کام کرنے کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے سو گئے۔ بیوی نے دیکھ کر کہا تم تو کھانے سے محروم ہوگئے۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ اگر کوئی عشاء کی نماز سے پہلے سو جاتا تو اگلے دن کی افطار تک اس کو روزے ہی سے رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ جب اگلے دن کی دوپہر ہوئی تو ان پر غشی طاری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی آسانی کے لیے قانون بدل دیا اور سحری تک کھانے پینے کی اجازت دے دی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے۔ ان کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ لیکن حکمران عموماً اس کی مخلوق کو مشکلات میں ڈال کر ان کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قول اللہ تعالی جل ذکرہ احل لکم لیلۃ الصیام الرفث إلی نسآئکم ...... حدیث:۱۹۱۵)

رمضان کی راتوں میں سحری تک بیویوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت تو دے دی لیکن جو مساجد میں اعتکاف کرتے ہیں یا کریں گے ان کو اعتکاف کی حالت میں اس سے روک دیا گیا۔ کیونکہ معتکف اعتکاف اس لیے کرتا ہے کہ وہ دنیا سے کٹ کر صرف اپنے خالق و مالک سے ناطہ جوڑنے کی کوشش کرے۔ دن رات اس کی بندگی اور عبادت میں لگا رہے۔ اس کے اس مشن میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہ ہو پائے۔ جب وہ گھر چھوڑ کر مسجد میں ڈیرہ لگا لیتا ہے تو پھر اس اعتکاف کی راتوں میں بیوی پر اس کا جو حق ہے اس سے بھی وقتی طور پر اجتناب کرنا چاہیے تاکہ جس مقصد کے لیے مسجد میں مقیم ہوا ہے اس کو پانے میں کامیاب ہو جائے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان کو توڑنے سے بچ جاؤ۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- اس آیت مبارکہ (۱۸۷) میں جتنی کُم، کی ضمیریں استعمال ہوئی ہیں وہ تمام اہل ایمان کی طرف راجع ہیں کیونکہ اہل ایمان ہی سے خطاب ہے۔ ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ﴾ میں اُحِلَّ باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، لَيْلَةَ الصِّيَامِ مرکب اضافی ہے اور لَيْلَةَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَلرَّفَثُ کا لغوی معنی وہ باتیں ہیں جن کا ذکر اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن یہاں کنایۃً وظیفہ زوجیت کے لیے استعمال ہوا ہے اور یہ اُحِلَّ کا نائب فاعل ہے۔ جملے کا معنی ہے: رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مباشرت کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا۔ آیت مبارکہ کے اس حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اہل ایمان کے لیے پہلے حلال نہیں تھا۔
- ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ میں لباس سے مراد میاں بیوی کا آپس کا تعلق ہے اگرچہ لغوی طور پر کپڑے سے بنے ہوئے لباس کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں میاں بیوی کے درمیان جو پیار اور محبت ہوتی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ایک دوسرے کے لیے لباس ہونے میں کوئی اونچ نیچ نہیں رکھی گئی۔

❁ ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ میں تَخْتَانُوْنَ باب افتعال سے فعل مضارع معروف جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور اس سے پہلے کُنْتُمْ ہے جو فعل مضارع کو ماضی استمراری میں تبدیل کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ بے شک تم اپنے نفسوں کے بارے میں خیانت کرتے تھے۔

❁ ﴿ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ﴾ میں تَابَ (مادہ: ت و ب) اور عَفَا (مادہ: ع ف و) دونوں باب نصر سے فعل ماضی معروف کے صیغہ واحد مذکر غائب ہیں۔ معنی ہے: وہ تم پر متوجہ ہوا اور اس نے تم سے درگزر کیا یعنی معاف فرمایا۔

❁ ﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ میں بَاشِرُوْا اور ابْتَغُوْا دونوں فعل امر حاضر سے جمع مذکر کے صیغے ہیں هُنَّ ضمیر نِسَاءَ كُمْ کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے: اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو اور وہ تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔

❁ ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا ﴾ بھی امر کے صیغے ہیں۔ اس کا معنی ہے: کھاؤ اور پیو۔

❁ ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ میں حتّٰی انتہائے غایت کے لیے ہے۔ يَتَبَيَّنَ باب تفعل سے فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ اور اَلْخَيْطِ الْاَسْوَدِ دونوں مرکب توصیفی ہیں۔ دوسرا حرف جر مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے۔ اَلْفَجْر کا لغوی معنی کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنے یا شق کرنے کے ہیں لیکن یہاں مراد صبح کا اجالا ہے۔ جملے کا معنی ہے: یہاں تک کہ صبح کے وقت اجالے کی دھاری رات کی سیاہی کی دھاری سے الگ ہو جائے۔ یعنی صبح کے اجالے کا ظاہر ہونا شروع ہو جائے۔ اَلْخَيْطُ کا لغوی معنی دھاگا ہے۔

❁ ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ میں اَتِمُّوْا فعل امر حاضر جمع مذکر اور اَلصِّيَامَ اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔

❁ ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ﴾ میں لَا تُبَاشِرُوْا باب تفاعل سے فعل نہی ہے۔ هُنَّ ضمیر نِسَاءَ كُمْ کی طرف راجع ہے۔ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ جملہ حالیہ ہے۔ عٰكِفُوْنَ ، عَاكِفٌ کی جمع ہے۔ جملے کا معنی ہے: تم ان سے مباشرت نہ کرنا اس حال میں کہ تم مساجد میں اعتکاف کر رہے ہو۔ یعنی حالتِ اعتکاف میں بیویوں سے مباشرت ممنوع کر دی گئی۔

❁ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ میں تِلْكَ اسم اشارہ حُدُوْدُ اللّٰهِ مرکب اضافی مشار الیہ۔ فَلَا تَقْرَبُوْهَا فعل نہی۔ جملے کا معنی ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی ان کی خلاف ورزی نہ کرنا۔

❁ ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ يُبَيِّنُ باب تفعیل (مادہ: ب ی ن) سے فعل مضارع واحد مذکر غائب، لفظ اللہ اس کا فاعل، اٰيٰتِهٖ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیات واضح کرتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿188﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿189﴾

''اور ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ حجت باطلہ کے ساتھ ان کو حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مال میں سے کچھ حصہ تم ظلم وتعدی کے ذریعے جان بوجھ کر کھا جاؤ۔ تم سے (لوگ) چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ لوگوں (کی سال بھر کی تاریخ) کے لیے اور موسم حج کے اوقات ہیں۔ اور نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں میں ان کی پچھلی جانب سے داخل ہوا کرو۔ بلکہ نیکی تو اس کی ہے جو متقی بن گیا۔ اپنے گھروں میں ان کے دروازوں میں سے داخل ہوا کرو اور اللہ سے ڈر جاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

تشریح:

آیات مذکورہ میں تین باتوں کو اجاگر کیا گیا ہے:

(۱) پہلی بات یہ کہ اہل ایمان آپس میں کسی بھائی کا مال باطل طریقہ سے نہ کھائیں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے جوا، دھوکا، غصب، حقوق کا روکنا، مالک کی مرضی کے بغیر مال لے لینا۔ مالک کی مرضی شامل ہو لیکن شریعت نے اس کو حرام کیا ہو، رنڈی کی کمائی، کاہن کی کہانت سے حاصل ہونے والا مال، شراب اور خنزیر کے کاروبار سے ملنے والا نفع کا ذکر کیا ہے۔ اصل بات ایک ہی جملے میں آجاتی ہے کہ قرآن سنت کی رو سے جو کام اور طریقہ حرام ہے اس کو استعمال کرتے ہوئے بھائی کا جو مال کھایا یا ہتھیایا جائے گا وہ کسی بھی صورت میں حلال اور جائز نہیں ہو گا۔ بخاری ص ۱۶۵ مسلم ص ۲۲۰ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک میں ایک انسان ہوں۔ میرے پاس تمہارا کوئی فیصلہ طلب جھگڑا آتا ہے تو شاید بعض اوقات کوئی فریق زیادہ اچھی گفتگو کرنے والا ہوتا ہے جسے سن کر میں اسے سچا سمجھتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میرے فیصلہ کی بنا پر اس کے لئے وہ حلال ہو گیا ہے (حالانکہ وہ اس کا حق نہ تھا) بلکہ اس کو ملنے والی چیز درحقیقت آگ کا ٹکڑا ہے۔ چاہے اس کو لے لے اور چاہے اس کو چھوڑ دے''۔

اس حدیث مبارک سے واضح ہو جاتا ہے کہ قاضی کے فیصلے سے کوئی حرام مال حلال نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ قاضی ظاہری دلائل کی بنا پر فیصلہ کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو جائز اور حلال نہیں وہ عدالت کے فیصلے سے جائز اور حلال نہ ہو گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حرام کو حلال بنا کر کھانے والا کسی بھی صورت میں کامیاب نہ ہو گا۔ اسلام میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس کی بھی اجازت نہیں کہ کوئی مسلمان اپنے بھائی کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنائے۔مسلمان نمازیں پڑھے، روزے رکھے، زکوٰۃ دے اور حج کرے اور ساتھ کسی دوسرے مسلمان کا باطل طریقہ سے مال کھانے کی کوشش کرے یا کھائے تو اس میں اور دوسروں میں کیا فرق ہوگا؟ایسے کاموں میں جو وکلاء ممد و معاون بنتے ہیں ان کا انجام بھی گروہ باطلہ جیسا ہوگا۔کیونکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدہ: ۲)

''نیکی اور تقویٰ کے کام میں باہم تعاون کرو۔گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔''

جس وکیل کو معلوم ہو کہ وہ گناہگار اور مجرم کو اس لئے چھڑانے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس نے اس کو اس کی مرضی کے مطابق فیس دی ہے، تو وہ گناہ اور زیادتی میں تعاون کرنے والا ہوتا ہے جو صریحاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ایسے وکلاء کو چاہیے کہ دنیاوی مفاد کے حصول کی بجائے اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کریں۔

(۲) دوسری بات چاند کے بارے میں ہے کہ چاند کا یہ کیا سلسلہ ہے کہ باریک شاخ کی صورت میں طلوع ہو کر بڑھتے بڑھتے پورا گول ہو جاتا ہے۔پھر گھٹتے گھٹتے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔چاند کو ہلال کہے جانے کے بارے میں تفسیر القرطبی میں مروی ہے:

((لِاَنَّ النَّاسَ يَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِخْبَارِ عَنْهُ۔))

''چاند کی خبر دینے میں لوگ اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں۔''

پیدائش کے وقت جب بچہ اپنی آواز نکالتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''اِسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ۔''جب کسی کے چہرے پر سرور ظاہر ہو جائے تو اہل عرب کہتے ہیں: ''اِسْتَهَلَّ وَجْهُهُ فَرَحًا۔''

رسول اللہ ﷺ سے جب چاند کے بارے میں سوال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کا جواب دیا کہ آپ کہہ دیں کہ لوگوں کے لیے حج کے اوقات ہیں۔یعنی چاند ہی کے ذریعے مہینوں اور دنوں کا حساب ہوتا ہے۔چونکہ سورج ہر روز ایک ہی صورت میں طلوع اور غروب ہوتا ہے لہٰذا اہل عرب کیلئے اس کے مطابق حساب رکھنا مشکل تھا۔جب کہ چاند کے بڑھنے اور گھٹنے سے حساب لگانا اور رکھنا آسان تھا۔چاند دیکھ کر لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ کونسی رات ہے۔جب کہ سورج کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا اگرچہ دن کے اوقات کا تعین تو ہوسکتا تھا لیکن دنوں اور مہینوں کے بارے میں ان کے لئے یہ معاملہ مشکل تھا۔

سورہ یونس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ﴾(یونس:۵)

''وہی ہے جس نے سورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور بنایا اور ان کی منازل کو مقرر کیا تا کہ تم برسوں کی تعداد اور حساب جان لو۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ ، لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ)) (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا نكتب و لا نحسب، حديث:١٩١٣، ١٩٠٨، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، حديث:١٠٨٠)

''ہم امی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ ہی حساب رکھتے ہیں۔''

پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھول کر تین مرتبہ اشارہ فرمایا اور تیسری مرتبہ انگوٹھے کو بند رکھا۔دوسری دفعہ بھی تین مرتبہ ہی اشارہ فرمایا۔لیکن تینوں مرتبہ انگوٹھے کو کھلا رکھا۔ایسا کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس اور تیس کا ہوتا ہے۔بخاری مسلم ہی کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلَالَ ، وَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ)) دوسری روایت کے مطابق ((فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ)) (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا...... حديث: ١٩٠٠، ١٩٠٦، ١٩٠٧ /صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال...... حديث:١٠٨٠)

''روزے چاند دیکھ کر رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو یعنی عید پڑھو۔اگر تم پر بادل چھا جائیں تو ان کی گنتی پوری کرو۔دوسری روایت میں وضاحت ہوگئی کہ تیس کی تعداد پوری کرو۔''

چاند ہی کے حساب سے حج کا موسم آتا ہے اور لوگوں میں قرض کی ادائیگی کا وقت مقرر ہوتا ہے۔تجارتی لین دین میں جو وعدے کئے جاتے ہیں، ان کو پورا کرنے کا وقت چاند ہی کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔اسلامی کیلنڈر کا پورا دارو مدار چاند کے طلوع وغروب پر ہے۔یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ سردیوں اور گرمیوں دونوں میں بھی آتا ہے۔کسی ایک موسم کے ساتھ خاص نہیں۔جیسا کہ شمسی مہینوں میں ہوتا ہے۔سردی سردی والے مہینوں اور گرمی گرمی والے مہینوں میں ہوتی ہے۔

(۳) تیسری بات: انصار میں جاہلانہ رواج یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی حج کا احرام باندھ لیتا اور گھر سے باہر آ جاتا۔تو پھر کسی ضرورت کے تحت اس کو گھر میں داخل ہونے کی بجائے گھر کی پچھلی جانب والی دیوار پھلانگ کر یا سیڑھی لگا کر داخل ہوتا۔صحیح بخاری میں براء بن عازب سے مروی ہے:''زمانہ جاہلیت میں حاجی جب حج کا احرام باندھ لیتے تو پھر گھروں کی پچھلی جانب کی طرف سے گھروں میں داخل ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمادی کہ نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں پچھلی جانب کی طرف سے آؤ۔ بلکہ نیکی تو اس کی ہے جو صاحب تقویٰ بن جائے۔'' (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب ﴿و ليس البر بأن تاتوا......﴾ حديث:٤٥١٢) یعنی جن برائیوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے ان سے رک جائے۔جن باتوں یا کاموں کا حکم دیا ہے پوری دیانت داری کے ساتھ ان میں لگ جائے۔قرآن و سنت کی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے میں کوشاں ہو جائے۔حقوق العباد کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی کا مرتکب نہ ہو۔اس کی زبان یا ہاتھ سے کسی مسلمان بھائی کو تکلیف نہ پہنچے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے ضرورت مند عزیز واقارب کی ضرورتوں کو پورا کرتا رہے۔معاشرے کی اصلاح میں بھرپور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردار ادا کرے۔ اچھائی کو رائج کرنے اور برائی کو مٹانے کی کوشش کرتا رہے۔ قرآن حکیم میں تقویٰ کی جو تفسیر بیان ہوئی ہے اس کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ متقی ہی فلاح پانے والے ہیں۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صاحب تقویٰ بنا دے۔

حل لغات:

- ﴿وَ﴾ واؤ عاطفہ ﴿لَا تَاْكُلُوْا﴾ باب نصر سے فعل نہی ﴿اَمْوَالَكُمْ﴾ اس کا مفعول ہے ﴿بَيْنَكُمْ﴾ میں بَيْنَ ظرف، كُمْ ضمیر مومنوں کی طرف راجع ہے ﴿بِ﴾ خرف جر ﴿الْبَاطِلِ﴾ اسم فاعل مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ یعنی شریعت کی رو سے جو طریقہ جائز نہیں اس کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔
- ﴿تُدْلُوْا﴾ بھی (دل و کے مادے سے) فعل نہی ہے، اس کا عطف وَلَا تَاْكُلُوْا پر ہے۔ ﴿بِهَا﴾ میں بِ حرف جر، ھا ضمیر اَمْوَالَكُمْ کی طرف لوٹ رہی ہے ﴿اِلَى﴾ حرف جر ﴿الْحُكَّامِ﴾ حاکم کی جمع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: نہ ہی حجت باطلہ کے زور پر اس کو حاکموں کے پاس لے جاؤ۔
- ﴿لِتَاْكُلُوْا﴾ فعل مضارع سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور لام کَیْ ہے جس کی وجہ سے نون اعرابی گری ہوئی ہے۔ ﴿فَرِيْقًا﴾ بمعنی قِطعةً یا جزءً اس کا مفعول ہے ﴿مِنْ﴾ حرف جر ﴿اَمْوَالِ النَّاسِ﴾ مرکب اضافی مجرور ﴿بِالْاِثْمِ﴾ مرکب جاری۔ جملے کے معنی ہیں: تاکہ تم ظلم وتعدی سے لوگوں کے مال میں سے کچھ حصہ کھا جاؤ۔
- ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ جملہ حالیہ ہے یعنی اس حال میں کہ تم جانتے ہو۔ تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ ناجائز اور باطل ہے۔
- ﴿يَسْئَلُوْنَ﴾ سوال سے فعل مضارع معروف جمع مذکر غائب، کاف ﴿كَ﴾ ضمیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ ﴿عَنْ﴾ حرف جار اور ﴿الْاَهِلَّةِ﴾ مجرور الهلال کی جمع ہے۔ چاند کے طلوع سے غروب ہونے تک جو اس کی مختلف صورتیں ہوتیں ہے ان کی وجہ سے جمع کا صیغہ آیا ہے۔ اس کا معنی ہے: وہ آپ سے ہلال کے بارے میں پوچھتے ہیں۔
- ﴿هِيَ﴾ ضمیر مرفوع منفصل ﴿مَوَاقِيْتُ﴾ مِيْقَاتٌ کی جمع ہے جو وقت سے ماخوذ ہے۔ ﴿لِلنَّاسِ﴾ میں لام حرف جر اور النَّاسِ مجرور۔ اس کے بعد واؤ عاطفہ ﴿الْحَجِّ﴾ معطوف ہے۔ جملے کے معنی ہیں: آپ کہہ دیں کہ یہ لوگوں کے مختلف کاموں اور حج کے لئے اوقات ہیں۔
- ﴿لَيْسَ﴾ فعل ناقص۔ یہ صرف فعل ماضی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿الْبِرُّ﴾ فعل ناقص کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس سے مراد نیکی ہے۔ ﴿بِاَنْ تَاْتُوْا﴾ میں بِ حرف جر، اَنْ ناصبہ، تَاْتُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر اور اَنْ کی وجہ سے اس کی نون گری ہوئی ہے۔ ﴿الْبُيُوْتَ﴾ بَيْتٌ کی جمع اس کا مفعول فیہ ہے۔ ﴿مِنْ﴾ حرف جر ﴿ظُهُوْرِ﴾ مجرور ﴿هَا﴾ ضمیر اَلْبُيُوْتَ کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے: نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں کو ان کی پچھلی جانب سے آؤ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿لٰكِنَّ﴾ حرف مشبہ بالفعل ﴿الْبِرَّ﴾ اس کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ﴿مَنْ﴾ موصولہ۔ ﴿اتَّقٰى﴾ و ق ی کے مادے سے باب افتعال کا فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: نیکی تو اس کی ہے جو صاحب تقویٰ ہوا۔

﴿وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ میں واؤ عاطفہ اتُوْا باب ضرب سے فعل امر حاضر کا صیغہ جمع مذکر، اَلْبُيُوْتَ اس کا مفعول، مِنْ حرف جر، ابواب مجرور ھا ضمیر اَلْبُيُوْتَ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: گھروں میں ان کے دروازوں میں سے داخل ہوا کرو۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ میں اتَّقُوْا بھی فعل امر حاضر جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ لفظ اللّٰہ اس کا مفعول، لَعَلَّ حرف رجاء (امید) مشبہ بالفعل اور كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ تُفْلِحُوْنَ باب افعال سے فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ سے ڈر جاؤ تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (190) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (191) فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (192) وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (193)	”اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جہاں بھی تم ان کو پاؤ ان کو قتل کرو اور ان کو وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے۔ مسجد حرام کے پاس ان سے قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ تم سے اس میں قتال کریں۔ اگر وہ تم سے قتال کریں تو تم بھی ان سے قتال کرو۔ کافروں کا یہی بدلہ ہے۔ اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے اور دین اللہ تعالیٰ کا نہ ہو جائے۔ اگر وہ باز آ جائیں تو صرف ظالموں پر زیادتی ہوگی۔“

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اسلامی جہاد و قتال کی بہترین صورت کا ذکر ہوا ہے اور جو لوگ یا قومیں اسلامی جہاد و قتال کی مخالفت میں اپنی پوری قوت صرف کرنے میں مصروف ہیں، ان کو چاہیے کہ ان آیات کا ٹھنڈے دل کے ساتھ مطالعہ کریں۔ نظامِ قدرت ہے کہ ہر ذی روح اپنی بقا اور سلامتی کے لیے ممکنہ حد تک کوشاں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اشرف المخلوقات بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی نظام کے تحت رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں یہ بھی رواج عام رہا ہے کہ طاقت والے جب کہیں اپنی طاقت استعمال کرتے تھے یا کرتے ہیں تو ان کی زد میں آنے والوں کے بارے میں طاقت ور کو کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا اور نہ ہی آتا ہے کہ اپنی طاقت کو ان لوگوں پر استعمال کرے جن سے اس کی لڑائی ہے یا جن سے اس کی دشمنی ہے۔ بلکہ جو بھی اس کے نزدیک آیا وہ اس کے ظلم کا نشانہ بن گیا یا بن جاتا ہے۔ چاہے وہ بوڑھا مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بیمار، ڈاکٹر ہو یا معلم، ظالم ظلم کرنے پر آتا ہے تو ہر چیز کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ ہیروشیما اور ناگا ساکی پر ایٹم بم گرانے والوں نے یہ نہ سوچا کہ وہاں بسنے والی اللہ کی مخلوق کا کیا حشر ہوگا؟ افغانستان میں جو کچھ ہوا یا فلسطین میں جو ہو رہا ہے، یہ بھی دفاع و سلامتی کے نام پر ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خود جب یہ حق دیا تو اس کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی خود ہی متعین کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال ان سے کیا جائے گا جو اہل اسلام سے قتال کرنے والے ہوں۔ جو مسلمانوں سے قتال نہیں کرتے، مسلمانوں کو ان سے قتال نہیں کرنا ہوگا۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ زیادتی ہوگی اور مسلمانوں کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

صحیح مسلم میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوے کے لیے لشکر روانہ کرتے تو ارشاد فرماتے:

((اُغْزُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ ، وَاغْزُوْا فَلَا تَغُلُّوْا لَا تَغْدِرُوْا وَ لَا تُمَثِّلُوْا وَ لَا تَقْتُلُوا الْوَلِيْدَ وَ لَا أَصْحَابَ الصَّوَامِعِ ۔)) (صحيح مسلم، كتاب الجهاد، حديث: ۱۷۳۱)

’’اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے منکر سے قتال کرنا، جہاد کرنا، خیانت کے مرتکب نہ ہونا، نہ دھوکہ دینا اور نہ کسی کا مثلہ کرنا (یعنی مقتول کا ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا) نہ ہی بچوں اور عبادت گاہوں میں بیٹھنے والوں کو قتل کرنا۔‘‘

حسن بصری رحمہ اللہ کے مطابق وَلَا تَعْتَدُوْا سے مراد مثلہ، خیانت، عورتوں بچوں اور بوڑھوں کا قتل کرنا ہے۔ جو لڑائی میں نہ شریک ہوتے ہیں اور نہ اس کے حق میں ان کی رائے ہوتی ہے۔ اسی طرح جو راہب ہوں یا عبادت گاہوں میں رہنے والے درویش ہوں ان کا قتل کرنا بھی اس میں شامل ہوگا۔ بلاوجہ اور بغیر کسی مصلحت کے درختوں کو کاٹنا اور حیوانوں کو مارنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادتی شمار ہوگی۔

بخاری، مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غزوہ کے موقع پر ایک مقتولہ عورت کی لاش کو جب پایا تو آپ نے عورتوں اور بچوں کا قتل کیا جانا اچھا نہ سمجھا۔ پھر آپ نے اس کی ممانعت فرما دی۔ (صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب قتل النساء في الحرب، حديث: ۳۰۱۵/ صحيح مسلم، كتاب الجهاد ،باب تحريم قتل النساء...... حديث: ۱۷۴۴) ایسی تعلیم دنیا کی کسی قوم یا کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق عمل کیا۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ بہت ہی وسیع رہا ہے۔ لیکن کوئی مؤرخ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں نے کبھی بھی وحشی قوموں کے انداز کو اپنایا ہو۔ کیونکہ مسلمانوں کو جس جہاد و قتال کا حکم دیا گیا اس میں انسانیت پر ظلم کرنا یا اس کو ختم کرنا قطعاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقصود و مطلوب نہیں تھا۔ بلکہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ حق پر لگانا اور اس کو شرک و بدعت اور توہمات کی دلدل سے نکال کر توحید کی دولت سے مالا مال کرنا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے جو علاقے فتح کیے، وہاں کے رہنے والوں نے مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ جن لوگوں کا کہنا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا، ان کو ایک غیر مسلم سکالر تھامس آرنلد کی کتاب The Preaching of Islam پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ اسلام اخلاق اور تبلیغ سے پھیلا۔

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شمع توحید کو جب روشن فرمایا تو مکی زندگی میں صرف زبانی تبلیغ کرتے رہے۔ اہل مکہ جب آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ وہاں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے مخالفوں نے بہت کوشش کی کہ اسلام اور اسلامی ریاست کو ختم کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق ہوئیں۔ اہل اسلام اپنی بقا اور سلامتی کی خاطر کفار کے حملوں کا جواب دیتے رہے۔ سنہ ۸ ہجری میں مخالفین کو زیر کرنے کے لیے پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ پہنچ جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی طرف سے اعلان کر دیا جاتا ہے:

''جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا یا اپنے گھر کے دروازے بند کرے گا یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، وہ مامون ہوگا۔''

دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ جس کو اس کی قوم نے مسلسل اکیس سال ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہو۔ جس کو ختم کرنے کے لیے اس کے گھر کا محاصرہ کیا ہو۔ جس کے ساتھیوں کو اذیت ناک عذابوں میں مبتلا کیا ہو۔ وہ فاتح کی صورت میں اسی شہر میں داخل ہو جس سے اس کو نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ جہاں اس کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے اور ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے گئے۔ وہ فاتح انہی لوگوں کو تہ تیغ کرنے کی بجائے اُن کی جانیں بچانے کی راہ خود ہی دکھائے۔ اس سے بھی بڑھ کر رحمۃ للعالمین کی رحمت کیا ہو سکتی ہے؟ کہ اس شہر کے تمام لوگوں کو کھلے دل کے ساتھ معاف کر دیا جاتا ہے۔ ایک دو ظالموں کے علاوہ کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا جاتا۔ اسلام قبول کرنے کا کسی پر دباؤ نہیں ڈالا جاتا۔ اسلامی جہاد و قتال کی یہی روح ہے۔ جس کو سمجھنے کی بجائے دہشت گردی کا نام دیا جا رہا ہے۔ اصل دہشت گردی تو وہ تھی جس کے ذریعے مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا اور بنایا جا رہا ہے۔ اسلام ہر قسم کے فتنہ و فساد کی نہ صرف مذمت کرتا ہے بلکہ اس کی اصلاح کا حکم دیتا ہے۔ اس سے بچنے اور لوگوں کو بچانے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے جس میں اللہ کی مخلوق صرف اپنے خالق کی بندگی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہی دین حنیف اس کی زمین میں نافذ ہو جائے۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ ہر برائی کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ اسی لیے برائی اور لڑائی میں ابتداء کرنے والوں سے قتال کا حکم دیا۔ ساتھ ہی مسجد حرام کی حرمت کی پاسداری کی تاکید کرتا ہے۔ جو دین عبادت گاہ کا احترام کرنے کا حکم دے وہ دین انسانوں کی تباہی کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟

اس سے واضح بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اگر ان کے خلاف قتال کرنے والے باز آ جائیں تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سے قتال نہیں ہوگا۔ اگر ظالم ظلم سے باز نہ آئیں تو پھر ان کو ظلم سے باز رکھنے کا جو بھی طریقہ ہوگا وہ استعمال کیا جائے گا اور ظلم و قتال سے رکنے والوں کے لیے بہت بڑی بشارت یہ دی گئی کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

بقاء و سلامتی کے حوالے سے یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنی طاقت کی بنا پر کسی کو اس کے گھر یا شہر یا وطن سے نکال کر اس پر قبضہ کرے۔ اس سے ایسا فتنہ پیدا ہوتا ہے جس کو ختم کرنا ممکن نہیں رہتا۔ فلسطین کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے۔ اپنے گھر میں واپس جانا ہر شخص کا حق ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ حق خود عطا فرمایا کہ ایسے لوگوں سے بھرپور قتال کیا جائے اور ان کو وہاں سے نکال باہر پھینکا جائے جس پر قوت و طاقت کے بل بوتے پر ان کا قبضہ ہوا ہو لیکن یہ قید بھی لگا دی کہ تم سے کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل اللغات:

❁ ﴿وَقَاتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ میں واؤ عاطفہ قَاتِلُوْا باب مفاعلہ سے فعل امر حاضر جمع مذکر کا صیغہ۔ فِيْ حرف جر، سَبِيْلِ اللّٰهِ مرکب اضافی مجرور۔ الَّذِيْنَ موصولہ۔ يُقَاتِلُوْنَكُمْ میں يُقَاتِلُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی اہل ایمان کی طرف راجع ہے اور یہاں مفعول واقع ہوئی ہے۔ وَلَاتَعْتَدُوْا میں واو عاطفہ۔ لَاتَعْتَدُوْا۔ اِعْتَدٰى يَعْتَدِي: (باب افتعال) سے فعل نہی جمع مذکر حاضر۔ یہ حکم اہل اسلام کو دیا گیا ہے جملے کا معنی ہے: اور تم ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور تم نے زیادتی نہیں کرنی۔

❁ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ میں اِنَّ مشبہ بالفعل جملہ کے مضمون کی تحقیق کے لیے لایا جاتا ہے۔ اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ جیسے: اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ. لفظ اللّٰهَ اس کا اسم اور غَفُوْرٌ اِنَّ کی پہلی خبر اور رَحِيْمٌ دوسری خبر ہے۔ یہ ترکیب اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قرآن حکیم میں عام استعمال ہوتی ہے۔ لَا نفی کا يُحِبُّ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اَلْمُعْتَدِيْنَ. اَلْمُعْتَدِ کی جمع يُحِبُّ کا مفعول ہے اور یہ پورا جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

❁ ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ اُقْتُلُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ هُمْ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ حَيْثُ ظرف مکان مبنی برضمہ لازم الاضافت ہوتا ہے۔ اکثر جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ یہاں بھی ثَقِفْتُمُوْهُمْ اور اَخْرَجُوْكُمْ دونوں جملوں کی طرف مضاف ہے۔ اَخْرِجُوْ بھی اُقْتُلُوْا کی طرح فعل امر ہے۔ پہلا باب افعال ہے جب کہ دوسرا باب نصر ينصُرُ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جہاں بھی تم ان کو پاؤ ان کو قتل کرو اور ان کو وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔

❁ ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾: واو عاطفہ۔ اَلْفِتْنَةُ. فَتَنَ يَفْتِنُ سے مصدر ہے۔ اَشَدُّ افعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ مِنْ حرف جر اور الْقَتْلِ مصدر مجرور۔ جملے کا معنی ہے: فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ فتنہ سے مراد ہر وہ کام اور کلام ہے جو معاشرے میں فساد اور آخرت میں عذاب کا سبب بنے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَلَاتُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ﴾ میں واوٗ عاطفہ۔ لَاتُقٰتِلُوْ فعل نہی۔ عِنْدَ ظرف مبنی مضاف، اسی کی وجہ سے اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مجرور ہے۔ حتّٰی حرف عاملہ۔ يُقٰتِلُوْكُمْ کی ضمیر کُمْ کفار کی طرف راجع ہے اور فِيْهِ کی ضمیر مسجد حرام کی طرف لوٹ ہے۔

﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾: میں اِنْ شرطیہ ہے۔ قٰتَلُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب اور كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ فَاقْتُلُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر جواب شرط اور هُمْ ضمیر کفار کی طرف، راجع ہے۔

﴿كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ میں ''ک'' تشبیہ کا اور ذٰلِكَ اسم اشارہ۔ جَزَاۗءُ الْكَافِرِيْنَ. مرکب اضافی، جملے کے معنی ہیں: کافروں کی جزا اسی طرح ہوتی ہے۔

﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ : میں انْتَهَوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ میں قٰتِلُوْا فعل امر۔ هُمْ ضمیر کفار کی طرف راجع۔ حتّٰی حرفِ عاملہ۔ لا نافیہ تَكُوْنَ فعل مضارع واحد مؤنث غائب اور حتّٰی کی وجہ سے اس کے آخر میں زبر آئی ہے۔ فِتْنَةٌ اس کا فاعل۔ واوٗ عاطفہ۔ يَكُوْنَ بھی فعل مضارع لیکن واحد مذکر غائب اَلدِّيْنُ اس کا فاعل۔ للّٰہ کی لام حرف جر اور لفظ اللہ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ میں عدوان. عَدَايَعْدُوْا سے مصدر ہے۔ ظلم و زیادتی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اِلَّا حرف استثنا. عَلٰی حرف جر۔ الظّٰلِمِيْنَ ، الظَّالِم کی جمع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں ہی پر ظلم و زیادتی ہوگی۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿194﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿195﴾	''حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے ہوگا اور تمام حرمتیں مساوی ہیں۔ پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی زیادتی کرو، جتنی تم پر اس نے زیادتی کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور احسان کرو، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح

تفسیر ابن جریر میں منقول ہے کہ الشَّهْرُ الْحَرَامُ سے مراد ذوالقعدہ کا مہینہ ہے۔ کیونکہ سنہ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے جب حدیبیہ کے مقام تک پہنچے تو مکہ کے مشرکوں نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ مشرکوں سے اس بات پر صلح ہوئی کہ آپ اگلے سال یعنی ۷ ہجری میں عمرہ کے لئے آئیں گے اور مکہ میں صرف تین دن قیام کریں گے۔ چنانچہ آپ نے صحابہؓ کے ساتھ سات ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرہ کیا جس سے پچھلے سال مشرکوں نے آپ کو روکا تھا۔ انہوں نے آپ کے لئے شہر کو خالی کر دیا۔ آپ ﷺ نے عمرہ کرنے کے بعد اس میں تین دن قیام کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جبکہ آپ مدینہ واپس جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذوالقعدہ کے مہینے ہی میں مشرکوں کی کراہت کے باوجود اپنے حرم اور گھر تک پہنچایا اور عمرہ کرایا۔

مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جس سال قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو عمرہ نہ کرنے دیا تھا تو وہ اپنے اس فعل پر فخر کیا کرتے تھے۔ اللہ نے اگلے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرہ کرا کر اس کا قصاص لیا۔ یعنی وہ کام کرا دیا جس سے اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو روکا گیا تھا۔

قصاص کے بارے میں امام ابن جریر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس کا لینا تین جہت سے جائز ہے۔ یعنی قولی، فعلی اور بدنی طور پر قصاص لیا جا سکتا ہے۔ ۶ ہجری کے ذوالقعدہ کا قصاص ۷ ہجری کے ذوالقعدہ میں لیا جانا فعلی قصاص تھا۔ الحرمات کو جمع کی صورت میں لانے کی وضاحت انہوں نے یہ کی ہے کہ اس سے مراد شہر حرام۔ بلدِ حرام اور حرمت احرام ہے۔ کیونکہ ۶ ہجری میں یہ تینوں حرمتیں روکے جانے کی وجہ سے رہ گئی تھیں۔ اس لئے ان تینوں کا قصاص ۷ ہجری میں لیا گیا۔

ذوالقعدہ کو شہر حرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب اس مہینے میں قتل وقتال حرام سمجھتے تھے۔ اسلحہ استعمال کرنے کی بجائے رکھ دیا جاتا تھا۔ اس میں کوئی کسی کو قتل نہیں کرتا تھا۔ اگر چہ کسی شخص کی اپنے باپ یا اپنے بیٹے کے قاتل سے ملاقات ہو جاتی تو بھی وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ چونکہ اس مہینے میں لڑائیوں اور جنگوں کا سلسلہ رک جاتا تھا اور لوگ امن وامان سے گھروں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اس وجہ سے اس کو ذوالقعدہ یعنی بیٹھنے والا مہینہ کا نام دیا گیا۔

مدینہ طیبہ میں اہل اسلام کو جب قتال کی اجازت ملی تو ساتھ ہی یہ ہدایت بھی مل گئی تھی کہ کسی پر زیادتی نہیں کرنی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو محبوب نہیں بناتا۔ لیکن بعد میں یہ اجازت بھی مل گئی کہ اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو تمہیں بھی حق ہے کہ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لو۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی مل گیا کہ بدلہ لیتے ہوئے خیال رہے کہ جتنی تم پر زیادتی ہوئی ہے اتنی ہی تمہیں کرنی ہوگی۔ اس سے زیادہ کرنے سے بچنا ہوگا۔ یہ اصول بھی اسلام کا ایسا ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ انسانی تاریخ میں ظالموں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بہت ظلم کیا۔ انسانی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ مظلوموں کو جب ظالموں سے ظلم کا بدلہ لینے کا موقع ملا تو انہوں نے تمام حدوں کو توڑ دیا۔ اسلام ہی دنیا کا ایسا دین ہے کہ اس کے مطابق عمل کرنے والوں نے عموماً ظالموں کو معاف کر دیا۔ اگر کہیں بدلہ لیا گیا تو ممکنہ حد تک بدلے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تخفیف کو اپنایا گیا۔

سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَ مَاصَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَاتَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝﴾ (النحل:۱۲۶۔۱۲۸)

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے۔اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔اور آپ صبر کریں اور صبر کی توفیق اللہ ہی عطا کرتا ہے اور آپ ان پر غمزدہ نہ ہوں اور نہ ان تدابیر سے تنگ دل ہوں جو وہ کر رہے ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو صاحب تقوی ہوئے اور ان کے ساتھ ہے جو احسان کرنے والے ہیں۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ ایک طرف زیادتی کرنے والوں سے ہونے والی زیادتی کے مطابق بدلہ لینے کا حکم ہے تو دوسری طرف صبر کی تلقین کی جارہی ہے۔یہی اسلام کا انتہائی خوبصورت پہلو ہے کہ ظالم اگر اپنے ظلم سے باز نہیں آتا، اپنی طاقت وقوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں شرماتا تو ایسے ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملنی چاہئے۔لیکن جہاں ظالم اپنی جہالت کی بنا پر ظلم کرتا ہے اور اس کے باز آنے کے امکانات موجود ہوتے ہیں، وہاں درگزر کرنے اور صبر کرنے میں ہی بہتری ہوگی جیسا کہ ۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر ہوا۔آنے والے وقت نے ثابت کردیا کہ وہ بہترین فیصلہ تھا۔اسی طرح فتح مکہ کے موقع آپ بدلہ لینا چاہتے تو آپ کا حق تھا۔لیکن عام معافی دینے سے اہل عرب کے دلوں میں اسلام کی عظمت کے چراغ روشن ہوگئے۔کل تک جو اسلام کے دشمن تھے وہی اسلام کے علمبردار بن گئے اور اسلام کی روشنی کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے میں مصروف ہوگئے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے۔کیونکہ اس سے دلوں میں کشادگی پیدا ہوتی ہے۔مال کی محبت کی بجائے اللہ کی محبت غالب رہتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا حکم دینے کیساتھ یہ وضاحت بھی فرمادی کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔یعنی اللہ کی راہ میں مال نہ خرچ کرنا ہلاکت ہے۔صحیح بخاری میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''یہ آیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔'' (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ﴿ وأنفقوا في سبيل الله...... ﴾ حدیث:۴۵۱۶)

ابوداؤد کی روایت ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی میں ایک مہاجر صحابی کفار پر حملے کرتے ہوئی ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے ان میں داخل ہوگئے۔ان کے بعض ساتھیوں نے کہا: اس نے اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے کہا۔اس آیت کا مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔کیونکہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔جب ہم نے یہ کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل کیا۔آپ کے ساتھ جنگ وجہاد میں شریک رہے آپ کی مدد پر تلے رہے۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی پھیلا دی اور مسلمان غالب ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ مشورہ کیا کہ الحمد للہ اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا۔ لڑائی ختم ہو گئی۔ گزرے ہوئے دنوں میں ہم نے نہ اولاد کی دیکھ بھال کی نہ مالوں کھیتوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا۔ اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ دیں۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جہاد کو ترک کر کے بال بچوں اور تجارت میں مشغول ہو جانا ہے ہلاکت ہے۔ (سنن ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب قوله ﴿ لا تلقو بأيديكم الى التهلكة﴾، حديث:۲۵۱۲)

اگرچہ اس روایت کے ایک راوی ابولہیعہ کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے وہی بات ہے جو حضرت حذیفہ سے صحیح بخاری میں منقول ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلامی قوت کیلئے جب مال نہیں خرچ کیا جائے گا تو قوت ضعف میں تبدیل ہو جائے گی اور دشمن کو غالب آنے کو موقع مل جائے۔ مسلمانوں کی موجودہ کمزوری کا یہ سبب ہے۔ مسلمانوں کو جس طرح اپنی قوت قائم کرنے یا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے مسلمانوں نے اس کے مطابق عمل نہیں کیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے مراد بخل لیتے تھے۔ جبکہ مفسرین میں سے ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ گناہ ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی بخشش سے ناامید ہو کر مزید گناہوں میں مشغول ہو جانا اپنے ہی ہاتھوں ہلاک ہونا ہے۔

اسلام کی کیا ہی خوبصورت تعلیم ہے کہ ہمیشہ احسان کرتے رہو۔ احسان کا معنی یہ ہے: برائی کا جواب اچھائی سے دو۔ سورۃ فصلت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾(فصلت:۳٤)

''برائی کو اچھائی سے دور کریں جب آپ ایسا کریں گے تو جس کی آپ سے دشمنی ہے وہ آپ کا زبردست حمایتی اور مددگار بن جائے گا۔''

آپ ﷺ نے زندگی بھر اسی پر عمل کیا اور نتیجتاً بہت سے دشمن آپ کے محافظ بن گئے۔ ویسے بھی یہ صفت اللہ تعالیٰ کو بہت اچھی لگتی ہے۔ اسی لئے اس نے اعلان کر دیا کہ وہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

دعا ہے اللہ ہمیں بھی اس صفت سے نواز دے۔

حل لغات:

- ﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ میں اَلشَّهْرُ شَهَرَ يَشْهَرُ سے مصدر ہے۔ اسلام میں اس سے مراد وہ مدت معینہ ہے جو چاند کے ظہور سے شروع ہوتی ہے اور جسے مہینہ کہا جاتا ہے۔ ویسے لغوی طور پر اس کا معنی مشہور ہونا ہے۔ یہاں یہ موصوف اور اَلْحَرَامُ اس کی صفت ہے۔ دونوں مرکب توصیفی کے درمیان ''ب'' حرفِ جر مبادلہ کی ہے۔ یعنی حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کا بدل ہے۔ اَلْحُرُمٰتُ حُرْمَةٌ کی جمع ہے۔ جیسے ظُلْمَةٌ کی جمع ظُلُمٰت اور حُجْرَةٌ کی جمع حُجُرَاتِ ہوتی ہے۔ قصاص سے مراد مساوات ہے۔ یعنی تمام حرمتیں برابر برابر ہیں۔
- ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ﴾ میں مَنْ اسم موصول اعْتَدٰی فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ عَلٰی حرف جر۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ فَاعْتَدُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ عَلٰی حرف جر۔ ہ ضمیر مَنْ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف راجع ہے۔ با حرف جر مثل مجرور، ما موصول اعْتَدٰی فعل ماضی واحد مذکر غائب، عَلٰی حرف جر، کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ جملے کے معنی ہیں: پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی۔

- ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ اتَّقُوْا۔ فعل امر صیغہ جمع مذکر اور لفظ اللّٰه اس کا مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔
- ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اِعْلَمُوْا فعل امر اَنَّ مشبہ بالفعل۔ لفظ اللّٰه اس کا اسم ہے۔ مَعَ معیت کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اَلْمُتَّقِیْنَ اَلْمُتَّقِیْ کی جمع اور مع کا مضاف الیہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔
- ﴿وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ واؤ عاطفہ۔ اَنْفِقُوْا فعل امر حاضر، صیغہ جمع مذکر۔ فِیْ حرف جار۔ سَبِیْلِ اللّٰهِ مرکب اضافی مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔
- ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾: میں واؤ عاطفہ۔ لَا تُلْقُوْا باب افعال سے فعل نہی۔ بِ حرف جر۔ اَیْدِیْ جمع یَدٌ کی اور کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ اِلٰی حرف جر التَّهْلُكَةِ۔ هَلَكَ يَهْلِكُ سے مصدر ہے۔ جملے کا معنی ہے: اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔
- ﴿وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ اَحْسِنُوْا فعل امر صیغہ جمع مذکر۔ اِنَّ مشبہ بالفعل۔ لفظ اللّٰه اس کا اسم۔ یُحِبُّ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اَلْمُحْسِنِیْنَ، اَلْمُحْسِنُ کی جمع اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور احسان کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ

''اور عمرے اور حج کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ اگر تم روک لیے جاؤ تو جو بھی قربانی میسر آئے اس کو ذبح کر دو اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے۔ پس تم میں سے جو بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جائے تو (پہلے ہی سر منڈوا لینے کی صورت میں) اس کا فدیہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ کرے یا قربانی کرے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں آ جاؤ تو جس شخص نے عمرہ سے لے کر حج تک تمتع کیا پس اس کو جو بھی قربانی ملے وہ ذبح کر دے۔ جو قربانی نہ پائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَا تَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿196﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ فِی الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿197﴾

تو وہ حج کے دنوں میں تین روزے اور جب تم واپس لوٹ جاؤ تو سات روزے رکھ لے۔ (اس طرح) یہ پورے دس ہو جائیں گے۔ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام کے آس پاس نہ رہنے والے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ حج کے مہینے مقرر شدہ ہیں۔ جو ان میں اپنے اوپر حج فرض کرے اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی کے پاس نہ جائے، نہ کسی معصیت کا مرتکب ہو اور نہ حج کے دوران لڑائی جھگڑا ہی کرے۔ اور جو بھی بھلائی کا کام تم کرو گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا۔ اپنے ساتھ زادِ راہ لو اور بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں حج اور عمرے کے بارے میں اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ہدایات سے نوازا ہے۔ ہر صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ حج بھی فرض ہے اور یہ فریضہ جتنا جلدی ادا ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ عمرے کے بارے میں صحیح بخاری کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعُمْرَةُ اِلَی الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا» (صحيح البخاری، كتاب العمرة، باب وجوب العمرة و فضلها، حديث:۱۷۷۳)

"ایک عمرے دوسرے عمرے تک ان گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے جو ان دونوں کے درمیان انسان سے ہوتے ہیں۔"

لہٰذا! جب ان دونوں کے لیے احرام باندھا جائے تو پھر قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق دونوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اچھی طرح پورا کیا جائے۔ ان کے جو تقاضے ہیں ان کا خیال رکھا جائے۔ اگر کوئی ایسی رکاوٹ حائل ہو جائے جس کا دور کرنا انسان کے بس کی بات نہ ہو تو جو بھی قربانی میسر ہو سکے اس کو ذبح کر کے انسان سر کے بال منڈوائے یا کترائے پھر احرام کھول دے۔ اگر حالات معمول کے مطابق ہیں تو حج کرنے والے پر لازم ہے کہ اس کی قربانی قربان گاہ تک پہنچ جائے یعنی منیٰ میں قربانی کے ذبح ہونے کے بعد سر منڈوائے یا بالوں کو کترائے۔ عورتوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے تمام بالوں کو جمع کر کے آخر میں سے تھوڑے سے کاٹ دیں۔ جو مرد عورتوں جیسا عمل کرتے ہیں وہ قرآن وسنت کے مطابق عمل نہیں کرتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری و مسلم اور احادیث کی دوسری کتابوں کے مطابق حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ آ کر عصر کی نماز قصر کی یعنی دو رکعتیں پڑھیں۔ ذوالقعدہ کی جب پانچ راتیں باقی تھیں تو آپ ﷺ نے سفر مبارک کا آغاز فرمایا اور چار ذوالحجہ کو مکہ پہنچ گئے۔ مکہ مکرمہ پہنچتے ہی آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد صفا مروۃ کے درمیان چکر لگائے۔ لیکن آپ نے احرام نہ کھولا اور آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لایا ہے وہ احرام کی حالت میں رہے اور جو نہیں لایا وہ حلال ہو جائے یعنی احرام کھول دے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حکم کی تعمیل کی اور ان کو آٹھ ذوالحجہ (یوم الترویۃ) کو حج کے لیے احرام باندھ کر منیٰ جانے کا حکم ملا۔ نو ذوالحجہ کو آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ میدان عرفات میں رہے۔ جہاں آپ نے ظہر اور عصر کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا۔ سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ آ کر مغرب اور عشاء کو جمع کیا۔ رات آپ جلدی سو گئے اور صبح نمازِ فجر کے بعد منیٰ آ کر جمرۃ عقبہ (بڑے شیطان) کو سات کنکریاں ماریں۔ پھر آپ نے قربانی کے اونٹ ذبح کیے۔ وہاں سے آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور بیت اللہ کا طواف کر کے حلال ہوئے۔ جب کہ حج کا احرام باندھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم نے صفا مروہ کے درمیان پھر سے سعی بھی کی۔

مکہ پہنچنے کے بعد جب آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ جن کے ساتھ قربانی نہیں وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائیں تو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ کیا یہ ہمارے ساتھ مخصوص ہے یا ہمیشہ اسی کے مطابق عمل ہوگا۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ مبارک کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ مبارک کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا:

''یہ معاملہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔''

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ عمرہ کرنے کے لیے کوئی خاص مہینہ مقرر نہیں۔ جب کہ حج یعنی حج کا احرام باندھنے کے لیے مہینوں کا تعین کر دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ''وہ شوال، ذوالعقدہ اور ذوالحجہ ہیں۔ ذوالحجہ میں بھی حج کے بعد والے دن ان میں شامل نہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب قولہ تعالیٰ: ﴿الحج اشھر معلومات......﴾)

آج کل تو دنیا سکڑ گئی۔ مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوسکتا ہے۔ یہ سہولت اس وقت بہت اہم تھی جب حج کے لیے مہینوں سفر کرنا پڑتا تھا۔

حج کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بھی ملا کہ حج کے لیے نکلنے کے بعد یعنی حالتِ احرام میں اپنی بیویوں سے مباشرت اور ہر قسم کی معصیت اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرو، نیز صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ .))

(صحیح البخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، حدیث:۱۵۲۱)

''جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور وہ رفث و فسوق کا مرتکب نہ ہوا تو وہ اس دن کی طرح ہو جائے گا جس دن

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔‘‘
یعنی گناہوں سے بالکل پاک ہو جائے گا۔

صحیح بخاری میں یہ بھی مروی ہے کہ اہل یمن حج کرنے کے لیے جب آتے تو اپنے ساتھ زادِ راہ نہ لاتے اور کہتے کہ ہم متوکل ہیں۔ لیکن جب مکہ مکرمہ پہنچ جاتے تو لوگوں سے سوال کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمادی کہ زادِ راہ ساتھ لو اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ کھانے پینے کا سامان اپنی جگہ لیکن اصل زادِ راہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے جس کے تحت مسلمان نیکی کے کام کرتا اور گناہوں سے بچتا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ، و تزوّدو فانّ خیر الزاد التقوی، حدیث:۱۵۲۳)

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس دولت سے مالا مال کر دے۔

حل لغات:

❁ ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ میں اَتِمُّوْا فعل امر، اَلْحَجَّ اور اَلْعُمْرَةَ اس کے مفعول ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو۔ یعنی ان کی ادائیگی میں کمی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔

❁ ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ اُحْصِرْتُمْ، باب افعال سے فعل ماضی مجہول جمع مذکر حاضر۔ فَمَا میں فَ جزائیہ اور مَا موصول۔ اسْتَيْسَرَ باب استفعال سے فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔ مِنَ حرف جر اور اَلْهَدْيِ مجرور۔ اَلْهَدْيِ سے مراد قربانی کا جانور ہے، جملے کے معنی ہیں: اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو بھی قربانی کا جانور میسر آئے (اس کو قربان کر دو)

❁ ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾ میں لَاتَحْلِقُوْا فعل نہی۔ رُءُوْسَكُمْ اس کا مفعول۔ حَتّٰى انتہائے غایت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہے جو فعل مضارع سے پہلے آئے تو اس کے آخر میں زبر لے آتا ہے۔ جیسے يَبْلُغَ کے آخر میں آئی ہے۔ مَحِلَّهٗ سے مراد اس کے یعنی قربانی کے حلال ہونے کی جگہ۔ جملے کے معنی ہیں: اور اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ تک پہنچ جائے۔ یعنی قربانی کرنے کے بعد سر منڈواؤ

❁ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ نُسُكٍ، نَسِيْكَةٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جو قربانی یا صدقے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ لغوی طور پر اس کا معنی غسل ہے۔ یعنی عبادت کرنے والا اپنی عبادت کے ذریعے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے غسل دیتا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تم میں سے کوئی اگر بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جائے اور وہ اس کی وجہ سے قربانی سے پہلے ہی سر منڈوالے تو فدیے کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ کرے یا کوئی قربانی کیا جانے والا جانور ذبح کرے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ میں اِذَا ظرف مبنی شرطیہ اور اَمِنْتُمْ باب سَمِعَ سے فعل ماضی جمع مذکر حاضر، جملے کا معنی ہے: جب تم امن میں ہو جاؤ (اگر بیمار تھے تو جب شفا یافتہ ہو جاؤ)

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ میں تَمَتَّعَ باب تفعّل سے فعل ماضی واحد مذکر غائب، لغوی طور پر اس کا معنی عرصہ دراز تک فائدہ اٹھانا ہوتا ہے لیکن یہاں مراد عمرہ کر کے حلال ہو جانا اور اس کے بعد دوبارہ احرام باندھ کر حج کرنا ہے۔ جملے کا معنی ہے: جس نے عمرے کا فائدہ حج تک لیا تو جو قربانی اس کو میسر ہو وہ کر دے اور جو قربانی نہ پائے تو حج کے دوران وہ تین روزے رکھ لے اور جب واپس جائے تو سات مزید رکھ لے۔

﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ میں تِلْكَ اسم اشارہ مبتدا اور عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ مشارالیہ اس کی خبر، جملے کا معنی ہے: یہ پورے دس روزے ہوں گے۔ یعنی حج کے موقع پر کی جانے والی قربانی کا فدیہ کاملہ ہوں گے۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں لَمْ يَكُنْ نفی جحد بہ لم ہے۔ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے مراد مسجد حرام کے آس پاس رہنے والے یعنی اہل مکہ۔ جملے کا معنی ہے: یہ قانون ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے آس پاس رہنے والے نہ ہوں۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ میں اِتَّقُوْا اور اعْلَمُوْٓا دونوں ہی فعل امر ہیں اور شَدِيْدُ الْعِقَابِ مرکب اضافی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ میں اَلْحَجُّ مبتدا ہے جب کہ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ مرکب توصیفی اُس کی خبر ہے۔ اَشْهُرٌ شَهْرٌ کی جمع اور مَعْلُوْمَاتٌ مَعْلُوْمَةٌ کی جمع ہے۔ جملے کا معنی ہے: حج کے مہینے معلوم یعنی مقرر ہیں۔

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ میں رَفَثَ سے مراد بیویوں سے تعلق ازدواجی قائم کرنا۔ فُسُوْقَ سے مراد ہر قسم کی معصیت اور جِدَالَ سے مراد لڑائی جھگڑا کرنا ہے۔ جملے کا معنی ہے: جو شخص حج کے مہینوں میں اپنے اوپر حج فرض کرے یعنی احرام باندھ لے پس اس کو چاہیے کہ بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کرنے، ہر قسم کی معصیت کا مرتکب ہونے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے حج کے دوران بچے۔

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ میں خیر سے مراد اجر و ثواب کا سبب بننے والی نیکی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تم جو بھی بھلائی کا کام کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا۔

﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ میں تَزَوَّدُوْا باب تفعّل سے فعل امر۔ التَّقْوٰى سے مراد پرہیز گاری۔ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ سے مراد اے عقل والو ہے۔ جملے کے معنی ہیں: زاد راہ ساتھ رکھو۔ بے شک بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈر جاؤ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص
وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ
قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ (198) ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ
حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (199) فَاِذَا قَضَيْتُمْ
مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ
اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (200) وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (201)
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ (202)

’’تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ جب تم عرفات کے میدان سے نکلو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔ اور ذکر بھی اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اور تم اس سے پہلے گمراہ لوگوں میں سے تھے۔ پھر تم وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ جب تم حج کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے آباء و اجداد کو یاد کرتے ہو یا اس سے زیادہ اس کا ذکر کرو۔ لوگوں میں سے وہ بھی ہے کہ کہتا ہے: اے ہمارے رب! دنیا ہی میں مجھے دے دو۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ وہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے جو انہوں نے کمایا اسی میں سے حصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔‘‘

تشریح:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز تجارتی بازار تھے۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد صحابہؓ موسم حج میں ان بازاروں میں تجارت کرنے کو جب گناہ خیال کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ والی آیت نازل فرما کر انہیں ایام حج میں تجارت کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ (صحيح البخاري، كتاب الحج، باب التجارة أيام الموسم والبيع في اسواق الجاهلية، حديث: ۱۷۷۰)

تفسیر ابن جریر (۲/۲۸۲) میں ابو امامۃ التیمی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ہم لوگ حج کے دوران جانور کرایہ پر دیتے ہیں، کیا ہمارا حج بھی ہو جاتا ہے؟ انہوں نے کہا کیا تم لوگ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرفات کے میدان میں نہیں ٹھہرتے، شیطان کو کنکریاں نہیں مارتے اور کیا تم سر نہیں منڈواتے، ہم نے عرض کیا: یہ سارے کام تو ہم کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے آپ سے وہی سوال کیا جو تم نے مجھ سے کیا ہے۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کیا جواب دیں حتیٰ کہ جبرئیل امین تجارت کی اجازت والی آیت کے ساتھ نازل ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اَنْتُمْ حُجَّاجٌ۔)) ''تم حاجی ہو۔''

ابن کثیر کی روایت کے مطابق جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: هَلْ كَانَتْ مَعَايِشُهُمْ اِلَّا فِي الْحَجِّ ''تجارت کا موسم اور کون سا تھا؟ اہل عرب کی معیشت کا دارمدار حج پر ہی ہوتا تھا۔''

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش مکہ اور ان کے دین کے مطابق عمل کرنے والے حج کے موقع پر مزدلفہ میں قیام کرتے اور ان کو حُمس کہا جاتا تھا جب کہ عرب کے دوسرے لوگ عرفات میں جایا کرتے تھے۔ جب اسلام کی شمع روشن ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ عرفات کے میدان میں جا کر قیام کریں اور وہاں سے لوٹیں جہاں سے لوگ واپس آئیں۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ثم أفیضو من حیث أفاض الناس، حدیث: ۴۵۲۰) قرآن حکیم میں حج کرنے والوں کو یہ حکم بھی دیا کہ عرفات سے لوٹنے کے بعد مشعر حرام میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کیا جائے جس طرح ذکر کرنے کی ہدایت سے اس نے اہل اسلام کو نوازا ہے۔ یہاں بڑا لطیف سا نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ جو کچھ زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کیا کرتے تھے اس سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جاہلیت کے دور میں دھوپ جب پہاڑ کی چوٹیوں پر ہوتی تو مکہ کے مشرک عرفات سے واپس آجاتے اور مشعر حرام سے اس وقت نکلتے جب سورج اچھی طرح روشن ہوجاتا۔ مشرکوں کی مخالفت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ عرفات کے میدان سے سورج کے غروب ہونے کے بعد اور مزدلفہ سے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہی روانہ ہوئے۔ یعنی آپ نے مشرکوں کے عمل کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کیا۔ اسی لیے ذکر و اذکار کا سلسلہ بھی وہی درست ہے جو مسنون ہو۔ حج کے دوران جو کچھ آپ نے کیا اور جو کرنے کا حکم دیا وہی بہترین اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔ حجۃ الوداع احادیث کی تمام کتابوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے لہٰذا اپنی طرف سے طواف اور دوسرے ارکان کے لیے دعائیں بنانے اور لوگوں کو بتانے کی بجائے مسنون دعاؤں کے ساتھ حج کے ارکان اگر پورے کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ان شاء اللہ وہ حج مبرور بن جائے گا۔ اسی طرح استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہنے کی بڑی فضیلت ہے۔

مسند احمد (۱/ ۲۴۸) سنن ابن ماجہ، ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَ رَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔)) (سنن ابن ماجہ، کتاب الأدب، باب الاستغفار، حدیث: ۳۸۱۹، سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار، حدیث: ۱۵۱۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جس نے استغفار کو اپنے اوپر لازم کیا، اللہ تعالیٰ ہر تنگی میں اس کے لیے کشادگی پیدا کرتا ہے۔ ہر غم میں راحت کی راہ ہموار کرتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان نہیں ہوتا۔''

بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔'' (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی ﷺ فی الیوم واللیلة، حدیث: ٦٣٠٧) اور مسلم کے الفاظ ہیں: ''سو مرتبہ کرتا ہوں۔'' (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب الاستغفار، والاستکثار منه، حدیث: ٢٧٠٢)

عرفات کے میدان سے واپس آنے والوں کو تعلیم دی گئی کہ واپسی کے وقت ان کو زیادہ سے زیادہ اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا کرنی چاہیے۔ ساتھ ہی یہ بشارت بھی دے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے زیادہ سے زیادہ اس کا ذکر کرتے رہیں۔ خاص طور پر حج کے ارکان ادا کرنے پر تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ دور دراز سے سفر کرنے والے کا مقصد وحید یہی ہوتا ہے کہ اس کو گناہوں سے پاک کر دیا جائے۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ بخشنے والے سے بخشش کی دعا کی جائے۔ دعا کرتے ہوئے عموماً لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ دنیوی نعمتوں سے ان کو مالا مال کر دیا جائے۔ آخرت کی ان کو کوئی فکر نہیں ہوتی۔ حالانکہ آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہوتی ہے۔ جس کی آخرت سنور گئی اس نے سب کچھ حاصل کر لیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ جو دنیوی نعمتوں کے طلب گار ہوتے ہیں۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اور جو دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی کے حصول کی دعا مانگتے ہیں اور عملی طور پر اس کے لیے کوشاں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ)) (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب قول النبی ﷺ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة، حدیث: ٦٣٨٩)

''نبی کریم ﷺ کی اکثر دعا یہ تھی۔ اے اللہ ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور آگ کے عذاب سے بچا۔''

ہمیں بھی یہی دعا کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت یہ ہمیں ہی تعلیم دی گئی ہے۔

حل لغات:

❁ ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ میں لَيْسَ فعل ناقص عَلٰی حرف جر کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ جُنَاحٌ سے مراد گناہ اور یہ لَيْسَ کا اسم ہے۔ فَضْلًا سے مراد تجارت کے ذریعے حاصل ہونے والا رزق ہے۔ مِنْ حرف جر رَبِّكُمْ مجرور۔ جملے کا معنیٰ ہے: تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کی طرف سے ملنے والا رزق تلاش کرو۔

❁ ﴿ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ﴾ : میں اِذَا ظرف مبنی شرطیہ۔ اَفَضْتُمْ باب اِفعال سے فعل ماضی، جمع مذکر حاضر۔ مِنْ حرف جر۔ عَرَفٰتٍ۔ عَرَفَة کی جمع مجرور۔ فَاذْكُرُوْا فعل امر۔ لفظ اللّٰه اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مفعول ۔ عند ظرف مکان ۔ اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ مرکب توصیفی ہے اور اس سے مراد حرم کی نشانی ہے۔ مزدلفہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی تمام جگہ کو مشعر حرام کہا جاتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: جب تم عرفات سے لوٹو، تو مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔

﴿ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ اُذْكُرُوْا تاکید لایا گیا ہے۔ كَمَا کا کاف تشبیہ کے لیے اور مَا مصدریہ ہے۔ یعنی اُذْكُرُوْهُ ذِكْرًا حَسَنًا كَمَا هَدَاكُمْ هِدَايَةً حَسَنَةً. اس کا ذکر بہتر صورت میں اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں بہتر ہدایت سے نوازا ہے۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ واؤ عاطفہ۔ اِنْ مخففہ جو اصل میں اِنَّ تھا۔ كُنْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ مِنْ حرف جر۔ قبلہ مجرور۔ لام تاکید کا اور مِنْ حرف جر۔ الضَّآلِّيْنَ مجرور۔ جملے کا معنیٰ: بلاشبہ تم اس سے پہلے گمراہ لوگوں میں سے تھے۔ قَبْلِهٖ کی ضمیر نزولِ قرآن یا رسول اللہ کے مبعوث ہونے کی طرف راجع ہے۔

﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ﴾ ثُمَّ حرف عطف برائے ترتیب۔ اَفِيْضُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ مِنْ حرف جر۔ حَيْثُ ظرف مکان۔ اَفَاضَ فعل ماضی واحد مذکر غائب، الناس اس کا فاعل۔ معنی ہیں: پھر تم وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں۔

﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ اِسْتَغْفِرُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ لفظ اللّٰهَ اس کا مفعول۔ اِنَّ مشبہ بالفعل ۔لفظ اللّٰهَ اس کا اسم اور غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس کی خبر۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ میں اِذَا ظرف مبنی شرطیہ۔ قَضَيْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ مَنَاسِكَكُمْ میں كُمْ ضمیر مخاطب کی اور مَنَاسِكَ جمع منسک کی اور یہ مرکب اضافی قَضَيْتُمْ کا مفعول ہے۔ كَذِكْرِكُمْ میں کاف تشبیہ کا ہے۔ اَشَدَّ افعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب تم حج کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ ذکر کرو۔

﴿ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ مِنَ حرف جر۔ النَّاس مجرور۔ مَنْ موصول۔ يَقُوْلُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ رَبَّنَا میں نَا ضمیر جمع متکلم کی۔ رَبَّ منادیٰ اور اس کا حرفِ ندا ''یا'' محذوف ہے۔ اسی لیے رَبَّ منصوب ہے۔ اٰتِنَا میں اٰتِ۔ اٰتٰی يُؤْتِي اِفعال سے فعل امر ہے اور نَا ضمیر جمع متکلم کی اس کا مفعول ہے۔ فِيْ حرف جر۔ الدُّنْيَا مجرور۔ حَسَنَةً اٰتِ کا مفعول ثانی ہے۔ واؤ عاطفہ۔ مَا نافیہ۔ لام حرف جر۔ ہٗ ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے۔ فِيْ حرف جر۔ اَلْاٰخِرَةِ مجرور۔ مِنْ حرف جر خَلَاقٍ مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: لوگوں میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ میں واؤ عاطفہ ۔قِ فعل امر نَا ضمیر متکلم جمع کی۔ عَذَابَ النَّارِ مرکب اضافی مفعول ثانی ۔ ق ۔ باب وَقٰى يَقِيْ سے امر حاضر واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اے رب ہمارے! ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ کا معنی ہے: وہی لوگ ہیں جن کے لیے وہی حصہ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿203﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿204﴾ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿205﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ۚ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿206﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿207﴾

''گنتی کے (ان) چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔ پس جو دو دن میں جلدی کرے اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (یہ آسانی) اس کے لیے ہے جو (اللہ سے) ڈر جائے۔ اور اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ بے شک تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو خوش لگتی ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ واپس ہوتا ہے (یا حاکم بنتا ہے) تو زمین میں کوشاں ہو جاتا ہے کہ اس میں فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر جاؤ، تو غرور اُسے گناہوں پر مزید ابھارتا ہے، پس اس کو جہنم ہی کافی ہوگی اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اور لوگوں میں وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب میں اپنی جان بھی بیچ دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت شفقت کرنے والا ہے۔''

تشریح

عرفات سے حجاج کرام جب منیٰ میں آتے ہیں تو بڑے شیطان کو کنکریاں مار کر قربانی کرتے ہیں۔ پھر مکہ آ کر بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کر کے حلال ہو جاتے ہیں۔ منیٰ میں واپس جا کر تین دنوں میں ہر روز تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی حاجی تین دن منیٰ میں قیام کرنے اور شیطان کو کنکریاں مارنے کی بجائے وہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام دو دنوں میں کر کے واپس آ جانا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دے کر امت محمدیہ پر آسانی فرمائی ہے۔ لیکن ساتھ ہی کثرت سے ذکر الٰہی کا حکم بھی دے دیا۔ یعنی ایام تشریق میں اپنے رب کو خوب یاد کرو کیونکہ واپسی کا وقت قریب ہو جاتا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں منقول ہے کہ حضرات ابن عمر، ابن زبیر، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم اور عطاء، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ابراہیم نخعی، یحییٰ بن ابی کبیرہ، حسن، قتادہ، سدی، زہری، ربیع بن انس، ضحاک، مقاتل بن حیان اور عطاء خراسانی وغیرھم کے نزدیک ایام تشریق چار ہیں۔ دسویں سے شروع ہو کر تیرہویں کی نمازِ عصر پر ختم ہوتے ہیں جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ یہ صرف تین دن ہیں اور ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل دن پہلا یعنی عید کا دن ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ بھی چوتھے دن قربانی کرنے کے قائل ہیں۔ ائمہ حدیث کا اختلاف اپنی جگہ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قربانی عید کے دن کی جس سے واضح ہوتا ہے کہ مسنون اور افضل یہی ہے کہ قربانی پہلے دن کی جائے۔ اگر کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو دوسرے، تیسرے اور چوتھے دن کی بھی اجازت ہے۔

مشہور قول کے مطابق ﴿اُذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ عرفہ کے دن فجر سے شروع ہو کر ایام تشریق کے آخری یعنی چوتھے دن کی نماز عصر کے بعد تک روزانہ ہر فرض نماز کے بعد تکبیرات بلند کی جائیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے تکبیرات کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

((اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ))

جب اہل اسلام اجتماعی طور پر یہ کلمات بلند آواز سے کہتے ہیں تو وہ دنیا پر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بڑا نہیں۔ وہی سب سے بڑا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہر قسم کی تعریف اسی کے لیے ہے۔ ان کلمات کے ذریعے ہر قسم کے شرک کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور خالق و مالک کی وحدانیت کی روشنی ہر سو پھیل جاتی ہے۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سخت ترین جھگڑالو کا ذکر بھی کیا ہے جو باتیں تو بڑی اچھی کرتا ہے، اپنے قول وقرار پر اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے۔ لیکن اس کا مقصد لوگوں کی بھلائی کا خیال رکھنا اور معاشرے کی اصلاح کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ کی مخلوق کی اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے رزق کی تباہی کے درپے رہتا ہے اور فتنہ وفساد کا بازار گرم رکھتا ہے۔ سمجھانے والے اس کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جھگڑالو ہونے کے ناطے وہ کسی کی بات مانتا ہی نہیں۔ طاقت کے نشے میں ساری دنیا میں اپنی حکمرانی قائم کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ وہ فساد اور فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے شخص کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو وہ بہت ہی عزت والا سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اگر اس نے لوگوں کی اچھی بات مان لی تو اس کی عزت خراب ہوگی۔ اس کی عزت ہی اس کی تباہی کا سبب بنتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔جیسا کہ سابقہ قوموں کے جابر لوگ ہوا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے فیصلہ سنا دیا کہ ان کو جہنم ہی کافی ہوگی اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر قرطبی میں خلیفہ ہارون کا ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک یہودی کو خلیفہ سے کوئی حاجت تھی۔اس نے خلیفہ سے متعدد بار ملاقات کرنے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ایک دن جیسے ہی خلیفہ اپنے گھر سے باہر نکلا اس نے فوراً سامنے آ کر کہا:

" اِتَّقِ اللّٰهَ يَا اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ! "

''امیر المومنین !اللہ سے ڈر جائیں۔''

خلیفہ ہارون سواری سے اترا اور سجدے میں گر گیا۔جب سجدے سے سر اٹھایا تو یہودی کی جو بھی حاجت تھی اس کو پورا کرنے کا حکم دیا۔چنانچہ وہ پوری کر دی گئی۔جب یہودی چلا گیا تو ہارون الرشید سے کہا گیا کہ آپ ایک یہودی کے قول کی بنا پر سواری سے اتر آئے !ہارون رشید نے کہا: نہیں اس کے قول کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو یاد کرتے ہوئے میں نے ایسا کیا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر جاؤ تو اس کو ملنے والی عزت اس کو گناہ پر ابھار دیتی ہے۔پس اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

جھگڑالو کے ذکر کے بعد ایسے شخص کا بھی ذکر کر دیا گیا جس کی زندگی کا مقصود و مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہوتا ہے۔

سیرت ابن ہشام (۱/ ۴۷۷) کی روایت ہے کہ جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریشِ مکہ ان کی راہ میں حائل ہو گئے اور انہوں نے کہا:

''جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو حقیر وفقیر تھے۔جتنا تمہارے پاس مال ہے تم نے ہمارے ہاں قیام کے دوران کمایا۔اب تو چاہتا ہے کہ اپنے ساتھ وہ مال بھی لے جائے جو تم نے یہاں کمایا؟ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔''

صہیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''اگر میں اپنا مال تمہیں دے دوں تو تم مجھے مدینہ جانے دو گے؟''

قریش نے کہا:''ہاں''

چنانچہ انہوں نے اپنا سارا مال اہل مکہ کے حوالے کر دیا اور خود مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

((رَبِحَ صُهَيْبٌ، رَبِحَ صُهَيْبٌ))

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''صہیب رضی اللہ عنہ نفع میں رہا، صہیب نفع میں رہا۔''

مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ یہ صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ دوسرا قول ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾(التوبة:۱۱۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے، اس بدلے میں کہ ان کے لیے جنت ہوگی۔''

سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾ (آل عمران:۱۸۵)

''جو جہنم کی آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ پس وہی کامیاب ہوا۔''

یعنی اصل کامیابی جنت میں داخل ہونا اور جہنم کی آگ سے بچنا ہے۔ زمین میں تباہی و بربادی پھیلانے والے جھگڑالو جہنم کا ایندھن ہوں گے جب کہ اللہ سے اپنی جانوں اور مال کا سودا کرنے والے جنت میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ میں اُذْكُرُوْا فعل امر حاضر سے جمع مذکر کا صیغہ، لفظ اللّٰہ اس کا مفعول، اور اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ مرکب توصیفی ہے، اس سے مراد ایام تشریق ہیں۔ مشہور قول کے مطابق دس ذوالحجہ سے تیرہ ذوالحجہ تک ہیں۔ جملے کا معنی ہے: گنتی کے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔
- ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ ﴾ میں مَنْ موصولہ، تَعَجَّلَ اور تَاَخَّرَ دونوں ہی باب تفعل سے فعل ماضی واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں، يَوْمَيْنِ، يَوْم کا تثنیہ ہے۔
- ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ میں لَا نفی کا اور اِثْمَ کا معنی گناہ۔ عَلَيْهِ کی ضمیر ہ، مَنْ کی طرف راجع ہے۔ عَلٰى حرف جر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جو ایام تشریق کے دو دن بعد ہی جلدی کرے یعنی واپس آ جائے یا تین دن وہاں قیام کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔
- ﴿لِمَنِ اتَّقٰى﴾ سے واضح کر دیا گیا کہ یہ سہولت اس کے لیے ہوگی جو ڈر گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جس نے عمل کیا۔
- ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا﴾ میں اِتَّقُوْا اور اِعْلَمُوْا دونوں فعل امر حاضر سے جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ لفظ اللّٰہ فعل اِتَّقُوْا کا مفعول ہے۔
- ﴿اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ میں تُحْشَرُوْنَ فعل مضارع مجہول جمع مذکر حاضر۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ سے ڈر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاؤ اور جان لو کہ بے شک تم نے اسی کی طرف جمع کیے جانا ہے۔

۞ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ میں يُعْجِبُ باب افعال سے فعل مضارع واحد مذکر غائب، کَ ضمیر اس کا مفعول اور قَوْلُهُ اس کا فاعل ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور لوگوں میں وہ بھی ہے جس کی بات آپ کو دنیا کی زندگی میں خوش لگتی ہے۔

۞ ﴿ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهِ﴾ میں يُشْهِدُ باب افعال سے فعل مضارع واحد مذکر غائب، لفظ اللّٰه اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے اس پر جو اس کے دل میں ہے۔

۞ ﴿ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ میں واؤ حالیہ۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل اَلَدُّ، لَدد سے اسم تفضیل ہے۔ لَدد کے معنی سخت جھگڑالو ہونے کے ہیں۔ اَلَدُّ الْخِصَامِ سے مراد ایسا شخص ہے جو سخت جھگڑالو ہو، کسی کی بات تسلیم کرتا ہی نہ ہو۔ اللہ کو گواہ بنانے والے کی حقیقت بیان کی گئی ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔

۞ ﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ میں اِذَا ظرف مبنی تَوَلّٰى اور سَعٰى دونوں فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ لِيُفْسِدَ میں لام، کَیْ کا اور اسی کی وجہ سے يُفْسِدَ کے آخر میں زبر آئی ہے۔ يُفْسِدَ اور يُهْلِكَ دونوں باب افعال سے فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اَلْحَرْثَ وَالنَّسْلَ، يُهْلِكَ کے مفعول ہیں۔ فِيْهَا کی ضمير هَا الارْض کی طرف راجع ہے۔ اللہ کو گواہ بنانے والے کے بارے میں مزید وضاحت کر دی گئی کہ وہ جب حاکم ہوتا ہے (یا پلٹتا ہے) تو قصد کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے، کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے۔

۞ ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ لفظ اللہ مبتدا ہے اور آگے جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ لَا نافیہ، يُحِبُّ فعل مضارع واحد مذکر غائب، اَلْفَسَادَ اس کا مفعول، جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

۞ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ قِيْلَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب، اِتَّقِ فعل امر حاضر واحد مذکر۔ اَخَذَتْهُ کی ضمیر ہٗ اسی فسادی کی طرف راجع ہے اور اَخَذَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ اَلْعِزَّةُ اس کا فاعل ہے۔ لَبِئْسَ میں لام تاکید کا ہے اور بِئْسَ فعلِ ذم ہے یعنی مذمت بیان کرنے والا فعل ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب اس سے یعنی فسادی سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر جا، تو اس کو ملنے والی عزت اس کو مزید گناہوں میں لگا دیتی ہے۔ پس اس کو جہنم ہی کافی ہوگی اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔"

۞ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ﴾ میں يَشْرِيْ فعل مضارع واحد مذکر غائب بمعنی يَبِيْعُ ہے۔ نَفْسَهُ اس کا مفعول ہے۔ اِبْتِغَاءَ ، اِبْتَغٰى يَبْتَغِي سے مصدر منصوب ہے۔ رَءُوْف سے مراد بڑا ہی شفقت کرنے والا۔ جملے کے معنی ہیں: لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب میں اپنی جان بھی بیچ دیتا ہے اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿208﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿209﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿210﴾ سَلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ نشانیوں کے آ جانے کے بعد اگر تم پھسل گئے تو جان لو کہ بے شک اللہ غلبے اور حکمت والا ہے۔ کیا لوگ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آئیں اور معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے؟ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام معاملوں کا لوٹنا ہے۔ آپ بنو اسرائیل سے پوچھیں کہ کتنی ہی واضح روشن نشانیاں ہم نے ان کو دیں، اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کے پاس آ جانے کے بعد بدل دیتا ہے تو (وہ جان لے) بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔''

تشریح

جو لوگ ایمان کے دعوے دار ہیں یا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ اگر چہ یہ آیت مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نازل ہوئی اور اس وقت کے اہل ایمان سے خطاب تھا۔ لیکن اس کے نزول کا تعلق درحقیقت قیامت تک امت محمدیہ کے تمام افراد سے ہے۔ خاص طور پر جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت ہو رہا ہے، اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ امت محمدیہ کی اکثریت اسلام میں اس طرح داخل نہیں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ ان کو دیکھنا چاہتا ہے۔ بلکہ جس کام سے منع کیا گیا وہی بڑے زور شور سے کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو آگاہ کر دیا کہ شیطان تمہارا کھلے طور پر دشمن ہے لہٰذا! اس سے بچتے رہنا۔ سورۃ البقرہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرة:١٦٩)

''بے شک وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ کچھ کہو جس کا تمہیں علم نہیں۔''

اس نے خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اللہ کی مخلوق کو نافرمان بنانے کو اس نے اپنا مشن بنایا ہوا ہے۔ اگر ایمان داری کے ساتھ امت محمدیہ اپنا جائزہ لے تو معلوم ہوگا کہ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو پوری طرح اسلامی تعلیم کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ یعنی اس میں پوری طرح داخل ہیں اور شیطان کی پیروی سے محفوظ رہنے کے لیے کوشاں ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ اگر تم اسلام میں پوری طرح داخل نہیں ہو گے اس کی دکھائی ہوئی راہ حق سے ہٹ کر شیطانی راہ کو اپناؤ گے۔ معجزات اور اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھٹک جاؤ گے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبے اور حکمت والا ہے۔ یعنی جب وہ تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا تو کوئی بھی اس کی گرفت سے چھڑانے والا نہ ہو گا وہ ایسا حکمت والا ہے کہ کوئی اس کی حکمت کے بارے میں علم نہیں رکھتا۔ وہ جب چاہے تو ظالم و نافرمان کو ایسی ڈھیل دے کر وہ سمجھے کہ اس کا رب اس کے ساتھ ہے اور دنیا میں اس سے بڑھ کر قوت و طاقت والا کوئی نہیں۔ دنیا میں جتنے بھی جابر حکمران ہوتے ہیں۔ وہ یہی کچھ سمجھا کرتے تھے۔ لیکن سب کا انجام ویسا ہی ہوا کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

دوسری طرف ظالموں کے ظلم کا جو شکار بنتے ہیں۔ دنیا میں ان کو ان کے برے اعمال کی سزا دینا بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تابع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ انسان خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ (الشوریٰ:۳۰)

''اور جو بھی تمہیں مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ تر گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔''

جب اللہ کی مخلوق اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمتوں اور مہربانیوں سے نوازتا رہتا ہے۔ جب مخلوق میں بے عملی اور نافرمانی غالب آ جاتی ہے تو پھر اس پر کوئی ظالم حکمران یا طاقتور دشمن غالب آ جاتا ہے۔ جب اس کی مخلوق اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے تائب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پھر جوش میں آ جاتی ہے۔

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ اہل اسلام جب پوری طرح اسلام میں داخل رہے تو کوئی دشمن ان پر غالب نہ آیا اور ان کے حکمران بھی ان پر مہربان رہے۔ لیکن جیسے ہی بے عملی اور شیطانی راہ کو اپنایا گیا۔ ویسے ہی آزمائش کا دور شروع ہو گیا۔ اس وقت بھی پوری امت مسلمہ انتہائی آزمائش میں مبتلا ہے اور اس سے نکلنے کی راہ وہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بتائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان سرکشوں اور نافرمانوں کا بھی ذکر فرمایا کہ جو مذاق کرتے ہیں کہ قیامت جب آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ ابھی دنیا میں ملنے والی نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ اور اپنی مختصر سی زندگی کو جتنا بھی خوبصورت بنا سکتے ہو بناؤ۔ یہی اصل زندگی ہے۔ اس کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ حساب و کتاب کا کوئی معاملہ نہ ہو گا۔ اچھے اور برے اعمال کی جزا یا سزا اسی دنیا میں ملتی ہے۔ ایسے لوگوں پر واضح کر دیا گیا کہ ایک دن وہ آئے گا کہ جس کے وہ منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا نزول ہو گا۔ پھر ان کا معاملہ طے کیا جائے گا۔ سورۃ الفجر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّاo وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّاo وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى o يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْo فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗ اَحَدٌo وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗ اَحَدٌ o﴾ (الفجر:۲۱-۲۶)

''کیوں نہیں! جب زمین کو کوٹ کوٹ کر برابر کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اور فرشتے صف در صف آئیں گے اور اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دن جہنم لائی جائے گی۔ اس دن انسان اپنے برے اعمال یاد کر کے حصولِ نصیحت کا متمنی ہوگا لیکن اس دن اس کو نصیحت کے حصول کا موقع نہیں ملے گا۔ وہ کہے گا کاش کہ میں حقیقی زندگی کے لیے نیک اعمال آگے بھیجتا۔ پس جو عذاب اللہ تعالیٰ اس کو اس دن دے گا، ویسا کوئی اور نہ دے گا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ جیسی کوئی پکڑ اس پر کرے گا۔''

انسان کا بڑا ہی عجیب معاملہ یہ ہے کہ ماضی میں گزرے ہوئے واقعات سے کبھی عبرت حاصل نہیں کرتا۔ پہلی قوموں اور جابروں کے ساتھ جو ہوا۔ ان کے انجام کی طرف ظلم و جبر کے مرتکب ہونے والوں کی نظر نہیں جاتی۔ شیطان ان کے برے اعمال ان کے لیے ایسے مزین کرتا ہے کہ نیکی اور بھلائی سے وہ دور ہو جاتے ہیں اور برائی میں غرق ہو کر اپنی آخرت برباد کر لیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کا حوالہ دیا کہ ان کو کتنی نعمتوں سے نوازا گیا۔ صدیوں ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کیا جاتا اور بیٹیوں کو زندہ رکھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان کو نجات دی۔ ان کے دشمن کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔ ان کی زمینوں اور محلوں کا ان کو وارث بنا دیا۔ من سلوٰی جیسی نعمت کو ان کی خوراک بنایا۔ دورانِ سفر بادلوں سے ان پر سایہ کرایا۔ میٹھے پانی کے چشموں کو ان کے لیے جاری فرمایا۔ لیکن اس بدبخت قوم نے سرکشی اور نافرمانی کو اپنایا۔ دریا کے پار ہوتے ہی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جب ایک بت پرست قوم کے پاس سے گزرے تو اللہ کے نبی سے مطالبہ کر دیا:

﴿ اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ﴾

''جس طرح ان کے بت ہیں ہمارے لیے بھی ایک بت بنا دیں۔''

موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے تو پیچھے بچھڑا بنا لیا۔ ہفتے کے دن مچھلی کے شکار سے ان کو روکا گیا لیکن انہوں نے حیلے کر کے اللہ کے حکم کو ٹھکرا دیا۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴾ (الاعراف:۱۶۶)

''پھر جب انہوں نے اُس میں زیادتی کی جس سے ان کو منع کیا گیا تھا تو ہم نے حکم دیا کہ ذلیل و رسوا ہونے والے بندر بن جاؤ۔''

ہمارا رب رحیم و کریم چاہتا ہے کہ ہم شیطان کے جال سے بچ کر اس کی رحمت سے مالا مال ہونے کے لیے اسلام میں پورے پورے داخل ہو جائیں اور قیامت کے روز ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

حل لغات:

۞ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾: اُدْخُلُوْا فعل امر جمع مذکر۔ فِيْ حرف جر۔ السِّلْمِ مجرور۔ كَآفَّةً حال ہے۔ السِّلْمِ سے مراد صلح سلامتی اور اسلام ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے۔ اَنَا سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَنِيْ وَحَرْبٌ لِمَنْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَارَبَنِی۔ جو مجھ سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا اور جو مجھ سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا۔ چونکہ اسلام صلح وسلامتی والا دین ہے اس لیے سِلْمٌ یہاں اسلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔ کَآفَّةً. کافٌّ کی مؤنث ہے اور اس سے مراد پورا پورا ہے۔ اہل ایمان سے یہ خطاب ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

❁ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ میں لَا تَتَّبِعُوْا فعل نہی۔ خُطُوٰتِ خُطْوَةٌ کی جمع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔

❁ ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾: میں اِنَّ مشبہ بالفعل اور ضمیرہٗ شیطان کی طرف راجع ہے۔ لام حرف جر اور کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ مرکب توصیفی۔ جملے کا معنی ہے: بے شک وہ تمہارا کھلا واضح دشمن ہے۔

❁ ﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾: میں اِنْ شرطیہ۔ زَلَلْتُمْ ثلاثی مجرد سے فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ مِنْ حرف جر۔ بعد ظرفِ مبنی۔ مَا موصولہ۔ جَاءَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ کُمْ ضمیر اس کا مفعول اور اَلْبَيِّنٰتُ فاعل ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تمہارے پاس نشانیوں کے آ جانے کے بعد اگر تم پھسل جاؤ۔

❁ ﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ میں اِعْلَمُوْا فعل امر جمع مذکر۔ اَنَّ مشبہ بالفعل۔ لفظ اللّٰهَ اس کا اسم عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اس کی خبر: جملے کے معنی ہیں: پس جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ غلبے اور حکمت والا ہے۔

❁ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾: میں هَلْ بمعنی مَا نافیہ۔ يَنْظُرُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ اِلَّا حرف استثنا۔ اَنْ ناصبہ يَاْتِيَ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ هُمْ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ لفظ اللّٰهُ يَاْتِيَ کا فاعل اور هُمْ ضمیر اس کا مفعول ہے۔ فِیْ حرفِ جر۔ ظُلَلٍ. ظُلَّةٌ کی جمع مجرور۔ مِنْ حرف جر اَلْغَمَامِ مجرور۔ واؤ عاطفہ اور اَلْمَلٰٓئِكَةُ کا عطف لفظ اللہ پر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: کیا وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آئیں۔

❁ ﴿وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ قُضِيَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ اَلْاَمْرُ نائب فاعل۔ واؤ عاطفہ۔ اِلٰی حرف جر۔ لفظ اللّٰهِ مجرور۔ تُرْجَعُ فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب۔ اَلْاُمُوْرُ اس کا نائب فاعل۔ جملے کے معنی ہیں: اور معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام معاملے لوٹائے جائیں گے۔

❁ ﴿سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ﴾ میں سَلْ فعل امر حاضر واحد مذکر۔ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اس کا مفعول۔ کَمْ اسم کنایہ ہے اور مبہم چیز کی تعبیر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور صدر کلام ہی میں لایا جاتا ہے۔ استفہامیہ ہو تو اس کی تمیز منصوب ہوتی ہے اور اگر خبریہ ہو تو تمیز مجرور ہوتی ہے۔ جیسے کَمْ دِيْنَارًا عِنْدَكَ تیرے پاس کتنے دینار ہیں۔ کَمْ دِيْنَارٍ عِنْدِیْ۔ میرے پاس بہت سے دینار ہیں۔ یہاں خبریہ ہے۔ اٰتَيْنَا فعل ماضی، جمع متکلم، هُمْ ضمیر بنواسرائیل کی طرف راجع ہے۔ مِنْ حرف جر۔ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ مرکب توصیفی اس کا مجرور۔ جملے کے معنی ہیں۔ آپ بنواسرائیل سے سوال کریں کہ ہم نے ان کو کتنی ہی واضح روشن نشانیاں دیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾: میں واؤ عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ۔ اسی کی وجہ سے یُبَدِّلْ کے آخر میں جزم آئی ہے۔ یُبَدِّلْ باب تفعیل فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ نِعْمَةَ اللّٰهِ مرکب اضافی اس کا مفعول۔ مِنْ حرف جر بعد ظرف مبنی۔ جَاءَ تْ فعل ماضی واحد مونث غائب۔ ہ ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے۔ اِنَّ مشبہ بالفعل اور اس پر فَا جواب شرط ہے۔ لفظ اللہ اِنَّ کا اسم اور شَدِيْدُالْعِقَابِ مرکب اضافی اس کی خبر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل ڈالا، وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿212﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿213﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿214﴾

''دنیا کی زندگی کو مزین کر دیا گیا ان لوگوں کے لیے جو کافر ہوئے اور جو اہل ایمان سے مذاق کرتے ہیں، البتہ جو لوگ ڈر گئے وہ قیامت کے روز مذاق کرنے والوں کے اوپر ہوں گے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب رزق عطا کرتا ہے۔ لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور حق والی کتاب ان کے ساتھ نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے درمیان جس میں انہوں نے اختلاف کیا، اس سے فیصلہ کرے۔ اور اس میں واضح نشانیاں ملنے کے بعد انہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو کتاب دی گئی (اور یہ کام انہوں نے) آپس کے بغض وعناد کی بنا پر (کیا)۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اہل ایمان کو اس حق کے بارے میں ہدایت سے نواز دیا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں ایسے ہی داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ تم پر اس طرح آزمائش نہیں آئی جیسی کہ ان پر آئی جو تم سے پہلے تھے۔ ان کو بیماریاں اور تکالیف پہنچیں اور وہ سخت جھنجوڑے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے: اللہ کی مدد کب آئے گی؟ آگاہ ہو جاؤ بے شک اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح

دین کا معاملہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ بے دین لوگ دینداروں کو مذاق ہی کرتے رہے ہیں۔ تباہ و برباد ہونے والی قوموں کے بڑے بڑے لوگ اور حکمرانوں کا یہی انداز ہوا کرتا تھا۔ اہل مکہ نے بھی سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح کر دیا کہ ایسے لوگوں کی حتمی بربادی کے لیے ان کے اعمال دنیا کی زندگی میں مزین کر دیئے جاتے ہیں۔ جس کی بنا پر حق سے وہ دور رہتے ہوئے حق پر ڈٹ جانے والوں سے مذاق کرتے رہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ الزمر میں دونوں کی آخرت کا ذکر یوں ہوا ہے:

﴿ وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَٰفِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوٓا أَبْوَٰبَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾ ﴾

''کفار کو جہنم کی طرف ایک گروہ کی صورت میں لایا جائے گا۔ جب وہ اس کے پاس آئیں گے ان کے لیے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے اس کے داروغے کہیں گے: کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہ آئے جو تم کو تمہارے رب کی آیات سناتے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے۔ وہ کہیں گے: ہاں ایسا ہی ہوا لیکن عذاب والی بات کافروں پر حق ہوگئی۔

ان سے کہا جائے گا: جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو۔ پس تکبر کرنے والوں کا وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہوگا۔''

اہل حق سے مذاق کرنے والے ہمیشہ ہی متکبر ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے دنیا کی بجائے آخرت کو سنوارنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ مالی بدنی عبادت میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ ہر قسم کے اختلاف سے بچتے ہوئے قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپس میں بغض و عناد رکھنے کی بجائے ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کا مجسمہ بن جاتے ہیں۔ صراط مستقیم پر قائم رہنے کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حق ادا کرتے ہیں، ان کے بارے میں بھی سورۃ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَٰلِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَٰمِلِينَ ﴿٧٤﴾ ﴾

''اور ان لوگوں کو جو اپنے رب سے ڈر گئے جنت کی طرف گروہ کی صورت میں لے جایا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے پاس آ جائیں گے اور اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے اور ان کے لیے اس کے داروغے کہیں گے تم پر سلامتی ہو تم خوش و خرم رہو۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متقی لوگ اس وقت کہیں گے: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمارے ساتھ اپنے وعدے کو پورا کیا اور جنت میں اس زمین کا وارث بنایا جس میں ہم جہاں چاہتے ہیں رہتے ہیں۔ پس عمل کرنے والوں کے لیے بہترین اجر ہے۔''

یہی وہ فوقیت ہے کہ جو قیامت کے روز اہل ایمان کو مذاق کرنے والے کفار پر ہوگی۔ کفار جہنم کی گہرائی میں ہوں گی جب کہ اہل ایمان جنت کے بلند درجوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں سے لذت اٹھا رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک دائمی قانون یہ رہا ہے کہ اہل ایمان کو کسی نہ کسی ابتلاء میں مبتلا کرکے ان کی ثابت قدمی کو دوسروں کے لیے نمونہ بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائش میں پورا اترنا کوئی آسان کام نہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر حق پر قائم رہنا بھی ممکن نہیں۔ سورۃ العنکبوت کے آغاز میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾ (العنکبوت: ۲)

''کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا اور ان کو فتنہ میں نہیں ڈالا جائے گا۔''

﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ﴾

''حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کو ہم نے فتنوں کے ذریعہ آزمایا۔''

﴿ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ (۳) ﴾

''پس اللہ تعالیٰ ضرور جان لے گا کہ کن لوگوں نے سچ کہا اور وہ ضرور جان لے گا کہ جھوٹے کون ہیں۔''

اللہ تعالیٰ سے تو کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ آزمائش کا یہ سلسلہ دنیا میں جھوٹ اور سچ میں تمیز کے لیے رکھا گیا ہے۔

اسد الغابۃ (۲/ ۱۱۵) میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے بیت اللہ کے سایہ میں اس کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ ہم نے اپنے مصائب کا ذکر کیا اور عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری مدد کیوں نہیں چاہتے یعنی دعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ نے چادر کو چہرہ مبارک سے ہٹایا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو تم سے پہلے لوگ تھے ان میں سے کسی ایک کو پکڑا جاتا۔ زمین میں اس کے لیے گڑھا کھود کر اس میں اس کو گاڑ دیا جاتا۔ پھر آرا اس کے سر پر رکھ کر چلا دیا جاتا۔ اس کے جسم کو لوہے کے کنگھے سے چھیلا جاتا۔ لیکن وہ اپنے دین سے منحرف ہونے کی بجائے اس پر قائم رہتا۔ اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک اکیلا سفر کرے گا۔ اللہ عزوجل کے علاوہ اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اپنی بکریوں پر بھیڑیئے کے حملے کی فکر اس کو ہو سکے گی اور تم ابھی سے گھبرا گئے اور اللہ کی مدد چاہنے میں جلدی کرنے لگے۔''

اسی بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے کر دیا کہ جو مصائب و تکالیف تم سے پہلے لوگوں پر آئیں وہ تم پر نہیں آئیں۔ اس وقت کے رسول اور اہل ایمان سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو بے سہارا نہیں چھوڑتا۔ صرف وقت کی بات ہوتی ہے۔ اپنی حکمت کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ تقاضے اس نے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ سورۃ الانشراح میں اس نے فرمایا:

﴿ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ (الانشراح:٦)

''بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔''

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہماری تنگیوں کو دور فرمائے اور اپنے دین کی مدد فرمائے۔

حل لغات:

❁ ﴿ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ میں زُيِّنَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اس کا نائب فاعل۔ الَّذِينَ موصولہ سے پہلے لام حرف جر۔ كَفَرُوا۔ فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ جملے کا معنیٰ ہے: جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی۔

❁ ﴿ وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ﴾ میں يَسْخَرُونَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: اور وہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو ایمان لائے۔

❁ ﴿ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ میں اتَّقَوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ فَوْقَ ظرف مکان اور هُمْ ضمیر اہل ایمان کی طرف راجع ہے۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مرکب اضافی ظرف زمان ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور وہ لوگ جو متقی بن گئے وہ قیامت کے روز مذاق کرنے والے کافروں کے اوپر یعنی درجہ کے اعتبار سے ان سے بہت اونچے ہوں گے۔

❁ ﴿ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾: میں لفظ اللّٰهُ مبتدا۔ يَرْزُقُ اور يَشَآءُ دونوں فعل مضارع اور لفظ اللہ ان کا فاعل مَنْ موصولہ۔ غَيْرِ اسم لازم الاضافت سے پہلے باء حرف جر۔ حِسَابٍ مضاف الیہ۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔

❁ ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ میں كَانَ فعل ناقص النَّاسُ اس کا اسم اور اُمَّةً وَّاحِدَةً اس کی خبر۔ جملے کے معنی ہیں: اور لوگ ایک ہی امت تھے۔

❁ ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ﴾ میں بَعَثَ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل۔ لفظ النَّبِيّٖنَ مفعول۔ مُبَشِّرِينَ اور مُنْذِرِينَ حال۔ جملے کا معنی ہے: پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بشارت دینے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔

❁ ﴿وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ میں اَنْزَلَ فعل ماضی واحد مذکر غائب اور الْكِتٰبَ سے مراد ہر صاحب شریعت نبی کو ملنے والی کتاب ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب نازل فرمائی۔

❁ ﴿لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾: میں يَحْكُمَ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اس سے پہلے لام کَیْ ہے جس کی وجہ سے اس کے آخر میں زبر آئی ہے۔ اخْتَلَفُوا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ فِيهِ کی ضمیر ہ الْكِتَاب کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کے بارے میں فیصلہ کرے جن میں انہوں نے اختلاف کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ میں اُوْتُوْہُ کی ضمیر ہ الکِتٰبَ کی طرف راجع ہے اور اُوْتُوْا فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب۔ جَآءَتْهُمُ کی ضمیر هُمْ اختلاف کرنے والوں کی طرف راجع ہے اور جَآءَ تْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ اَلْبَيِّنٰتُ اس کا فاعل بَغْيًا مفعول لَهٗ۔ جملے کے معنی ہیں: اور واضح دلائل آجانے کے بعد باہمی ضد کی وجہ سے ان لوگوں نے ہی اس میں اختلاف کیا جنہیں وہ کتاب دی گئی۔

﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ﴾ میں هَدٰى فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل اور اس پر فائے استیناف ہے۔ الَّذِيْنَ موصول اپنے صلہ اٰمَنُوْا کے ساتھ مل کر هَدٰى کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اہل ایمان کو اس میں ہدایت سے نوازا جس حق بات میں انہوں نے اختلاف کیا۔

﴿ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ میں يَهْدِيْ اور يَشَآءُ دونوں فعل مضارع واحد مذکر غائب کے صیغے۔ لفظ اللّٰه ان کا فاعل۔ اِلٰى حرف جر اور صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ مرکب توصیفی مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ اَمْ استفہامیہ۔ حَسِبْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ اَنْ ناصبہ۔ تَدْخُلُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر اور اَنْ کی وجہ سے اس کی نون گری ہوئی ہے۔ اَلْجَنَّةَ اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: کیا تم نے گمان کیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

﴿ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ میں يَاْتِكُمْ سے پہلے لَمَّا ہے جو مضارع پر آئے تو لَمْ جیسا عمل کرتا ہے۔ اس کی ہی وجہ سے يَاْتِيْ کی ی گری ہوئی ہے۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: حالانکہ تم پر ویسی آزمائش نہیں آئی جیسی ان لوگوں پر آئی جو تم سے پہلے تھے۔

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا﴾ میں مَسَّتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ اَلْبَاْسَآءُ سے مراد بیماریاں۔ اَلضَّرَّآءُ سے مراد تکالیف۔ دونوں مَسَّتْ کے فاعل ہیں اور ضمیر هُمْ پہلے لوگوں کی طرف راجع ہے۔ زُلْزِلُوْا فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: ان کو بیماریاں اور تکالیف پہنچیں اور وہ جھنجوڑے گئے۔

﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ میں حَتّٰى فعل مضارع يَقُوْلَ کا ناصب۔ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ اس کے فاعل ہیں۔ مَتٰى ظرف زمان کی صورت میں استفہامیہ۔ نَصْرُ اللّٰهِ مرکب اضافی۔ جملے کے معنی ہیں: یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ جو ایمان لائے سب نے کہا اللہ کی مدد کب آئے گی۔

﴿ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا: آگاہ ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔ یعنی عنقریب آنے والی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ
مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (215) كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ
تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ
تُحِبُّوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (216) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ
الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ
كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ
اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ
وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ
دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ
عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ (217) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ
يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ (218)

''وہ آپ سے وہ سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ جو بھی خرچ کرو گے وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں اور مسافروں کے لیے ہوگا اور جو بھی تم بھلائی کا کام کرو گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔ تم پر قتال فرض کیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے اور قریب ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے خیر ہو اور قریب ہے کہ تم کسی شے کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے تکلیف دہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ آپ سے وہ سوال کرتے ہیں کہ شہر حرام میں قتال کرنا کیسا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ اس میں قتال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور اس (مکہ) کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ قتل کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور وہ ہمیشہ تم سے قتال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان میں اس کی طاقت ہو اور تم میں سے جو اپنے دین کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے اور اس کی موت اس حال میں واقع ہو کہ وہ کافر ہو۔ پس وہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے، وہی لوگ ہیں جو جہنمی ہیں، اس (جہنم) میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تشریح

زکوۃ کی فرضیت سے پہلے جب رسول اللہ ﷺ سے بھلائی کے حصول کے لیے مالوں کو خرچ کرنے کے بارے میں سوال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ سب سے پہلے والدین پر پھر قریبی رشتہ داروں پر اور ان کے بعد یتیموں اور مسافروں پر مال خرچ کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جو بھی بھلائی کا کام تم کرو گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق زکوۃ کی فرضیت والی آیت سے سورۃ البقرہ کی یہ آیت منسوخ ہے۔ جب کہ مقاتل کا کہنا ہے کہ زکوۃ والی اپنی جگہ اور یہ نفلی صدقات کے بارے میں اپنی جگہ قائم ہے۔ دونوں باتوں میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے باوجود اگر قریبی رشتہ داروں کی حاجت پوری نہیں ہوتی تو اہل ثروت کو ان پر اللہ کا دیا مال خرچ کرنا چاہیے کیونکہ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت قرآن حکیم میں متعدد بار بیان ہوئی ہے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ سورۃ سبا میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴾(السبا:۳۹)

''تم جو بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اتنا ہی اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔''

انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں رہنمائی دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس کی راہ میں قتال کا حکم دیتے ہوئے واضح کر دیا کہ اگر چہ اس کی فرضیت تمہیں پسند نہ آئے لیکن تمہارے لیے اسی میں خیر و بھلائی ہے۔ کیونکہ ظلم و جبر کو اس کے بغیر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی ریاست کی بقا و سلامتی بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے قرآنی تعلیم کے مطابق جب قتال کی تیاری میں کمزوری نہ آنے دی تب کسی بھی دشمن اسلام کو اسلامی ریاست یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آج بھی یہ مسئلہ اپنی انتہائی سنگین صورت میں اہل اسلام کو درپیش ہے۔ طاغوتی طاقتیں اسلام کے خلاف متحد ہو کر اپنے شیطانی عزائم کو پورا کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اب اہل اسلام کا فرض ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق عمل کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک مشن پر بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ وہاں قریش کے ایک قافلے سے ٹکراؤ ہو گیا۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ یہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہے۔ جب کہ حرمت والے مہینے رجب کا آغاز ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں عمرو بن الحضرمی قتل ہو گیا۔ اس واقعہ کے حوالے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ کیا شہر حرام میں قتل جائز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو خود جواب دیا کہ شہر حرام میں قتال واقعی گناہ کا کام ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا گناہ تو وہ ہے جس کے تم مرتکب ہو رہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے منکر ہو، شرک و بدعات میں غرق ہو۔ اللہ کی راہ کو اپنانے والوں کو نہ صرف راہ حق سے روک رہے ہو بلکہ ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کر رہے ہو۔ مسجد حرام میں ان کے دخول کو ناممکن بنانے میں کوشاں ہو۔ اس سے بڑھ کر اور فتنہ کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کو قتل سے بھی بڑا گناہ قرار دے دیا۔

اسلام کی مخالفت کرنے والوں کو جواب دینے کے ساتھ اہل اسلام کو بھی آگاہ کر دیا کہ اگر اسلام کے دشمنوں سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکا تو وہ پوری کوشش کریں گے کہ تم سے اس وقت تک قتال کرتے رہیں جب تک تمہیں مرتد نہ کردیں۔ اسلام کی دولت جو تمہیں نصیب ہوچکی ہے وہ تم سے نہ چھین لیں۔ لہٰذا! اس نعمت عالیہ سے محروم نہ ہونا۔ دشمن کو اس کے عزائم میں کامیاب نہ ہونے دینا۔ رہی بات ان لوگوں کی جو اس نعمت کی حفاظت نہ کرتے ہوئے دشمن کی خواہش کو پورا کردیں۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام سے نکل جائیں۔ دنیاوی مفادات کے حصول کو اپنی آخرت پر ترجیح دیں، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ان کی موت مرتد ہونے کے بعد کفر پر ہوگئی تو دنیا اور آخرت میں ان کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اگر کوئی نیکی ان سے ہوئی ہوگی تو ان کو اس کا کوئی اجر نہ ملے گا۔

صحیح بخاری میں عکرمہ سے مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس زنادقہ (زندیق کی جمع ہے) لائے گئے۔ انہوں نے ان کو آگ میں ڈال دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا: اگر میں ہوتا تو ان کو آگ میں نہ ڈالتا بلکہ ان کو قتل کردیتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ)) ''اللہ تعالیٰ جس سے عذاب دے گا تم اس سے عذاب نہ دو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ)) ''جو اپنا دین بدل دے اس کو قتل کردو۔'' (صحیح البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین و قتالھم، باب حکم الرتد والمرتدۃ واستتابتھم، حدیث:۶۹۲۲)

ابوداؤد میں اسی روایت میں ''زنادقہ کی بجائے ارتدوا کا لفظ ہے یعنی جو اسلام سے مرتد ہوگئے۔'' (سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد، حدیث:۴۳۵۱) بخاری ہی کی دوسری روایت کے مطابق ''ابوموسیٰ اور معاذ بن جبل کی موجودگی میں ایک یہودی کو قتل کیا گیا جو مسلمان ہونے کے بعد پھر یہودی ہوگیا تھا۔'' (صحیح البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین...... باب حکم المرتد والمرتدۃ......، حدیث:۶۹۲۳)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں مرتد کی سزا اس کو قتل کرنا نہیں بلکہ اس کے جہنمی ہونا ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''تم میں سے اگر کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ عنقریب ایسی قوم لائے گا جن کو وہ محبوب رکھتا ہوگا اور وہ اس کو محبوب رکھتے ہوں گے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے اس کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا تو مرتد کو کیوں قتل کیا گیا یا کرنے کا حکم دیا گیا۔

اسلام کے بارے مین واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ کسی مسلمان حکمران کو حق نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنائے۔ اگر کوئی غیر مسلم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتا ہے تو اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا اور اسلامی ریاست کا فرض ہوگا کہ اس کی جان، مال، عزت کی حفاظت کرے۔ اس کے عقیدے کے مطابق اس کو عبادت کی اجازت ہوگی۔ لیکن مسلمانوں میں اپنے دین کی نشرواشاعت کرنے یا مسلمانوں کی عبادت میں حائل ہونے سے اس کو روکا جائے گا۔ اس سلسلے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عمر فاروق نے مفتوح قوموں سے جو عہد کیے وہ اب بھی تاریخ کا حصہ ہیں۔

قرآن حکیم کی واضح ہدایت ہے۔ ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾(البقرة:۲۵۶)''دین میں زبردستی نہیں۔'' جس طرح کسی غیر مسلم کو زبردستی دین میں داخل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح کسی غیر مسلم کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنے کے بعد واپس کفر کی طرف لوٹ جائے۔ یہ انتہائی سنگین قسم کا مذاق ہوگا۔ اسلامی ریاست میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ چونکہ اسلامی سزاؤں میں عبرت کے پہلو کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس لیے مرتد کے بارے میں بھی اسی اصول کو اپنایا گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر سزا اور کیا ہوسکتی ہے کہ مرتد کی زندگی میں اس کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور جہنم کی اس کو بشارت مل جاتی ہے۔ شہر حرام کی پہلی تاریخ کو غلط فہمی کی بنا پر جنہوں نے قتال کیا تھا، ان کو تسلی دے دی گئی کہ وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ یعنی ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

حل لغات:

- ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ میں يَسْئَلُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ کاف ضمیر منصوب متصل مفعول رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے۔ مَاذَا میں مَا استفہامیہ اور ذَا اسم اشارہ۔ يُنْفِقُوْنَ بھی فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: آپ سے وہ سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟
- ﴿قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ میں خَيْرٍ سے مراد مال ہے۔ اگرچہ اس کا عمومی معنیٰ، بھلائی اور نیکی ہوتا ہے۔ ویسے بھی صحیح جگہوں میں خرچ ہونے والا مال خَيْرٍ ہی کا سبب ہوتا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: آپ کہہ دیں کہ تم جو بھی مال خرچ کرو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر ہی ہونا چاہیے۔
- ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ میں خَيْرٍ تک پہلا جملہ شرط اور عَلِيْمٌ تک دوسرا جواب شرط ہے۔ یعنی جو بھی تم بھلائی کا کام کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔
- ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ میں كُتِبَ ماضی مجہول اور اَلْقِتَالُ اس کا نائب فاعل اور وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ جملہ حالیہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: تم پر قتال فرض کر دیا گیا حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔
- ﴿وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ میں عَسٰى فعل مقاربہ جو خبر کے قرب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خبر ہمیشہ فعل مضارع ہوتی ہے۔ اَنْ ناصبہ۔ تَكْرَهُوْا فعل مضارع۔ شَيْئًا اس کا مفعول اور اگلا جملہ حالیہ ہے۔ پورے جملے کے معنی ہیں: اور قریب ہے کہ تم کسی چیز کو پسند نہ کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔
- ﴿وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ اور قریب ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور تمہارے لیے وہ تکلیف دہ ہو۔
- ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ میں يَعْلَمُ اور يَعْلَمُوْنَ دونوں فعل مضارع ہیں۔ پہلا واحد مذکر حاضر غائب اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا جمع مذکر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

❁ ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ﴾ اَلشَّهْرِ الْحَرَامِ سے مراد رجب کا مہینہ ہے اور یہ مرکب توصیفی عَنِ حرفِ جر کی وجہ سے مجرور ہے۔ جملے کا معنی ہے: کفار آپ سے سوال کرتے ہیں کہ شہر حرام میں قتال کرنا کیسا ہے؟

❁ ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ میں قُلْ فعل امر حاضر سے واحد مذکر کا صیغہ ہے اور جملے کے معنی ہیں: آپ کہہ دیں کہ اس میں لڑنا کبیرہ گناہ ہے۔

❁ ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ میں صَدٌّ سے مراد روکنا۔ كُفْرٌ بِهٖ سے مراد اللہ کے ساتھ کفر کرنا۔ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا عطف صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ پر ہے۔ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مرکب اضافی۔ اس سے مراد وہاں کے مکینوں کو وہاں سے نکالنا۔ اَكْبَرُ افعل تفضیل۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مکہ سے وہاں کے مکینوں کو نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے

❁ ﴿وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ اور فتنہ برپا کرنا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

❁ ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾ میں لَا يَزَالُوْنَ فعل ناقص جمع مذکر غائب، یہ خبر کے استمرار کے لیے لایا جاتا ہے۔ يُقَاتِلُوْنَ فعل مضارع۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ حَتّٰى انتہائے غایت کی وجہ سے يَرُدُّوْكُمْ منصوب ہے۔ اسْتَطَاعُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ ہمیشہ ہی تم سے قتال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں، اگر وہ اس کی طاقت رکھتے ہوں۔

❁ ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ میں يَرْتَدِدْ فعل مضارع واحد مذکر کا صیغہ ہے اور اس کے آخر میں جزم مَنْ شرطیہ کی وجہ سے آئی ہے اور اس کا جواب فَيَمُتْ ہے۔ وَهُوَ كَافِرٌ جملہ حالیہ ہے۔ پورے جملے کے معنی ہیں: جو تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے یعنی اسلام میں داخل ہو کر پھر سے کافر ہو جائے اور کافر ہوتے ہوئے اس کی موت واقع ہو جائے۔

❁ ﴿فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ میں حَبِطَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ اَعْمَالُهُمْ اس کا فاعل۔ جملے کے معنی ہیں: وہی لوگ ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ان کے اعمال برباد ہو گئے۔

❁ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ انہی کے بارے میں خبر ہے: وہی جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

❁ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ میں اٰمَنُوْا، هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا تینوں فعل ماضی جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں اور ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جنہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

❁ ﴿اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ میں يَرْجُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب رَحْمَتَ اللّٰهِ مرکب اضافی اس کا مفعول۔ جملے کے معنی ہیں: وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ
فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ
وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿219﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ
لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ
شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿220﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ
حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿221﴾

’’آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے ان میں مالی منفعت بھی ہے۔ لیکن ان دونوں کا گناہ ان کی منفعت سے بہت زیادہ ہے۔ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیں کہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو (وہ خرچ کرو) اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے بارے میں غور وفکر کرو، اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان کی اصلاح کرنا بھلائی اور نیکی کا کام ہے۔ اور اگر تم ان کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے خرابی کرنے والے کو اور اِصلاح کرنے والے کو۔ اور اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو تمہیں تنگی میں ڈال دیتا، بے شک اللہ تعالیٰ غلبے اور حکمت والا ہے۔ اور تم شرک کرنے والی عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومنہ لونڈی مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھی لگے۔ اور نہ مسلم عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں دو۔ یہاں تک کہ وہ اہل ایمان ہو جائیں، اور مومن غلام مشرک آزاد مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو۔ وہ لوگ تم کو آگ کی طرف بلا رہے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے، اور وہ اپنی آیات لوگوں کے لیے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔‘‘

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تین سوالوں کا جواب دینے کے ساتھ اہل ایمان کو مشرکوں سے ازدواج رشتہ قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسلام سے پہلے اہل عرب انتہائی جہالت کا شکار تھے، کوئی برائی ایسی نہ تھی کہ جس سے وہ پاک تھے۔ شراب پینے اور جوا کھیلنے کا عام رواج تھا۔ اسلام کی روشنی سے جب جہالت کے اندھیرے اجالوں میں تبدیل ہونے لگے تو اچھائی اور برائی میں فرق اجاگر ہونا شروع ہوگیا۔ چنانچہ جب شراب اور جوئے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کے بارے میں سوال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے عادیوں کو بڑا ہی حکیمانہ جواب دیا جو ان کے حرام ہونے کی ابتدا بنا۔ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں مزید ایسی وضاحت ہوئی کہ اہل ایمان پر قطعی طور پر ان کو حرام قرار دے دیا گیا۔ کیونکہ شراب انسان کی عقل پر ایسا پردہ ڈالتی ہے کہ ہر برائی اس کے لیے مزین ہو جاتی ہے اور وقتی طور پر وہ اپنی حقیقت سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور اس سے ایسے کام ہو جاتے ہیں کہ بعد میں جن پر اس کو ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح جوا بھی انسان کی تباہی اور بربادی کا سبب بنتا ہے۔ اگرچہ وقتی طور پر اسے کامیابی حاصل ہوتی ہے اور بہت سا مال اس کے پاس جمع ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے مزید برائیوں میں وہ غرق ہوتا چلا جاتا ہے۔ شیطان اس کے دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے۔ انجام کار حرام کا مال حرام کی نذر ہو جاتا ہے اور جواری بے یارومددگار رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے بارے میں واضح کیا کہ ان میں وقتی فائدہ تو ہوسکتا ہے لیکن ان کی وجہ سے انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی شمار نہیں۔ اسلام میں داخل ہونے والوں کے لیے یہ پہلی تنبیہ تھی بلکہ عظیم راہنمائی کی ابتدا تھی۔

مدینہ طیبہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہوئی اور دنیا کا بہترین معاشرہ وجود میں آیا۔ تو اہل ثروت کو معاشرے کے ضرورت مند افراد کی فکر ہوئی اور ان پر دنیا کی حقیقت واضح ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کے نمونہ نے ان کو آخرت کے بارے میں آگاہ کیا۔ تو انہوں نے آپ سے مال خرچ کرنے کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ اس وقت تک زکوۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اس وقت کے بہترین لوگوں کو بتایا گیا کہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کردو۔ دنیا کی بجائے آخرت کو سنوارنے میں کوشاں ہو جاؤ۔ اگر اس آیت مبارکہ پر اس طرح عمل کیا جائے کہ جس طرح سوشلزم اور کیمونزم کے حامی کہا کرتے تھے۔ تو زکوۃ کا نظام بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ مال نہیں ہوگا تو پھر وہ زکوۃ کس کی دے گا۔ زکوۃ تو اسلام کا مالی نظام ہے۔ جو بیت المال میں جمع ہو کر سورۃ التوبہ میں بیان کردہ آٹھ مصارف پر خرچ ہوتی ہے۔ اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے کہ زکوۃ کے حکم سے یہ حکم منسوخ ہے۔ اگر العفو کو نفلی صدقہ اور زکوۃ کو فرض سمجھتے ہوئے اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو خود بخود تطبیق ہو جاتی ہے اور ناسخ و منسوخ کی ضرورت نہیں رہتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوداود میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سورۃ الانعام کی آیت ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (الانعام:۱۵۲) اور سورۃ النساء کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ (آل عمران:۱۰) یتیم کے مال کے قریب بہترین طریقہ سے جاؤ۔ بے شک وہ لوگ جو ظلما یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ جب نازل ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جس کسی کی کفالت میں کوئی یتیم تھا، اس نے یتیم کے کھانے پینے کے سامان کو اپنے گھر کے سامان سے الگ کر دیا۔ اس کے لیے پکا ہوا کھانا بچ جاتا تو دوسرے وقت کے لیے اس کو روک لیتا۔ یتیم اسی کھانے کو کھاتا۔ اگر نہ کھاتا تو وہ ضائع ہو جاتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایسے کرنے کی وجہ سے خاصی دشواری ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش آنے والی مشکل کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے سرپرستوں کے لیے آسانی فرمائی اور یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملانے اور پوری امانت و دیانت کے ساتھ ان کی اصلاح اور دیکھ بھال کرنے کی تلقین فرمائی۔ لیکن ان پر واضح کر دیا کہ مفسد اور مصلح کی نیت اور عزائم کو وہ خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔ یعنی اس آسانی سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا تو اس کی وہی سزا ہوگی کہ جس کا ذکر سورۃ النساء میں ہوا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، باب مخالطۃ الیتیم فی الطعام، حدیث:۲۸۷۱)

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کو اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔ جو جان بوجھ کر اس کی تعلیم کو ٹھکراتے ہیں وہ کفار کہلاتے ہیں۔ کفار میں سے وہ بھی ہیں جو جن کو اسلام سے پہلے ان کے نبیوں کے ذریعے ان کو آسمانی کتابیں یا صحیفے دیئے گئے۔ ان میں سے وہ بھی ہیں کہ آج بھی بت پرستی اور شرک میں غرق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے اہل اسلام کو اجازت دی۔ وہاں شرک کی مرتکب ہونے والی عورتوں کے بارے میں واضح کر دیا کہ جب تک وہ شرک سے تائب ہو کر ایمان کی دولت سے مالا مال نہ ہو جائیں۔ تب تک کسی مسلم مرد کو اجازت نہیں کہ وہ ان سے نکاح کرے۔ اسی طرح اہل ایمان کو یہ اجازت بھی نہیں کہ مسلمان عورتوں کو شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دیں۔ اگرچہ مشرک مرد یا مشرکہ بڑے ہی عالی حسب نسب والے ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال و دولت یا حسب نسب کی کوئی اہمت نہیں۔ وہ تو صرف دیکھتا ہے کہ کون اس پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کا منکر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مشرک مرد یا مشرکہ عورت سے تو مومن غلام یا لونڈی بہتر ہے۔ یہاں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ اپنی مسلمان عورتوں کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی مناسب نہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ کا اس بارے میں بڑا سخت رویہ تھا۔ صحیح بخاری ص ۷۹۶ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی منقول ہے کہ میں کسی شرک کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا کہ عورت کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے خدا ہیں۔

دعا ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حل لغات:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ میں اَلْخَمْرِ سے مراد شراب ہے۔ صحیح بخاری میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے منبر مبارک پر کھڑے ہو کر کہا۔ ((وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ۔)) خمر وہ ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔'' (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله ﴿إِنَّمَا الخمر والميسر والانصاب...... ﴾، حديث: ٤٦١٩) صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ ہر نشہ دینے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔'' (صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب بيان ان كل مسكر خمر...... حديث: ٢٠٠٣) اَلْمَيْسِرِ: اَلْيُسْرِ سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد قمار بازی یعنی جوا کھیلنا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: وہ آپ سے شراب پینے اور جوا کھیلنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

﴿ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ ﴾ میں قُلْ فعل امر۔ فِيْهِمَا کی ضمیر هُمَا اَلْخَمْرَا اَلْمَيْسِرِ کی طرف راجع ہے۔ فِيْ حرف جر ہے۔ اِثْمٌ كَبِيْرٌ مرکب توصیفی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔

﴿ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾ میں مَنَافِعُ . مَنْفَعَةٌ کی جمع اور النَّاسِ سے پہلے لام حرف جر ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور لوگوں کے لیے ان میں مالی فائدے بھی ہیں۔

﴿ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ کہ ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ میں يُنْفِقُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب اور اَلْعَفْوَ سے مراد جو انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بچ جائے۔ جملے کے معنی ہیں: اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ تو آپ کہہ دیں کہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد تمہارے پاس جو بچ جائے۔ وہ خرچ کرو۔ یہ زکوۃ کے فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ میں يُبَيِّنُ فعل مضارع۔ لفظ اَللّٰهُ اس کا فاعل۔ لام حرف جر۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ اَلْاٰيٰتِ الاية کی جمع لَعَلَّكُمْ میں لَعَلَّ حرف رجاء۔ تَتَفَكَّرُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ جملے کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ ﴿ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ سے مراد دنیا کی حقیقت اور اس کے فنا ہونے پر غور کرنے کے ساتھ اپنی آخرت کے بارے میں بھی سوچو کہ اس میں ہمیشہ کی زندگی کو سنوارنے کے لیے تم کیا کر رہے ہو۔

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ﴾ میں اَلْيَتٰمٰى يَتِيْم کی جمع ہے۔ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ سے مراد

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یتیموں کی دیکھ بھال اور ان کی خیر خواہی کرنا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں۔ ان کی دیکھ بھال کرنا ہی بھلائی اور نیکی ہے۔

- ﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ تُخَالِطُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر اور اس کی نون اِنْ شرطیہ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ هُمْ ضمیر اَلْيَتٰمٰى کی طرف راجع ہے۔ فَاِخْوَانُكُمْ جوابِ شرط ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم ان کے مال اپنے مالوں میں ملا لو تو اس میں حرج نہیں وہ تمہارے بھائی ہیں۔
- ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ کے ذریعے عیاں کر دیا کہ اللہ تعالیٰ مفسد کے فساد اور مصلح کی اصلاح کو اچھی طرح جانتا ہے۔
- ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ لو حرف تمنی شرطیہ۔ شاء فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ اَعْنَتَ بھی فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ اس پر لام تاکید کا اور کم ضمیر مخاطب کی۔ اِنَّ مشبہ بالفعل لفظ اللہ اس کا اسم اور عزيزٌ حكيمٌ مرکب عَزِيْزٌ کی پہلی خبر اور حَكِيْمٌ دوسری خبر۔ جملے کے معنی ہیں: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ضرور تنگی میں ڈال دیتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غلبے اور حکمت والا ہے۔
- ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ میں لَاتَنْكِحُوْا فعل نہی۔ اَلْمُشْرِكٰتِ اس کا مفعول۔ يُؤْمِنَّ فعل مضارع جمع يُؤْمِنَّ فعل مضارع جمع مؤنث غائب اور اس سے پہلے حَتّٰى بمعنی اِلٰى اَنْ آیا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور تم مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اہل ایمان نہ ہو جائیں۔
- ﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ میں اَعْجَبَتْ فعل ماضی واحد مونث غائب اور کُمْ ضمیر مخاطب ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور مومنہ لونڈی مشرکہ عورت سے بہتر ہے۔ اگر چہ وہ تمہیں اچھی ہی کیوں نہ لگے۔
- ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ اس جملے میں مومنوں کو حکم ملتا ہے اور مسلمان عورتوں کے نکاح مشرکوں سے نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔
- ﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾ سے واضح کر دیا گیا کیونکہ مومن غلام مشرک مرد سے اچھا ہے۔ اگر چہ وہ تمہیں پسند ہو۔
- ﴿اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ﴾ برائی کی طرف بلانے والوں کی حقیقت بیان کر دی گئی کہ وہی لوگ ہیں کہ جو جہنم کی طرف بلا رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔
- ﴿وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ میں يَتَذَكَّرُوْنَ فعل مضارع جملے مذکر غائب ہے اور جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَاَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (222) نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (223) وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (224) لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (225)

''اور آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ وہ گندگی ہے۔ پس عورتوں سے حیض کے دنوں میں الگ رہو اور ان کے نزدیک اس وقت تک نہ جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔ جب وہ پاکی حاصل کرلیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ، اور اپنے نفسوں کے لیے نیکی اور بھلائی والی باتیں آگے بھیجو۔ اور اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ بے شک تم اس سے ملنے والے ہو اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کے لیے نشانہ و ڈھال کے طور پر استعمال نہ کرو (اور تم کہو) کہ نیکی کے کام نہیں کر سکتے اور متقی نہیں بن سکتے اور لوگوں کے درمیان اصلاح نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ بڑا سننے اور جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ لغو قسموں کی وجہ سے تمہیں نہیں پکڑے گا، البتہ ان قسموں پر پکڑے گا جن کو تمہارے دلوں سے پکا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

تشریح:

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود اپنی حائضہ عورتوں کو اپنے ساتھ نہ رکھتے تھے اور نہ ہی ان کو اپنے ساتھ کھانا کھانے دیتے تھے۔ بلکہ ان کا الگ انتظام کر دیتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب اس سلسلے میں آپ سے راہنمائی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے حیض کے بارے میں مذکورہ آیات نازل فرمائیں:

((هٰذَا شَيْءٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ))

''یہ وہ چیز ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دی۔'' (صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها...... حدیث:۳۰۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی ان کے جسمانی نظام کا حصہ بنا دیا۔

حیض کو گندگی قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان مردوں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں کے ایام حیض میں ان سے ازدواجی تعلق قائم نہ کرنا لیکن یہود کی طرح ان کو الگ بھی نہیں کرنا۔ ازدواجی تعلق کے علاوہ باقی تمام باتیں اور کام اسلامی تعلیم کے مطابق کرنے کی اجازت دے دی۔ سیدالانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اس بارے میں احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

اہل ایمان مردوں پر واضح کر دیا کہ یہ پابندی اس وقت تک رہے گی کہ جب تک تمہاری بیویاں حیض سے پاک ہو کر غسل حیض نہ کر لیں۔ غسل حیض کی کیفیت غسل جنابت ہی جیسی ہے۔ اگر کسی مرد سے پابندی نہ ہو سکے اور اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر ممنوع کام اس سے ہو جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں مشکوٰۃ المصابیح باب الحیض ص ۵۶ میں ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنی حائضہ بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کر لے۔ اس کو چاہیے کہ وہ نصف دینار صدقہ کرے۔ ترمذی کی روایت کے مطابق اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار اگر زرد ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ (جامع ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی الکفارۃ ...... حدیث: ۱۳۷)

ائمہ احادیث کی تحقیق کے مطابق کفارے والی احادیث مرفوع ہونے کی بجائے موقوف ہیں۔ یعنی وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے۔ لہٰذا پابندی کو توڑنے والا گناہگار تو ضرور ہوگا لیکن اس پر کفارہ ادا کرنا واجب نہ ہوگا۔ اس پر لازم ہے کہ توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے گناہ کو بخشوائے۔ جمہور علماء کرام کے نزدیک یہی بات درست ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مذکورہ آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو کھیتیوں سے تشبیہ دی اور فرمایا اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو۔ آؤ۔ اس تشبیہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہوگی کہ مرد اپنی بیوی کو جیسے چاہے استعمال کرے۔ یعنی نعوذ باللہ قوم لوط والے فعل کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ ایسی سوچ رکھنے والوں کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ حیض کے خون کو اللہ تعالیٰ نے گند فرمایا۔ حالانکہ حیض کا خون اس جگہ سے نکلتا ہے کہ جہاں سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور نسلِ انسانی آگے بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اسی نسل انسانی کا حصہ تھے۔ گنتی کے چند دنوں میں آنے والے خون کو گند قرار دے دیا گیا تو جس جگہ میں حقیقی گند ہی ہوتا ہے اور روزانہ نکلتا ہے۔ جس میں انسانی بیج اگر ڈالا جائے تو اولاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کو اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ تفسیر قرطبی میں طاؤس رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

((كَانَ بَدْءُ عَمَلِ لُوْطٍ اِتْيَانُ النِّسَاءِ فِي اَدْبَارِهِنَّ۔))

"عمل لوط کی ابتدا عورتوں کی گندوالی جگہوں کو استعمال کرنے سے ہوئی تھی۔"

اور ان کا جو حشر ہوا، سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی خبر دی ہے:

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ﴾ (ھود: ۸۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جب ہمارے حکم سے مسلط ہونے والا عذاب آ گیا تو ہم نے اس بستی کی اوپر والی زمین کو نیچے والی کر دیا۔ (یعنی اس کو الٹ دیا) اوران پر تہ بہ تہ نوکیلے پتھر برسائے۔''

تفسیر ابن کثیر میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جبرئیل امین نے ان کے مکانات اور مویشی وغیرہ ان سب کو جمع کر کے زمین سمیت ان کو آسمان کی طرف اتنا اونچا اٹھایا کہ آسمان میں فرشتوں نے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سن لیں۔ پھر وہاں ان کو زمین کی طرف الٹ دیا اور پتھروں کی بارش ان پر برسائی گئی۔ جس فعل پر پوری قوم تباہ کر دی گئی۔ اس کی اجازت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اپنے نفسوں کے لیے آخرت میں اجر پانے کے لیے نیکیاں اور بھلائی آگے بھیجو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی نافرمانی کر کے اپنی آخرت تباہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دلوں میں بسائے رکھنا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ایک دن تم اپنے رب سے ملنے والے ہو۔ جو مومنوں پر بہت مہربان ہوگا۔

بڑے لوگوں کا ماضی میں اور اب بھی معاملہ کچھ ایسا رہا ہے کہ وہ لغو قسم کی قسمیں کھا کر ان پر ڈٹ جاتے ہیں اور خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں لاتے ہیں۔ نیکی، تقویٰ اور اصلاح بین الناس سے کتراتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسی قسموں پر نہیں بلکہ ان قسموں پر گرفت کرتا ہے کہ جو سوچ سمجھ کر کھائی جاتی ہیں۔

صحیح بخاری میں عائشہ سے مروی ہے: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ ﴾ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس کو عادت ہو کہ بات بات پر لا واللہ۔ ((بَلٰى وَاللّٰه)) کہنے کا عادی ہو۔ (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله ﴿ لا يؤاخذكم الله باللغو فيٓ أيمانكم، حديث:٤٦١٣)

یعنی جو قسم بلا ارادہ ہو، ارادے اور قصد کے بغیر ہی منہ سے نکل جائے، اس پر مواخذہ نہیں ہوگا وہ قسم لغو ہوتی ہے۔ جو کہ قطع رحمی کرنے یا اس چیز کے بارے میں کھائی جائے۔ کہ جس کا انسان مالک نہ ہو۔ سورۃ المائدۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ...... ﴾ (المائدة:٨٩)

''اللہ تعالیٰ تم پر لغو قسم کی وجہ سے گرفت نہیں کرے گا بلکہ اس پر گرفت کرے گا کہ جو تم نے عزم سے کھائی۔''

﴿ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدة:٨٩)

''پکی قسم ٹوٹنے پر اس کا کفارہ دس مساکین کو وہ کھانا کھلانا ہوگا جو تم درمیانہ قسم کا اپنے اہل کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دیئے جائیں یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کر دی جائے۔ پس جو اس کی استطاعت نہ رکھے وہ تین روزے رکھ لے۔ جب تم قسم کھا کر توڑ دو تو یہ اس کا کفارہ ہوگا اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔''

بخاری ہی کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جب کسی بات یا کام کے بارے میں قسم کھاتا ہوں پھر اس سے بہتر بات یا کام میرے سامنے آ جاتا ہے تو اپنی قسم کا کفارہ دے کر وہی بات یا کام کرتا ہوں کہ پہلی بات یا پہلے کام سے بہتر ہوتا ہے۔ لہٰذا! نیکی تقویٰ اور لوگوں کے درمیان اصلاح والے کاموں میں لغو قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر پکی قسم کھا بھی لی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تو اس کا کفارہ ادا کر کے بھلائی کو اپنانا ہی بہتر ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔(صحیح البخاری، کتاب کفارات الأیمان ، باب الاستثناء فی الایمان ، حدیث:٦٧١٨)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ میں اَلْمَحِيْضِ. حَاضَ يَحِيْضُ سے مصدر ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کے مطابق اس سے مراد حیض۔ وقت حیض اور مقام حیض ہے۔ خالق و مالک کے نظام کے تحت جب عورت بالغہ ہو جاتی ہے تو ہر مہینہ کے گنتی کے مخصوص ایام میں اس کے رحم میں سے خون نکلتا رہتا ہے۔ شادی کے بعد جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو بند ہو جاتا ہے اور وضع حمل کے بعد یہ سلسلہ پھر شروع ہو جاتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

﴿قُلْ هُوَ اَذًى﴾ میں اَذًى اَذِیَ يَاْذٰی سے مصدر ہے اور اس کا لغوی معنی ہے: تکلیف یا دکھ اٹھانا یا دینا۔ ضرر جسمانی اور نفسانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں نقصان ایمانی کے لیے لایا گیا ہے اور اس کو گندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ وہ گندگی ہے۔

﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾ میں فَاعْتَزِلُوْا فعل امر اور النِّسَآءَ اس کا مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے: حیض کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ میں لَاتَقْرَبُوْا امر نہی۔ هُنَّ ضمیر جو النِّسَاء کی طرف راجع ہے۔ اس کا مفعول ہے۔ يَطْهُرْنَ فعل مضارع جمع مونث غائب ہے اور جب باب نَصَرَ يَنْصُرُ اور باب (ن) كَرُمَ يَكْرُمُ سے آئے تو اس سے مراد پاک ہونا اور ہے اور یہ صفت ظاہری ہے۔ جب یہ بات تفعل سے لایا جائے تو پھر پاک ہونے میں پانی کا استعمال لازم ہو جاتا ہے۔ پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم کرنا ہوتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: عورتوں سے اس وقت تک ازدواجی تعلق قائم نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔

﴿فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ حیض کے دنوں میں بیویوں سے جماع کرنے کے بارے میں سوال کرنے والوں کو بہترین راہنمائی سے نوازا گیا کہ جب وہ غسل حیض کر لیں تو ان کے پاس وہاں سے آؤ کہ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ میں التَّوَّابِيْنَ سے مراد بہت ہی توبہ کرنے والے اور اَلْمُتَطَهِّرِيْنَ سے مراد پاک ہونے میں پانی استعمال کرنے والے ہیں۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ میں حَرْثٌ سے مراد زمین میں بیج ڈالنا اور اس کو زراعت

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے تیار کرنا ہے۔ اسی لیے ایسی زمین کو کھیتی بھی کہا جاتا ہے لیکن یہاں تشبیہًا اور استعارۃً عورتوں کے لیے استعمال ہوا ہے کیونکہ عورتوں کی ان جگہوں میں بیج ڈالا جاتا ہے کہ جہاں سے اولاد کی صورت میں نسل انسانی کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے۔ اَنّٰی کلمہ ظرف ہے۔ استفہام اور خبر کے لیے اس معاملے کے لیے لایا جاتا ہے کہ جس کی کئی جہت ہوں۔ جملے کا معنی ہے: عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اس لیے اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔

❁ ﴿وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ﴾ میں قَدِّمُوْا فعل امر کا مفعول خَيْرًا محذوف یعنی اپنے نفسوں کے لیے کوئی نیکی آگے بھیجو۔

❁ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾ میں اتَّقُوْا اور اِعْلَمُوْا فعل امر۔ لفظ اللہ اِتَّقُوْا کا مفعول۔ مُلٰقُوْا اسم فاعل۔ ہٗ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جان لو۔ بے شک تم اس سے ملنے والے ہو۔

❁ ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں بَشِّرِ فعل امر واحد مذکر اَلْمُؤْمِنِيْنَ اس کا مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے: مومنوں کو بشارت دیں۔

❁ ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ﴾ میں لَا تَجْعَلُوْا فعل نہی ہے۔ عُرْضَةً سے مراد ہمت۔ قوت۔ نشانہ ہے۔ لِاَيْمَانِكُمْ میں لام حرف جر۔ ایمان یمین کی جمع اور کُم ضمیر مخاطب کی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کے لیے قوت و نشانہ نہ بناؤ۔

❁ ﴿اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ﴾ میں اَنْ ناصبہ۔ تَبَرُّوْا۔ تَتَّقُوْا اور تُصْلِحُوْا تینوں ہی فعل مضارع جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں۔ اَن ناصبہ کی وجہ سے تینوں کی نون اعرابی گری ہوئیں ہیں۔ جملے کا معنی ہے: یہ کہ تم نیکی کرو اور متقی بن جاؤ اور لوگوں کے درمیان اصلاح کا کام کرو۔ یعنی اپنی قسموں کو بہانہ بنا کر مذکورہ کام ترک نہ کرو۔

❁ ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی سننے والا اور بڑا ہی جاننے والا ہے۔

❁ ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ میں لا نافیہ۔ يُؤَاخِذُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ كُمْ ضمیر مخاطب اس کی مفعول اور لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل۔ بَا حرف جر۔ اللَّغْوِ مجرور۔ فِيْ حرف جر اَيْمَانِكُمْ مجرور ہے۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ لغو قسم کی قسموں پر تم کو نہیں پکڑے گا۔

❁ ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ میں واو عاطفہ۔ لٰكِنْ حرف استدراک۔ بِمَا كَسَبَتْ میں با حرف جر سببیہ۔ كَسَبَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ قُلُوْبُكُمْ اس کا فاعل ہے۔ جملے کے معنی ہیں: بلکہ وہ تمہیں اس پر پکڑے گا کہ جو تمہارے دل کماتے ہیں۔ یعنی جو قسمیں تمہارے دلوں میں پختہ ہوتی ہیں۔ ان پر تمہاری پکڑ ہوگی۔

❁ ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ کے ذریعے بشارت دے دی گئی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ
اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ (226) وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (227) وَالْمُطَلَّقٰتُ
يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا
يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ
اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ
الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ
عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (228)
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ
يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (229)

’’جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں، ان کے لیے چار مہینوں کی مدت تک انتظار میں رہنے کی اجازت ہے۔ اگر وہ مقررہ مدت میں لوٹ آئیں تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا عزم رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور طلاق دی گئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔ اور ان کے لیے اس کا چھپانا حلال نہیں جس کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے ان کی رحموں میں کی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔ اور ان کے خاوند اس میں (یعنی تین حیض والی عدت میں) ان کو لوٹانے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اور ان عورتوں کا معروف طریقہ سے مردوں پر اسی کی مثل حق ہے جس طرح مردوں کا ان پر ہے۔ اگرچہ مردوں کو ان پر از روئے درجہ کے فوقیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ غلبے والا حکمت والا ہے۔ رجعی طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر اچھائی سے روکنا یا احسان سے رخصت کرنا ہے، اور تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم اس (حق مہر) میں سے کچھ لو جو تم نے ان کو دے دیا ہے۔ مگر یہ کہ دونوں کو خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ پس اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اگر عورت خاوند کو کچھ دے (کر خلع کے ذریعہ جدائی حاصل کرے) یہ اللہ کی حدیں ہیں، پس ان سے تجاوز نہ کرنا۔ اور جو تجاوز کریں گے۔ پس وہی لوگ ظالم ہوں گے۔‘‘

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح

اسلام کومکمل ضابطہ حیات اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انسانوں کی بہترین راہنمائی کرتا ہے۔ عائلی قوانین کا کوئی پہلو ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں واضح ہدایت موجود نہ ہو۔ عورتوں کو بیویوں کی صورت میں گھروں میں رکھنا لیکن ان کے حقوق کو پامال کرنا۔ اسلام میں اس کی قطعا اجازت نہیں۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے ازدواجی تعلق قائم نہ کرنے کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی مدت مقرر کر دی ہے۔ امت محمدیہ پر واضح کر دیا کہ یہ سلسلہ کسی بھی صورت میں چار ماہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اگر اس مدت کے بعد بیوی سے وہ تعلق قائم نہیں کر پاتا جس کے لیے اس سے شادی کی گئی تو پھر اس کو آزاد کرنا ہوگا یعنی اس کو طلاق دینی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے بیان کردہ مدت میں ازدواجی تعلق قائم کرنے والوں کے لیے اعلان کر دیا کہ وہ بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ یعنی خاوندوں سے جو اس بارے میں بیویوں کے حقوق کی پامالی ہوئی اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

ازدواجی تعلق کی بحالی کی بجائے اگر طلاق ہو جاتی ہے تو طلاق شدہ عورتوں کو ہدایت دی گئی کہ انہوں نے تین قروء عدت میں گزارنے ہیں۔ قرآن حکیم میں حیض کے لیے محیض اور پاک ہونے کے لیے طہر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن عدت کے لیے ایسا لفظ لایا گیا کہ جس میں دونوں معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر جامع البیان میں قروء کے بارے میں لکھا ہے کہ کلام عرب میں کسی چیز کے آنے جانے کے معلوم وقت کو قرء کہا جاتا ہے۔ ہر بالغہ عورت کو اپنے حیض اور طہر کے دنوں کے آنے جانے کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ اسی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ میں سے بعض کے نزدیک مطلقہ کی عدت میں تیسرا حیض شامل نہیں۔ ان کے نزدیک تیسرے حیض کے آنے پر مطلقہ کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے مطابق تین قروء سے مراد تین طہر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجحان اسی طرف تھا۔ انہوں نے اپنی بھتیجی حفصہ کو ان کی عدت کے بارے میں یہی فیصلہ سنایا۔ جب کہ اس کے برعکس عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور اس نے کہا کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے لیے میں غسل کرنے والی تھی کہ میرے خاوند نے رجوع کر لیا۔ کیا یہ رجوع درست ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا میرے خیال میں رجوع ہو گیا۔ اگر علیم وحکیم کی حکمت پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ قروء کا لفظ اس نے اس لیے استعمال فرمایا تاکہ جدائی چاہنے والوں کو جلدی جدا ہونے کا موقع مل جائے اور صلح کی امید رکھنے والوں کو چند دنوں کی مزید مہلت مل جائے۔

یہاں اہل ایمان عورتوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وقتی مفاد کے حصول کے لیے حیض، طہر اور حمل کے بارے میں حق کو چھپانے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ جھوٹ بولنا یا غلط بیانی کر کے فائدہ اٹھانا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ مومنوں پر واضح کر دیا گیا کہ جس طرح ان کی بیویوں پر ان کے حقوق ہیں۔ اسی طرح ان کی بیویوں کے ان پر حقوق ہیں۔ سورۃ البقرۃ ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

''وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔''

اگرچہ مردوں کو جسمانی اور شرعی طور پر عورتوں پر فضیلت حاصل ہے تاہم حقوق کی ادائیگی میں توازن رکھا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام سے پہلے طلاقوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ طلاق کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہی رجوع کر لیا جاتا۔ تفسیر قرطبی میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا۔ نہ میں تجھے رکھوں گا اور نہ ہی تجھے چھوڑوں گا۔ عورت نے پوچھا وہ کیسے؟ مرد نے کہا میں تجھے طلاق دوں گا اور جب عدت ختم ہونے کو آئے گی تو میں تجھ سے رجوع کر لوں گا۔ اس عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی اور ام المومنین نے رسول اللہ ﷺ تک بات پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے آسانی والی آیت نازل فرمائی کہ رجعی طلاق صرف دو مرتبہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان نباہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق دینے کا طریقہ بھی سمجھا دیا کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس کو طلاق دی جائے۔ اگر رجوع ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ دوسرے طہر میں پھر طلاق دے۔ اگر اس میں بھی رجوع نہیں ہوتا تو تیسرے طہر میں جب طلاق دے گا تو وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ پہلی اور دوسری میں رجوع تو ہوسکتا ہے لیکن تیسری کے بعد یہ ممکن نہ ہوگا۔ رجوع کی ایک یہ صورت رہ جائے گی کہ عدت کے بعد اس عورت کی کسی دوسرے مرد سے شادی ہو اور اس میں حلالہ کی شرط نہ ہو۔ کیونکہ حلالہ کرنے اور کروانے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی۔ پہلی طلاق کی طرح اس کو اگر طلاق ہو جائے یا اس کا خاوند فوت ہو جائے تو پہلے خاوند سے اس کا دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

عدت کے بارے میں جس طرح علمی اختلاف پایا جاتا ہے، اسی طرح طلاق سنت اور طلاق بدعی میں اختلاف موجود ہے۔ علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاقیں اگرچہ بدعت ہیں۔ لیکن واقع ہو جاتی ہے۔ جب کہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ایک مجلس میں تین دی گئی طلاقیں ایک ہی شمار ہوگی کیونکہ قرآن وسنت میں ایسا ہی بتایا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا جب لوگوں نے اس سلسلہ میں جلدی کرنی شروع کر دی۔ تو عمر فاروقؓ نے کہا کہ جس سلسلے میں ان کے لیے آسانی تھی۔ اس میں اگر انہوں نے جلدی کی تو میں ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دے دوں گا۔(صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ، حديث:۱۴۷۲) بعد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی جب تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنا شروع کر دیا تو صحیح مسلم کی ہی روایت کے مطابق ابوصہبا رضی اللہ عنہ نے ان کی پہلی روایت کردہ روایت یاد دلائی تو انہوں نے اس کا اقرار کیا۔" (صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، حديث:۱۴۷۲)

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اغاثۃ اللھفان میں ابوداؤد (ص ۲۹۹) کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

((إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بِفَمٍ وَّاحِدٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَ هٰذَا الْإِسْنَادُ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ))

"جب مرد اپنی بیوی سے ایک ہی مجلس یا ایک ہی موقع پر تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی ہوگی۔"

حافظ ابن قیم نے کہا کہ اس روایت کی سند امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ندامت کا ذکر بھی کیا ہے کہ انہوں نے اکٹھی تین طلاقوں کو حرام کیوں نہ کیا۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق جب امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ جلدی کرنے سے باز نہیں آتے تو انہوں نے سزا کے طور پر تین طلاقوں کو تین

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی قرار دے دیا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بحث کو سمیٹتے ہوئے بڑی عمدہ بات کہی کہ جس نے جہالت کی بنا پر غیر شرعی کام کو مباح سمجھا۔ پھر اس کو اس کا علم ہوگیا اور اپنے کیے پر نادم ہو کر توبہ کی۔ اس کے لیے لائق ہے کہ اس کو سزا نہ دی جائے۔ اس کو مشکل سے نکالنے کے لیے وہ فتویٰ دیا جائے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ڈرنے والوں کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔

﴿ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴾(الطلاق:٤)

''جو اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اللہ تعالیٰ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔''

اس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک کا بھی ذکر کیا۔ ((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ))

''گناہ سے تائب ہونے والے کا کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''

توجہ طلب بات یہاں یہ ہے کہ جب کوئی مرد کسی ذاتی بنا پر اپنی منکوحہ بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کو کوئی نہیں بتاتا کہ تمہارا یہ کام ایک طلاق سے ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی آسانی سے فائدہ اٹھانے کا موقع تمہارے لیے باقی رہ جائے گا۔ طلاق کا کاغذ لکھنے والے بھی طلاق کو مؤثر بنانے کے لیے طلاق طلاق طلاق لکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جو کہ سراسر جہالت اور اپنے دین سے ناواقفیت ہے۔

اس بارے میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ نکاح کے موقع پر عموماً دولہا سے تین مرتبہ ایجاب کی قبولیت کرائی جاتی ہے۔ حالانکہ نکاح ایک ہی ہوتا ہے۔ جب وہی نکاح طلاق کے ذریعے ختم ہوتا ہے تو تین بار دی گئی، طلاق کو تین ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اگر نکاح میں تائیداً تین مرتبہ پوچھا جاتا ہے تو طلاق میں یہ اصول کیوں ٹھکرایا جاتا ہے۔ طلاق دینے والے کی نیت کا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ حلالہ نکلوانے کا مشورہ دے دیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کے عائلی قانون کے مطابق تین طلاقوں کے بعد نوے دن میں صلح اور رجوع ہوسکتا ہے۔

مسلمان طلاق دینے والے مردوں کو حکم دے دیا گیا کہ اگر رجوع نہیں ہوتا تو مطلقہ کو عزت و احسان کے ساتھ رخصت کرنا ہے اور دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس نہیں لینا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں مردوں کو طلاق دینے کا حق عطا فرمایا وہاں عورتوں کو بھی اپنے ان خاوندوں سے جدائی کا حق دیا کہ جن کو وہ پسند نہ کرتی ہوں یا جن کے ساتھ نباہ ممکن نہ ہو۔ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ اللہ کے رسول! میں ثابتؓ بن قیس کے دین اور خلق میں کوئی عیب جوئی نہیں کرتی۔ لیکن اسلام میں کفر کو میں پسند نہیں کرتی یعنی میں اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ آپؐ نے فرمایا مہر کے طور پر اس نے جو تجھے باغ دیا ہے۔ وہ لوٹاتی ہو۔ اس نے کہا جی لوٹاتی ہوں۔ آپ ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''باغ واپس لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔'' (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیه، حدیث: ۵۲۷۳)

اس طریقہ جدائی کو خلع کہا جاتا ہے۔ اس سے بھی اسلام کی عظمت عیاں ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے ان قوانین کو اپنی حدیں قرار دیا اور ان سے تجاوز کی ممانعت کر دی۔ خلاف ورزی کرنے والوں کے بارے میں اعلان کر دیا کہ وہ ظالم ہوں گے۔ ظاہر ہے ہر ظالم کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

- ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾ میں يُؤْلُوْنَ فعل مضارع اور تَرَبُّصُ۔ مصدر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جو لوگ اپنی بیویوں سے اِیلاء کر لیتے ہیں تو ان کو چار مہینے رکنا ہوگا۔ اِیلا سے مراد وہ قسم ہے کہ جس کے ذریعے بیویوں سے ازدواجی تعلق کو ترک کرنا ہوتا ہے۔
- ﴿فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ میں فَاِنْ شرطیہ۔ فَآءُوْا ، فعل ماضی جملے کے معنی ہیں: پس اگر وہ لوٹ آئیں یعنی چار ماہ بعد ازدواجی تعلق قائم کر لیں تو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔
- ﴿وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ میں اِنْ شرطیہ عَزَمُوْا فعل ماضی الطَّلَاقَ اس کا مفعول۔ جملے کے معنی ہے: اور اگر وہ طلاق کا عزم کریں۔ پس اللہ تعالیٰ بڑا ہی سننے والا جاننے والا ہے۔
- ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ میں اَلْمُطَلَّقَاتُ. اَلْمُطَلَّقَةُ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ عورتیں ہیں کہ جن کو طلاق دے دی جائے۔ يَتَرَبَّصْنَ فعل مضارع جمع مؤنث غائب۔ بِاَنْفُسِهِنَّ کی ضمیر هُنَّ. اَلْمُطَلَّقٰتُ کی طرف راجع ہے۔ قُرُوْٓءٍ. قَرْءٌ کی جمع ہے اور اس کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے۔ (مفردات القرآن) جملے کے معنی ہیں: طلاق دی گئی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء، روکے رکھیں۔ یعنی ان کی عدت تین قروء ہوگی۔
- ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ میں لانافیہ۔ يَحِلُّ فعل مضارع۔ لَهُنَّ کی ضمیر اَلْمُطَلَّقٰتُ کی طرف راجع ہے۔ اَنْ يَّكْتُمْنَ کا اَنْ ناصبہ یا مصدریہ۔ يَكْتُمْنَ فعل مضارع جمع مؤنث غائب۔ مَا موصولہ۔ خَلَقَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ اَرْحَامِهِنَّ میں رحم کی جمع اَرْحَامَ۔ اِنْ شرطیہ۔ يُؤْمِنَّ فعل مضارع جمع مؤنث غائب اور اس سے پہلے كَانَ يَكُوْنُ سے فعل ماضی جمع مؤنث غائب مضارع کو فعل استمراری بنانے کے لیے آیا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور ان کے لیے اس کا چھپانا حلال نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کی رحموں میں تخلیق کیا ہے۔ اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔
- ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ میں بُعُوْلَتُهُنَّ کی ضمیر هُنَّ اَلْمُطَلَّقٰتُ کی طرف راجع ہے اور بَعْلٌ کی جمع بُعُوْلَةٌ جیسے ذکر کی ذکورة ۔ مَخْلٌ کی مَخُوْلَةٌ ہوتی ہے۔ اَحَقُّ افعل التفضیل ۔ باحرف جر رَدٌّ مصدر هُنَّ ضمیر مرفوع منفصل جمع مونث۔ اِنْ شرطیہ۔ اَرَادُوْا۔ فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے۔ اور ان کے خاوند ان کو اس دوران لوٹانے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ میں بِالْمَعْرُوْفِ سے مراد شرعی مقرر کردہ ضابطہ اخلاق ہے۔ یعنی جس طرح عورتوں پر معروف طریقہ سے مردوں کے حقوق عائد ہیں۔ اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق کو ادا کرنا لازمی ہے۔

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴾ میں دَرَجَةٌ سے مراد ایسی فضیلت، قوت، طاقت اور فوقیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر دے رکھی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: حالانکہ مردوں کو ان پر فوقیت ملی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ غلبے والا حکمت والا ہے۔

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ اَلطَّلَاقُ ۔ اَلْعَقْدُ کی ضد ہے۔ نکاح کے ذریعہ میاں بیوی کو جمع کیا جاتا ہے۔ جب کہ طلاق کے ذریعہ ان میں جدائی ہو جاتی ہے۔ مَرَّتَانِ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اِمْسَاكٌ اور تسریح دونوں مصدر ہیں۔ اِمْسَاكٌ سے مراد روکنا یعنی طلاق کی عدت میں رجوع کر لینا یا عدت کے گزرنے پر مطلقہ کو رخصت کر دینا۔ اسلام کا اخلاقی ضابطہ کتنا خوبصورت ہے کہ مطلقہ کو رخصت کرتے ہوئے احسان کرنے کا حکم دے دیا۔ یعنی جدائی کے وقت اس پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ جملے کے معنی ہیں: رجعی طلاق دو مرتبہ ہے۔ پس عورت سے معروف طریقے پر رجوع کر کے روکنا ہے یا احسان کرتے ہوئے اس کو رخصت کرنا ہے۔

﴿ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا ﴾ اَنْ ناصبہ یا مصدریہ۔ تَاْخُذُوْا ۔ فعل مضارع۔ مِمَّا اصل میں مِنْ مَا یعنی مِنْ حرف جر اور مَا موصولہ ۔ اٰتَیْتُمُوْا فعل ماضی جمع مذکر حاضر اور واو زائدہ ہے۔ هُنَّ ضمیر اَلْمُطَلَّقٰتُ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جو اٰتَیْتُمُوْا کا مفعول اور شَیْئًا اَنْ تَاْخُذُوْا کا مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے: تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم اس میں سے کچھ لو جو تم نے ان کو دے دیا ہے۔

﴿ اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ میں اِلَّا حرف استثنا ۔ یَخَافَا فعل مضارع تثنیہ۔ یُقِیْمَا بھی مضارع تثنیہ اس سے پہلے اَلَّا یعنی اَنْ لَا ہے۔ حُدُوْدَ اللّٰهِ مرکب اضافی اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ﴾ میں خِفْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ جُنَاحَ سے مراد گناہ۔ اِفْتَدَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پس اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ پھر ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا کہ بیوی خاوند کو فدیہ یعنی کچھ دے کر خلع کے ذریعہ جدائی حاصل کرے۔

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ میں فَلَا تَعْتَدُوْا ۔ امر نہی ۔ واو عاطفہ مَنْ موصول شرطیہ۔ یَتَعَدَّ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ پس ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے۔ پس وہی ظالم ہوں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ‌ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ‌ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿230﴾ وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ‌ ۖ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ‌ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا‌ ۚ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ‌ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿231﴾ وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ ؕ ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَـكُمۡ وَاَطۡهَرُ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿232﴾

''پس اگر مرد نے عورت کو طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک وہ (مطلقہ) اس کے علاوہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر دوسرا مرد بھی اس کو (خود ہی) طلاق دے دے تو وہ دونوں (یعنی جو پہلے میاں بیوی تھے) رجوع (نکاح) کر لیں بشرطیکہ وہ جان لیں کہ وہ دونوں اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ تو ان پر کوئی گناہ نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جو جاننے والے لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے۔ اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے والی ہوں تو ان کو اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ ان کو الگ کر دو، اور ان کو تکلیف پہنچانے اور ظلم و زیادتی کرنے کے لیے نہ روکو، اور جس شخص نے ایسا کیا اس نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا، اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ، اور تم پر اللہ کی جو نعمت ہے اس کو اور اس نے جو کتاب و حکمت تم پر نازل فرمائی اس کو یاد کرو جس کے ذریعے وہ تمہیں نصیحت کر رہا ہے، اور اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ بے شک اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔ اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں (اور عدت کے بعد کسی اور مرد سے شادی نہ کی ہو) تو ان کو پہلے خاوندوں سے نکاح (جدید) کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ معروف طریقہ پر رضا مند ہوں۔ یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لیے بہترین تزکیہ اور پاکیزگی کا سبب ہوگا۔ اور اللہ جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں تین شرعی اور ایک یا دو رجعی طلاقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو بہترین ہدایت سے نوازا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پہلے طہر میں پہلی اور دوسرے میں دوسری اور تیسرے میں تیسری طلاق دے دے۔ تو پھر اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ تیسری طلاق کے بعد اگر میاں بیوی باہمی رضا مندی کے ساتھ رجوع کرنا بھی چاہیں تو نہیں ہوسکتا۔ رجوع کی صورت صرف یہی ہوگی کہ اس مطلقہ عورت کا نکاح کسی اور مرد سے ہو جائے۔ نکاح بھی مشروط نہ ہو کہ مرد اس کو دوسرے یا تیسرے دن پہلے خاوند کے لیے حلال کرنے کی غرض سے طلاق دے دے گا۔ مروجہ عرف میں اس کو حلالہ کہا جاتا ہے۔ بلکہ جس شخص سے مطلقہ کا نکاح ہوگا۔ ان دونوں کے درمیان ویسا ہی تصور اور جذبہ ہو کہ جس طرح عموماً نکاح میں پایا جاتا ہے۔ یعنی دونوں اپنی ازدواجی زندگی بہترین طور پر بسر کریں گے۔ ایسے جذبے کے تحت ہونے والے نکاح میں اگر خلل واقع ہوتا ہے۔ یہاں بیوی کا بسنا ممکن نہیں رہتا اور پھر سے عورت کو طلاق مل جاتی ہے اور اس کی عدت بھی پوری ہوجاتی ہے تو ایسی صورت میں وہ پہلے خاوند کے پاس واپس آنا چاہتی ہے تو شریعت اس کو اس شرط پر اجازت دیتی ہے کہ دونوں میں عزم پایا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں کا پاس رکھیں گے اور ان کی کوشش ہوگی کہ پہلے والی صورت پھر سے پیدا نہ ہو جائے۔

مستدرک حاکم (۲/ ۱۹۹) کی روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا: کوئی مرد اپنی بیوی کو تیسری شرعی طلاق دے دے اور اس کی عدت پورے ہونے پر اس کا بھائی بغیر مشورہ یا خاص پروگرام کے تحت اپنی مطلقہ بھابھی سے اس لیے شادی کر لے کہ اس کے طلاق دینے کے بعد وہ اس کے بھائی کے لیے حلال ہو جائے۔ آیا ایسا نکاح صحیح ہوگا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہرگز نہیں۔ ((كُنَّا نَعُدُّ هٰذَا سِفَاحًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم اس کو زنا شمار کیا کرتے تھے۔'' یعنی صحیح نکاح وہی ہوگا کہ جس میں نبھانے کی پوری رغبت موجود ہو۔

تفسیر ابن کثیر میں یہ بھی مروی ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر کوئی ایسا کرے گا تو میں ان دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کرا دی تھی۔

رجعی طلاق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کو حکم دیا کہ مطلقہ کو ضرر پہنچانے کے لیے روکے رکھنا جائز نہیں۔ اگر اس کو رکھنا نہیں چاہتے تو خوش اسلوبی سے اس کو رخصت کر دو۔ تاکہ اگر اس کو موقع ملے تو اپنی بقیہ زندگی چین اور سکون سے گزارے۔ بدخواہی کی بجائے خیرخواہی کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اگر کوئی مرد قرآن حکیم کی اس تعلیم کے مطابق عمل نہیں کرے گا۔ تو خود اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ قیامت کے روز اس کو اپنے کیے ہوئے ظلم کا بدلہ دینا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کو یہ بھی حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق نہ بنایا جائے۔ یعنی طلاق، نکاح اور عتاق (غلاموں کو آزاد کرنا) میں کوئی مذاق نہیں۔ یعنی مرد جب اپنی بیوی کو طلاق دے گا تو وہ طلاق ہوگی۔ کسی عورت سے نکاح کرے گا تو وہ نکاح ہوگا۔ اگر اپنے کسی غلام کو آزاد کرنے کا اعلان کرے گا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ بعد میں کوئی کہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے تو مذاق میں ایسا کیا تھا۔ تو اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ دل لگی سے ہوں یا پکے ارادے سے۔ تینوں واقع ہو جائیں گی۔ وہ نکاح، طلاق اور رجعت ہے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الهزل، حدیث:۲۱۹٤، سنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب من طلق أو نکح أو رجع لاعبا، حدیث:۲۰۳۹)

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کی طرف سے ملنے والی نعمتوں اور کتاب و حکمت کو یاد رکھنے کی تلقین فرمائی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے۔

مطلقہ عورتوں کے والدوں یا ولیوں کو بھی حکم دیا گیا کہ مطلقہ عورت کی رجعی طلاق کی عدت گزرنے کے باوجود عورت کی کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں ہوتی اور اپنے والد یا ولی کے گھر میں بیٹھی رہتی ہے اور اس کا خاوند اس کو نئے نکاح کے ساتھ پھر سے بسانا چاہتا ہے تو والد یا ولی کو اس میں رکاوٹ نہیں پیدا کرنی چاہیے۔ اگر راضی، خوشی معاملہ طے پاتا ہے تو اس کو بگاڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس میں بھرپور تعاون ہونا چاہیے۔

صحیح بخاری میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی ایک بہن تھی جس کے لیے کئی رشتے آتے تھے۔ انہوں نے ایک شخص سے اس کا نکاح کر دیا کہ جس نے اس کو ایک رجعی طلاق دے دی، اس نے رجوع بھی نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کی عدت گزر گئی۔ اس کے خاوند نے جب دوبارہ نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ﴿فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ﴾ والی آیت نازل فرما دی۔ تو انہوں نے بہن کی شادی اسی سے کر دی۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب و اذا طلقتم النساء فبلغن...... حدیث:٤٥٢٩، ٥١٣٠)

ترمذی کی روایت کے مطابق جب معقل بن یسارؓ کے سابق بہنوئی نے شادی کا پیغام دیا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے بیوقوف میں نے تیری عزت کی اور اپنی بہن تیرے نکاح میں دے دی۔ تو نے اس کو طلاق دے کر رجوع بھی نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کی عدت گزر گئی۔ اللہ کی قسم۔ اب میں اس کا نکاح تجھ سے ہرگز نہیں کروں گا۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا تو سابق بہنوئی کو گھر بلا کر بہن کا نکاح اس سے کر دیا اور کہا: اللہ کا فرمان سنا اور میں نے اطاعت کی اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیا۔ (جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورة البقرة، حدیث: ۲۹۸۱)

اسی آیت مبارکہ سے مفسرین اور محدثین نے دلیل لی ہے کہ مسلمہ عورت ولی کے بغیر اپنی مرضی سے اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر کر سکنے کی اجازت ملتی تو ولیوں کے سپرد معاملہ نہ کیا جاتا۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ ((فَهُوَهَا وَهَوِيَتْهُ)) عدت گزرنے کے باوجود دونوں الگ ایک دوسرے کو پسند کرتے اور نکاح کی رغبت رکھتے تھے۔ لیکن نکاح کرنے کا اختیار ولیوں کو دیا گیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پس اس کا نکاح باطل ہوگا۔ آپ نے تین مرتبہ یہ فرمایا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ عمر فاروق، علی، عبداللہ بن عباس اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اسی بات کے قائل تھے۔(جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء لا نکاح الابولی……حدیث:۱۱۰۲)

یہاں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ بیٹی یا بہن کے نکاح سے پہلے اس سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ کیونکہ اپنے خاوند کے ساتھ زندگی اس نے گزارنی ہوتی ہے۔ جو کام پیار محبت اور خوش اسلوبی سے طے ہو سکتا ہے۔ اس میں بدمزگی پیدا کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں۔ ان کا احترام کرنا بھی ہر مسلمان مرد پر لازم ہے۔

دعا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

❁ ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ میں اِنْ شرطیہ پر فَا تعقیب کا ہے۔ طَلَّقَ فعل ماضی اور ھَا ضمیر اس کا مفعول ہے۔ جس سے مراد مطلقہ عورت ہے اور یہاں مراد تیسری طلاق ہے۔ تَحِلُّ اور تَنْكِحَ دونوں فعل مضارع واحد مؤنث غائب کے صیغے ہیں۔ تَحِلُّ سے پہلے لَا نافیہ اور تَنْكِحَ سے پہلے حَتّٰى ناصبہ ہے۔ زَوْجًا اس کا مفعول ہے۔ غیر اسم لازم الاضافت اور ہٗ ضمیر طلاق دینے والے خاوند کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پس اگر اس کا خاوند اس کو تیسری طلاق بھی دے دے تو پھر وہ بعد میں اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ عدت پوری کرنے کے بعد اس کے علاوہ کسی اور مرد سے شادی کر لے۔

❁ ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ میں اَنْ ناصبہ یَتَرَاجَعَا فعل مضارع تثنیہ مذکر غائب ہے۔ اس کی نون اَنْ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: پہلے خاوند کے بعد دوسرا خاوند بھی اس کو اگر طلاق دے دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا کہ پہلے خاوند سے اس کا نکاح ہو جائے۔ اگر دونوں خیال کریں کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھیں گے۔

❁ ﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ میں یُبَیِّنُھَا کی ضمیر حُدُوْدُ اللّٰهِ کی طرف راجع ہے اور یُبَیِّنُ فعل مضارع واحد مذکر غائب ہے۔ جملے کا معنی ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جن کو ایسی قوم کے لیے بیان فرما رہا ہے کہ جو جانتے ہیں۔

❁ ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ میں واو عاطفہ اِذَا ظرف مبنی شرطیہ۔ طَلَّقْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ النِّسَآءَ اس کا مفعول۔ فَبَلَغْنَ بھی فعل ماضی لیکن جمع مونث غائب اور اس پر فَا تعقیب کا۔ اَجَلَهُنَّ اس کا مفعول۔ هُنَّ ضمیر النِّسَآءَ کی طرف راجع ہے اور اَجَلَ سے یہاں مراد عدت کا ختم ہونا ہے۔ جملے کا معنی ہے اور جب تم عورتوں کو رجعی طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے والی ہوں۔

❁ ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا﴾ میں لَا تُمْسِكُوْ فعل

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہی۔ هُنَّ اس کا مفعول ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر اور اس پر لام کئی آیا ہے۔ جس کی وجہ سے نون اعرابی گری ہوئی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پس ان کو معروف طریقہ سے روک لو یا معروف طریقہ پر رخصت کر دو اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم زیادتی کرو۔

- ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ میں مَنْ موصول شرطیہ۔ اسی کی وجہ سے يَفْعَلْ کے آخر میں جزم آئی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جس نے ایسا کیا۔ بے شک اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔
- ﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ﴾ میں لَاتَتَّخِذُوْا۔ فعل نہی۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ مرکب اضافی اس کا مفعول اور هُزُوًا مفعول لہ ہے۔
- ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ میں اُذْكُرُوْا فعل امر اور جملے کا معنی ہے: اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔
- ﴿ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ میں مَا موصولہ۔ جملے کا معنی ہے: اور جو اس نے کتاب وحکمت نازل فرمائی۔ يَعِظُكُمْ بِهٖ: میں يَعِظُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ جملے کا معنی ہے: اس کے ساتھ تم کو اللہ نصیحت کر رہا ہے۔
- ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ میں اعْلَمُوْا فعل امر۔ لفظ اللہ اِنَّ مشبہ بالفعل کا اسم اور بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ جملہ اس کی خبر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والا ہے۔
- ﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ﴾ میں لَا تَعْضُلُوْا فعل نہی۔ هُنَّ ضمیر اس کا مفعول۔ اَنْ مصدر یہ يَنْكِحْنَ فعل مضارع جمع مؤنث غائب۔ اَزْوَاجَهُنَّ اس کا مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے: جب تم عورتوں کو طلاق دے دو۔ پس وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو ان کو اپنے خاوندوں سے جدید نکاح کرنے سے نہ روکو۔
- ﴿ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ میں تَرَاضَوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور جب وہ آپس میں معروف طریقہ پر رضا مند ہو جائیں۔
- ﴿ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ میں ذٰلِكَ اسم اشارہ۔ يُوْعَظُ فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب۔ مَنْ موصول جملے کا معنی ہے: یہ نصیحت اس کو جاتی ہے کہ جو تم میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔
- ﴿ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ﴾ میں ذٰلِكُمْ اسم اشارہ، كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ اَزْكٰى اور اَطْهَرُ دونوں افعل تفضیل کے صیغے۔ جملے کے معنی ہیں: یہ تمہارے لیے انتہائی تزکیہ نفس اور پاکیزگی کا سبب ہوگا۔
- ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿234﴾

''اور مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں اس کے لیے جو رضاعت کی مدت پوری کروانے کا ارادہ رکھتا ہو، باپ کے ذمہ دستور کے مطابق ان (ماؤں) کو کھانا پینا اور کپڑے مہیا کرنا ہوگا۔ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جائے گی۔ نہ تو والدہ کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ ہی کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر پہنچائی جائے اور وارث پر بھی یہی حکم ہوگا۔ ماں باپ دونوں اگر باہمی رضا مندی اور مشاورت سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ارادہ ہو تو تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا جب تم دستور کے مطابق ان کے سپرد کر دو۔ جو تم نے دینا (مقرر کیا) تھا، اور اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ وہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں تو وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن روکے رکھیں (یعنی عدت میں رہیں۔) جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو جو وہ دستور کے مطابق اپنے بارے میں کریں تم پر اُس کے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ بے شک اس سے باخبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔''

تشریح:

۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق ہے اور وہی اپنی مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔ اس لیے وہی بہتر جانتا ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کی مدت کتنی ہونی چاہیے جس سے بچے کی پرورش اچھی ہو اور ماں کی صحت پر بھی برا اثر نہ پڑے۔ کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دودھ پینے کی مقدار زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا جاتا ہے، دودھ کی طلب اس میں زیادہ ہوتی جاتی ہے، اس لیے علیم وحکیم نے دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال مقرر کر دی۔ سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ (لقمان:۱۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اس کی ماں نے اُسے کمزوری پر کمزوری کے باوجود اٹھایا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال کی مدت کے اندر ہے۔''

سورۃ الاحقاف میں فرمان الٰہی ہے:

﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف:۱۵)

''اس کو پیٹ میں اٹھانے اور دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہے۔''

یعنی حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے اور اسی مدت کے اندر رضاعت ثابت ہوتی ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے:

" من قال: لا رضاع بعد حولين لقوله تعالى: ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ.﴾

''جس نے کہا کہ دو سال بعد رضاعت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے......''

امام بخاری رحمہ اللہ نے پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کے ہاں اس وقت ایک مرد بیٹھا ہوا تھا جس کو دیکھ کر آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔گویا اس مرد کی موجودگی پسند نہ آئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے بھائیوں کے بارے میں دیکھ بھال کرلیا کرو۔کیونکہ رضاعت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ بچہ بھوکا ہو اور اتنا دودھ پی لے کہ اس کی بھوک ختم ہو جائے۔''(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا رضا بعد حولین......،حدیث:۵۱۰۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی عمر کے لڑکے یا مرد کے کسی عورت کا دودھ پینے سے وہ اس کی رضاعی ماں نہیں بن جاتی۔ رضاعی ماں وہی ہوگی جو بچے کو دو سال کے اندر دودھ پلائے۔

سنن ابی داؤد (ص ۲۸۱) اور اسد الغابۃ (۲/ ۳۰۸) میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ جب سورۃ الاحزاب کی آیت ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِ هِمْ﴾ نازل ہوئی تو سہلہ بنت سہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ سالم کو ہم اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے اور وہ ہمارے ساتھ ہی گھر میں رہتا تھا۔ اللہ کے فرمان کے بعد سالم کی گھر میں موجودگی میرے خاوند ابو حذیفہ کو اچھی نہیں لگتی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تو اس کو اپنا دودھ پلا دے۔'' پس انہوں نے سالم کو پانچ چسکیاں دودھ پلا دیا۔جس سے وہ ان کے رضاعی بیٹے بن گئے اور ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا دل بھی صاف ہوگیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی واقعہ کو دلیل بنایا اور جس کو پسند کرتیں کہ وہ ان کے پاس آئے تو اپنی بھتیجیوں سے کہتیں کہ اس کو پانچ چسکیاں دودھ پلا دو۔ پھر وہ شخص ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ کیونکہ رضاعت سے اس کو دیکھنا ان کے لیے حلال ہو جاتا۔ جب کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات ایسی رضاعت والے کو اندر آنے کی اجازت نہ دیتیں۔ ان کا کہنا تھا کہ رضاعت وہی صحیح ہے جو مہد یعنی دو سال کے اندر ہو اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہتیں کہ اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتی کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ رخصت خاص سالم رضی اللہ عنہ کے لیے ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی باب باندھا ہے کہ حرمت والی رضاعت وہ ہے جو دو سال کے اندر ہو۔ پھر انہوں نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک بھی نقل کیا کہ وہ رضاعت رشتوں کو حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پُر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال کے اندر والی رضاعت معتبر ہے اور اس مدت کے بعد والی معتبر نہیں۔(جامع الترمذی، کتاب الرضاع ، باب ما جاء ان الرضاعة لا تحرم...... حدیث:۱۱۵۲)

اسلام نے باپ اور ماں دونوں کو حکم دیا کہ بچے کی وجہ سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ طلاق کے بعد مرد اگر اپنی سابقہ بیوی سے اپنے بچے کو دودھ پلوانا چاہے تو اس کے نان و نفقہ کا وہ ذمہ دار ہوگا۔ لیکن اس بارے میں میانہ روی کو اپنایا جائے گا۔ اگر خاوند فوت ہو جاتا ہے تو اس کے ورثاء کو بھی اسی ہدایت کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

اگر کسی طبی وجہ سے ماں باپ دونوں باہمی رضا مندی اور مشاورت سے دودھ چھڑانا چاہیں یا کسی دایہ کا دودھ پلوانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ دایہ کا معاوضہ اس کو ادا ہو جائے۔ اسلام کسی دوسرے شخص پر کسی بھی رنگ میں ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ اسی لیے حکم دیا کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں جس عورت کا خاوند فوت ہو جاتا اس کو بری حالت میں ایک سال کے لیے عدت میں رہنا پڑتا تھا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں زینب رضی اللہ عنہا بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو اس کو ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں ڈال دیا جاتا۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی اور خوشبو استعمال نہ کرتی۔ یہاں تک کہ ایک سال گزر جاتا۔" (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها...... حدیث:۵۳۳۶/ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدة...... حدیث:۱۴۸۹)

گدھا، بکری یا کوئی پرندہ لایا جاتا جس کو وہ اپنے جسم سے رگڑتی۔ پھر اس کو اونٹ کی مینگنیاں دی جاتیں جن کو وہ پھینکتی۔ بسا اوقات عدت کے دوران اس کی موت واقع ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ مسلمان عورتوں پر شفقت فرمائی اور جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کے لیے چار ماہ اور دس دن کی عدت مقرر کر دی۔ اگر عورت خاوند کی موت کے وقت حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت کو وضع حمل سے منسلک کر دیا۔ جیسا کہ سورۃ الطلاق میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾(الطلاق:۴)

"حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل سے فارغ ہونا ہے۔"

بخاری و مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کیا میں ان میں سرمہ لگا دوں۔ آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

"نہیں! یہ عدت چار ماہ اور دس دن کی ہے۔ حالانکہ تم میں سے ہر کوئی ایک سال عدت میں رہنے کے بعد اونٹ کی مینگنیاں پھینکا کرتی تھی۔" (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی...... حدیث:۵۳۳۶/ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب انقضاء لعدة المتوفی...... حدیث:۱۴۹۰)

بخاری و مسلم ہی میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’کوئی عورت کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے سوائے اُس عورت کے جس کا خاوند فوت ہو جائے۔ جس کا سوگ (یعنی عدت) چار ماہ دس دن ہے۔‘‘ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب الکحل للحادۃ، حدیث: ۵۳۴۰/ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدۃ المتوفی...... حدیث: ۹۳۸ بعد ۱۴۹۱)

آپ ﷺ نے فرمایا:

’’بیوہ رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے، نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو استعمال کرے۔ لیکن حیض سے جب فارغ ہو تو قسط یا اظفار قسم کی خوشبو معمولی سی لگائے تاکہ حیض کا اثر زائل ہو جائے۔ بیوہ کو خضاب بھی نہیں لگانا چاہیے۔‘‘

آج کل کی اصطلاح میں اس کو کسی قسم کا میک اپ نہیں کرنا چاہئے اور نہ خوبصورتی کو نمایاں کرنے والے کپڑے استعمال کرنے ہوں گے۔ بیوہ کے لیے یہ بھی حکم ہے کہ عدت اپنے گھر میں پوری کرے اور عدت کے دوران باہر نکلنے کی اجازت صرف اسی صورت میں ہوگی کہ وہ بیمار ہو جائے اور ڈاکٹر کے پاس جانا ضروری ہو جائے یا اس کا کوئی کام کرنے والا نہ ہو اور اپنی روٹی کے لیے اس کو خود ہی محنت کرنی پڑتی ہو۔ عذرِ شرعی کے بغیر اس کو گھر سے باہر نہیں آنا چاہیے۔ جب عدت ختم ہو جائے تو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ اپنے بارے میں جو مناسب سمجھے کر سکتی ہے۔ اگر نکاح کی بات ہوتی ہے یعنی کوئی مرد اس سے نکاح کرنے کا پیغام دیتا ہے تو اپنے اولیاء سے مشاورت کر کے نکاح کر سکتی ہے۔ اسلام میں جس طرح ولی کے بغیر نکاح کی اجازت نہیں، اسی طرح عورت کا حق ہے کہ اس کی پسند اور مرضی کا خیال رکھا جائے۔ ولی کا فرض ہے کہ عورت کے مستقبل کو سنوارنے کی انتہائی کوشش کرے۔ کسی بھی موقع پر اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائے۔ پیار اور محبت سے معاملہ طے کیا جائے۔ آج کل یہ بات بہت ہی اہمیت حاصل کر چکی ہے۔ کیونکہ فتنہ و فساد ہر سو پھیل چکا ہے۔ لہٰذا والدین کی ذمہ داری پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ گمراہی کا سبب بننے والا گروہ طاغوتی طاقتوں کی معاونت سے نوجوان نسل کو راہِ حق سے ہٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

حل لغات:

- ﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ میں اَلْوَالِدٰتُ اَلْوَالِدَةُ کی جمع ہے۔ يُرْضِعْنَ فعل مضارع جمع مؤنث غائب اور اَوْلَادَهُنَّ اس کا مفعول ہے۔ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ظرف زمان۔ اَنْ ناصبہ۔ يُتِمَّ فعل مضارع۔ الرَّضَاعَةَ اس کا مفعول۔ جملے کے معنی ہیں: اور مائیں اپنی اولادوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اس شخص کے لیے جس کا ارادہ ہو کہ وہ رضاعت پوری کروائے۔
- ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ میں اَلْمَوْلُوْدِ لَهٗ سے مراد باپ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کی روٹی اور کپڑے دینا دستور کے مطابق لازم ہے۔
- ﴿ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ میں لَا نافیہ۔ تُكَلَّفُ فعل مضارع مجہول۔ نَفْسٌ نائب فاعل۔ اِلَّا حرف استثناء۔ وُسْعَهَا کی ضمیر هَا، نَفْسٌ کی طرف راجع ہے اور وُسْعَ سے مراد انسانی وسائل اور استطاعت ہے۔ جملے کا معنی ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی شخص استطاعت سے زیادہ تکلیف نہ دیا جائے۔

❁ ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ میں لَا تُضَارَّ فعل نہی مجہول سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ وَالِدَةٌ اور مَوْلُوْدٌ اس کا نائب فاعل۔ جملے کا معنی ہے: ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچائی جائے۔

❁ ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ اور وارث پر بھی ایسی ہی ذمہ داری ہوگی۔

❁ ﴿فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ اَرَادَا فعل ماضی سے تثنیہ مذکر غائب اور اس کی ضمیر مستتر ماں باپ دونوں کی طرف راجع ہے۔ فِصَالًا اس کا مفعول ہے۔ اس سے مراد بچے کا دودھ چھڑانا ہے۔ تَرَاضٍ اور تَشَاوُرٍ دونوں باب تفاعل سے مصدر ہیں اور حرف جر عَنْ کی وجہ سے مجرور ہیں۔ جملے کا معنی ہے: اگر دونوں بچے کا دودھ رضا مندی اور مشاورت سے چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

❁ ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ میں اَرَدْتُّمْ، سَلَّمْتُمْ اور اٰتَيْتُمْ تینوں فعل ماضی جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں۔ اِنْ: شرطیہ اور اَنْ: ناصبہ۔ تَسْتَرْضِعُوا: باب استفعال سے فعل مضارع معروف، جمع مذکر حاضر۔ اپنے ماقبل اَنْ کی وجہ سے نون اعرابی گری ہوئی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اگر تم ارادہ کرو کہ اپنی اولاد کو کسی (اور) دودھ پلانے والی عورت سے دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر تم ان کے حوالے وہ کر دو جو تم نے دستور کے مطابق دینا مقرر کیا ہو۔

❁ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ میں اِتَّقُوْا اور اِعْلَمُوْٓا فعل امر ہیں۔ بَصِيْرٌ صفت مشبہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

❁ ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ میں اَلَّذِيْنَ: اسم موصول يُتَوَفَّوْنَ: باب تفعل سے فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب۔ يَذَرُوْنَ: ثلاثی مجرد سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب۔ يَتَرَبَّصْنَ جمع مؤنث غائب ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تم میں سے وہ لوگ جو فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن (گھروں میں) روکے رکھیں۔ یعنی عدت میں رہیں۔

❁ ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ میں اِذَا: ظرف مبنی شرطیہ۔ بَلَغْنَ فعل ماضی جمع مؤنث غائب۔ اَجَلَهُنَّ اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں۔

❁ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ میں فِي حرف جر اور مَا موصولہ ہے۔ (فِيْمَا) جملے کے معنی ہیں: تو تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس میں جو وہ دستور کے مطابق اپنے بارے میں کریں۔

❁ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ میں خَبِيْرٌ: بھی صفت مشبہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خبردار ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِىٓ أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَٰبُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿235﴾ لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَٰعًۢا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿236﴾ وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِى بِيَدِهِۦ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوٓا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿237﴾

اور تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا یہ کہ تم (مطلقہ بائنہ) عورتوں سے اشارۃً یا کنایۃً نکاح کی بات کرو یا تم اپنے دلوں میں چھپا رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ عنقریب تم ان کا ضرور ذکر کرو گے لیکن تم ان عورتوں سے کوئی پوشیدہ وعدہ نہ کرو مگر یہ کہ تم دستور کے مطابق بات کرو۔ اور نہ عدت کے اندر ہی ان سے عقدِ نکاح کا عزم رکھو۔ یہاں تک کہ ان کی عدت کی مدت ختم ہو جائے، اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈر جاؤ، اور جان لو بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔ تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر تم عورتوں کے پاس جانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے ان کو طلاق دے دو۔ اور ان کو معروف طریقے پر کچھ نہ کچھ دے دو، وسعت والے پر اس کی وسعت کے مطابق اور تنگدست پر اس کی طاقت کے مطابق دینا ہوگا، یہ نیکو کاروں پر حق ہے۔ اور اگر تم ان کے پاس جانے سے پہلے ہی طلاق دے دو اس حال میں کہ تم نے ان کے لیے مہر مقرر کر دیا ہو تو جو تم نے مقرر کر دیا اس کا آدھا دینا ہوگا مگر یہ کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ درگزر کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور تمہارا (مردوں کا) درگزر کرنا تقوی کے زیادہ قریب ہے، اور آپس میں فضیلت و بزرگی کو فراموش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ وہ دیکھتا ہے کہ جو تم کرتے ہو۔

تشریح:

سورۃ الروم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴾ (الروم:۲۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم میں سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان مودّت و رحمت کو رکھ دیا۔''

اللہ تعالیٰ کی رکھی ہوئی اسی مودّت و رحمت کا نتیجہ ہے کہ مردوں کو بیویوں کی اور بیویوں کو خاوندوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اسلام نے دنیا کا بہترین طریقہ رائج کیا ہے۔ حیوانوں کی طرح ضرورت کو پانے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ نکاح کرنے اور اس کو نبھانے کی تلقین کی۔ اگر کہیں نباہ نہیں ہو پاتا تو پھر بھی جدائی میں ممکنہ حد تک خوش اسلوبی کو اپنانے کا حکم دیا۔ ان پر جبر وظلم کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔ بیوی بنا کر رکھنے یا طلاق دیکر رخصت کرنے میں احسان کرنے کی تعلیم دی۔ چوری چھپے نکاح کرنے یا معروف طریقہ سے ہٹ کر تعلقات پیدا کرنے کی اجازت نہ دی۔ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ نظام کے تابع رہنے کا حکم دیا۔ اسلامی نظام کی خوبصورتی کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی عورت کا نباہ اس کے خاوند سے نہیں ہو پاتا اور اس کو تین طلاقیں تین ماہ میں مل جاتی ہیں۔ جس سے رجوع کی شرعی صورت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ابھی عدت میں ہوتی ہے۔ اسلام میں اس کی تو اجازت ہے کہ اس سے شادی کرنے کی خواہش رکھنے والا مرد اس تک اپنی خواہش کو معروف طریقہ سے پہنچائے۔ لیکن اس سے کوئی پوشیدہ وعدہ نہ کرے اور نہ عدت کے اندر اس کو اپنے نکاح میں ہی لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان کر دیا کہ جو کچھ تمہارے دلوں کے اندر ہے۔ اس کو وہ جانتا ہے۔ اس لیے اس سے ڈرتے رہو ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ وہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے احکام کی تعمیل کی جائے گی تو انسانی زندگی خوشگوار ہو جائے گی۔

عورتوں کے حقوق کی جس طرح اسلام میں حفاظت کی گئی ہے۔ اس کی مثال دنیا کے کسی نظام میں نہیں ملتی۔ مردوں کو اس کی اجازت تو دے دی کہ نکاح کرنے کے بعد تم اپنی بیوی کے پاس نہیں گئے یعنی اس سے ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوا اور تم اس کو طلاق دینا چاہتے ہو اور تم نے اس کا کوئی مہر بھی مقرر نہیں کیا۔ تو طلاق دیتے ہوئے جب اس کو رخصت کرو تو کچھ نہ کچھ اس کو ضرور دو۔ اس حکم میں تاکید یوں پیدا کر دی گئی کہ صاحب حیثیت کا اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگی والے کا اپنی طاقت کے مطابق مطلقہ کو کچھ سامان وغیرہ دینا بھلائی کو اپنانے والوں پر حق ہے۔ یعنی یہ کام ان کو ضرور کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہاں مطلقہ کے مجروح ہونے والے جذبات کا خیال رکھا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے طلاق دینے والا مرد اگر صاحب حیثیت ہے تو وہ مطلقہ کو ایک غلام دے۔ جبکہ قاضی شریح رحمہ اللہ پانچ سو درہم ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ ابن سیرین رحمہ اللہ غلام یا اس کی قیمت کے برابر خرچہ یا کپڑے دلوایا کرتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایسی جدا ہونے والی بیوی کو مہر کے طور پر انہوں نے دس ہزار درہم عطا کیئے۔ جب اس عورت کو رقم ملی تو اس نے کہا: ((مَتَاعٌ قَلِيلٌ مِنْ حَبِيبٍ مُفَارِقٍ)) (جدا ہونے والے حبیب کی طرف سے یہ متاع قلیل ہے۔) صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین ایسا اس لیے کیا کرتے تھے کہ قرآن حکیم میں ایسا ہی کرنے کا حکم ہے۔ سورۃ البقرہ ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرۃ:۲۴۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مطلقہ عورتوں کو اچھائی اور بھلائی کے طور پر کچھ مال یا اسباب دینا متقی لوگوں پر حق ہے۔''

سورۃ الاحزاب میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ (الاحزاب: ۲۸)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال واسباب دیکر بہت ہی خوبصورت انداز میں رخصت کرتا ہوں۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو پورا اختیار دے دیا کہ اگر ان کے لیے دنیوی مشکلات کو آپ کے ساتھ برداشت کرنا ممکن نہ ہو اور دنیا کا سامان اور اس کی زینت ہی محبوب ہو۔ تو اس کو اپنانے کے لیے وہ آزاد ہیں۔ لیکن امہات المومنین نے ایک لحہ کے لیے بھی دنیا جہاں کو آپ پر ترجیح دینے کا نہ سوچا۔ انہوں نے وہی پسند کیا جو آپ نے پسند فرمایا۔ اس سے امت محمدیہ کے مردوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ انہوں نے اپنی بیویوں پر جبر وظلم نہیں کرنا۔

یہاں اس مطلقہ عورت کے بارے میں بھی راہنمائی مہیا کر دی گئی کہ جس کے پاس جانے سے پہلے ہی خاوند نے اس کو طلاق دے دی لیکن اس کا مہر مقرر ہو گیا تھا۔ ایسے مہر والی مطلقہ کے بارے میں قرآن حکیم میں حکم دیا گیا کہ اس کے لیے مقرر کردہ مہر کی آدھی رقم ادا کر دی جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ مطلقہ خود ہی ملنے والے آدھے مہر کو معاف کر دے یا اس کا ولی لینے پر تیار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سختی کی بجائے نرمی کے پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ طلاق دینے والوں کو احساس دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپس میں تمہیں جس فضل وکرم سے نوازا ہے اس کو نہ بھولو۔ لہٰذا! مرد ہونے کے ناطے اگر تم وہ آدھا بھی چھوڑ دو کہ جو تمہارا حق ہے۔ تو یہی بات تقویٰ کے قریب ترین ہے۔

اتنی خوبصورت تعلیم کے باوجود ہمارے ہاں جب کہیں طلاق کا واقعہ پیش آیا ہے تو وہاں نفرت وکدورت اور دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ مختلف مزاج رکھنے والے میاں بیوی میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے آسانی رکھی ہے کہ اپنی آنے والی زندگی کو سنوارنے کے لیے اپنے لیے بہتر ساتھی چن لیں۔ دعا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

حل للغات:

- ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ میں خِطْبَةِ النِّسَآءِ مرکب اضافی سے مراد عورتوں کو نکاح کا پیغام دینا ہے۔ عَرَّضْتُمْ بِهٖ سے پیغام کا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور شرعی طور پر تین طلاقیں دی گئی عورتوں کو اشارۃً کنایۃً نکاح کا پیغام دینے میں تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔
- ﴿اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ﴾ میں اَكْنَنْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: یا تم اس کو اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو۔
- ﴿عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ﴾ میں تَذْكُرُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر ہے۔ هُنَّ ضمیر اس کا مفعول مطلقہ بائنہ عورتوں کی طرف راجع ہے۔ فعل مضارع پر جب سین لگایا جاتا ہے تو مضارع کو مستقبل قریب میں کر دیا جاتا ہے۔ جملے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے معانی ہیں: اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ عنقریب بے شک تم ان کا ذکر کرو گے۔

❁ ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ میں لَا تُوَاعِدُوا فعل نہی۔ هُنّ اس کا مفعول۔ سِرًّا حال، اِلَّا حرفِ استثنا۔ اَنْ ناصبہ کا تَقُوْلُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر کی نون اعرابی اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا مرکب توصیفی جملے کے معنی ہیں: اور لیکن تم ان سے یعنی مطلقہ عورتوں سے پوشیدہ وعدہ نہ کرو۔ مگر تم ان سے اچھی بھلی بات کرو۔

❁ ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ﴾ میں لَا تَعْزِمُوْا بھی امر نہی ہے۔ عُقْدَةَ النِّكَاحِ مرکب اضافی اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں مطلقہ بائنہ عورتوں کی عدت میں عقدِ نکاح کا پکا ارادہ نہ کرو۔

❁ ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ میں حَتّٰی ناصبہ یَبْلُغَ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ الکتٰبُ اس کا فاعل اور اَجَلَهٗ اس کا مفعول ہے۔ اَلْكِتٰبُ سے مراد یہاں مطلقہ بائنہ کی عدت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرض ہے۔ جملے کے معنی ہیں: یہاں تک کہ عورت کی عدت ختم ہو جائے۔

❁ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ﴾ میں فَاحْذَرُوْا فعل امر جمع مذکر اور ہٗ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہوتا ہے۔ پس اس سے ڈرتے رہو۔

❁ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

❁ ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ میں مَا موصولہ۔ لَمْ نفی جحد بلم۔ جب یہ فعل مضارع پر آئے تو اس کے آخر کو جزم اور نون اعرابی گرا دیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے تَمَسُّوا کی نون گری ہوئی ہے اور هُنَّ ضمیر اس کا مفعول مطلقہ عورتوں کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ تم ان کو ان کے پاس جانے سے پہلے ہی طلاق دے دو۔

❁ ﴿اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ میں تَفْرِضُوا کا عطف بھی لَمْ کے تحت تَمَسُّوْ پر ہے ہے اور فَرِیْضَةً اس کا مفعول ہے اور اس سے مراد مہر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: یا تم نے ان کے لیے مہر بھی مقرر نہ کیا ہو۔

❁ ﴿وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ میں مَتِّعُوْا فعل امر۔ هُنَّ ضمیر اس کا مفعول۔ اَلْمُوسِعِ اور اَلْمُقْتِرِ دونوں اسم فاعل۔ دونوں سے پہلے حرف جر عَلٰی ہے جس کی وجہ سے مجرور ہیں قَدَرُهٗ کی ضمیر ہٗ طلاق دینے والے کی طرف راجع ہے مَتَاعًا۔ مَتِّعُوا کا مفعول ثانی اور حَقًّا حال ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور ان کو دستور کے مطابق کچھ سامان دے دو۔ وسعت والے پر اس کی وسعت کے مطابق اور تنگدست پر اس کی طاقت کے مطابق دینا ہوگا۔ یہ احسان کرنے والوں پر حق (لازم) ہے۔

❁ ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ اور اگر تم ان کے پاس جانے سے پہلے ان کو طلاق دے دو اس حال میں کہ تم نے ان کے لیے مہر مقرر کر لیا ہو۔

❁ ﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ﴾ میں اَنْ ناصبہ۔ یَعْفُوْنَ فعل مضارع جمع مونث غائب کا صیغہ ہے۔ اسی لیے اَنْ ناصبہ کے آنے کے باوجود نون نہیں گری۔ کیونکہ وہ اعرابی نہیں بلکہ جمع مونث کی ضمیر کی علامت ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پس ان کو مہر کا نصف دینا ہوگا جو تم نے مقرر کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* ﴿اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ میں يَعْفُوَ فعل مضارع واحد مذکر غائب کا عطف اَنْ يَّعْفُوْنَ پر ہے۔ اسی لیے اس کے آخر میں زبر آئی ہے جملے کے معنی ہیں: یا وہ معاف کر دے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔
* ﴿وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ میں اَقْرَبُ افعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور تمہارا معاف کرنا تقوے کے زیادہ قریب ہے۔
* ﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ میں لَا تَنْسَوْا فعل نہی اور اَلْفَضْلَ اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اپنے درمیان فضیلت و بزرگی کو فراموش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ وہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿238﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿239﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿240﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿241﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿242﴾

”نمازوں کی حفاظت کرو خاص طور پر بیچ والی (کا خیال رکھو) اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سواری پر ہی پڑھ لو، پھر جب امن میں ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، ایک سال فائدہ اٹھانے کی اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں (گھر سے) نکالے بغیر پس اگر وہ (اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ عدت کو پورا کرنے کے بعد) خود ہی نکل جائیں اور اپنے بارے میں معروف طریقہ پر عمل کریں تو اس پر تمہیں کوئی گناہ نہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ غلبے والا حکمت والا ہے۔ اور طلاق شدہ عورتوں کو دستور کے موافق خرچ دینا ہوگا، یہ سے فائدہ پہنچانا متقین پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیات تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔“

تشریح:

نمازوں کی محافظت کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ ایسا فریضہ ہے جو شرعی عذر کے بغیر اہل ایمان سے کسی بھی صورت میں ساقط نہیں ہوتا۔ جب تک ایمان والوں کے ہوش و حواس قائم رہیں گے ان کو یہ فریضہ ادا کرنا ہو گا۔ مجاہد جب اپنے رب کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اس کی جان کے کسی بھی لمحہ قربان ہو جانے کا امکان موجود ہوتا ہے اس وقت بھی اس کو نماز کی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ اگرچہ رکعتوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ وہ بھی اگر اشاروں سے پڑھ لی جائے تو ادا ہو جاتی ہے۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا اگر ممکن نہ ہو تو یہ شرط بھی ختم ہو جاتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ محافظت والی آیت کے نزول سے پہلے نمازوں کے دوران میں معمولی گفتگو کر لینے کی ممانعت نہ تھی۔ یہ بھی منقول ہے کہ آغاز اسلام میں اس کی اجازت تھی۔ لیکن بعد میں اس سے روک دیا گیا۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں سلام کیا کرتے کہ آپ نماز میں ہوا کرتے اور آپ اس کا جواب دے دیتے۔ لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کیا، نماز میں ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے جواب نہ دیا۔ بعد میں ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! حالت نماز میں آپ کو ہم سلام کیا کرتے تھے اور آپ جواب دیا کرتے تھے لیکن اب آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا)) (صحيح مسلم، باب تحريم الكلام في الصلاة و نسخ ما كان من إباحته، حديث:۵۳۸)

''بے شک نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔''

جب ﴿قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ کا حکم ملا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا خضوع وخشوع اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ نمازِ خوف کی ہلکی سے ہلکی جو صورت ہوسکتی ہے، اس کا ذکر یہاں ہوا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل سورۃ النساء میں یوں بیان ہوتی ہے:

''جب تم زمین میں سفر کرو اور کفار کی طرف سے تمہیں خوف وخطرہ ہو تو نمازوں کو قصر کرنے پر تم کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ جب آپ ان (مجاہدین) میں ہوں اور انہیں نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک جماعت کو چاہیے کہ اسلحہ کے ساتھ آپ کے پیچھے کھڑی ہو جائے۔ آپ کے ساتھ کھڑے ہونے والے جب سجدے کر چکیں تو پیچھے آجائیں اور ان کی جگہ وہ دوسری جماعت آجائے جو نماز میں شریک نہ ہوئی تھی۔ ان کو چاہیے کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اپنے بچاؤ کا خیال رکھیں اور اسلحہ سے لیس رہیں۔ کیونکہ کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے سازوسامان اور اسلحہ سے غافل ہو جاؤ اور وہ اچانک تم پر حملہ کر دیں۔ اگر بارش اور بیماری کی وجہ سے تکلیف ہو تو اسلحہ اتارنے میں تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اپنے بچاؤ کا پورا بندوبست کیے رکھو۔ بے شک کفار کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (النساء:۱۰۱،۱۰۲)

اللہ رحیم وکریم کا یہ احسان ہے کہ اس نے امت محمدیہ کے لیے مشکلات میں آسانیاں فرمائیں۔ لیکن اہل ایمان پر یہ واضح کر دیا کہ جیسے ہی خوف وخطرہ ٹل جاتا ہے تو انہوں نے نمازوں کو اسی طرح قائم کرنا ہے جس طرح ان کو تعلیم دی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں ہی وضاحت ہوتی ہے:

﴿ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ (النساء:۱۰۳)

''جب تم اطمینان کی حالت میں ہو جاؤ تو نماز قائم کرو۔ بے شک نماز مقررہ وقتوں پر مومنوں کے لیے فرض ہے۔''

اس فریضہ کی ادائیگی میں جو کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کے انجام کے بارے میں سورۃ المدثر میں ارشاد ہوتا ہے۔ جہنمیوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں جہنم میں کس چیز نے پہنچایا؟ تو وہ کہیں گے:

﴿ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ ﴾ [۴۳ تا ۴۵]

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ بیہودہ اور فضول گفتگو کرنے والوں کے ساتھ شریک رہا کرتے تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ نمازوں کی محافظت کے ساتھ صلوۃ وسطیٰ کا خاص طور پر قرآن حکیم میں ذکر ہوا ہے۔ عربی میں جب کسی شے کے لیے وَسَط کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد بہترین خیر ہوتی ہے۔ امت محمدیہ کے بارے میں سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

kitabosunnat.com

''اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا''

نمازیں تو ساری ہی بہترین ہیں۔ لیکن الصلوۃ الوسطی کے بارے میں کئی اقوال ہیں: یہ فجر کی ہے، ظہر کی ہے، عصر کی ہے، مغرب کی ہے، عشاء کی ہے یا جمعہ کی ہے یا تمام کے لیے اَلْوُسْطٰی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جمہور کے نزدیک اس سے مراد نمازِ عصر ہے۔ جامع ترمذی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الْعَصْرِ)) (جامع الترمذی، کتاب التفسیر القرآن، باب و من سورۃ البقرۃ، حدیث:۲۹۸۵)

''کہ صلاۃ وسطی سے مراد عصر کی نماز ہے۔''

بخاری، مسلم کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

((حَبَسُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ ، مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَبُيُوْتَهُمْ ، وَاَجْوَافَهُمْ نَارًا))(صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب حفظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی ، حدیث ۴۵۳۳، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الدلیل لمن قال: الصلوۃ الوسطی ھی صلاۃ العصر، حدیث:۶۲۷)

''کفار نے ہمیں (لڑائی کی وجہ سے) صلوۃ وسطیٰ سے روک لیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں، ان کے گھروں اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔''

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوۃ وسطی سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اسلامی تعلیم سے مالا مال ہونے سے پہلے عرب میں بیوہ اور طلاق شدہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوتا تھا۔ بیوہ انتہائی بُرے حال میں ایک سال کی عدت گزارتی تھی۔ اسلام کی برکت سے بیوہ سے سلوک تو بہتر ہونے لگا اور جاہلیت والی رسمیں متروک ہوگئیں اور بیوہ کے لیے ایک سال معمول کے مطابق رہنے اور فائدہ اٹھانے کی وصیت کرنے پر عمل ہونے لگا۔ بعد میں بیوہ کی عدت کی مدت کو اللہ نے چار مہینے اور دس دن کر دیا اور آیت میراث کے ذریعہ اس کو وراثت میں سے حصہ دلوا دیا۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ﴾ (النساء:۱۲)

''میراث کے طور پر جو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو اس میراث میں سے تمہاری بیویوں کے لیے چوتھائی حصہ ہوگا اور اگر تمہارے اولاد ہو تو پھر ان کے لیے آٹھواں حصہ ہوگا۔''

اسلام سے پہلے عورتوں کو میراث میں سے حصہ دینے کا کوئی تصور نہ تھا۔ یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ عورت ماں ہو یا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی یا بیٹی اس کو میراث میں سے حصہ ملتا ہے اور اگر میت کلالہ ہو تو بہن بھی شریک ہو جاتی ہے۔

مفسرین میں سے بعض کا خیال ہے کہ ایک سال تک گھر سے نہ نکالنا اور اس کو فائدہ پہنچانا اس کی وصیت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ جب عدت کی مدت چار ماہ دس دن ہو گئی تو وصیت والی آیت منسوخ ہو گئی۔ اگر وصیت کو خاوندوں کی اپنی مرضی کے تابع کر دیا جائے تو پھر ناسخ و منسوخ کی ضرورت نہیں رہتی اور عورت کو اختیار ہو گا کہ چار ماہ دس دن والی فرض کردہ عدت کی مدت پوری کرنے پر اپنی مرضی سے خاوند کا گھر چھوڑنا چاہے تو چھوڑ سکتی ہے۔ چونکہ اس کو میراث میں سے حصہ مل جاتا ہے۔ اس لیے اس کے سال بھر کے نان و نفقہ کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی اسلامی تعلیمات کی وسعت ہے کہ بیوہ کو اختیار دے دیا گیا کہ معروف طریقہ پر آئندہ زندگی کے بارے میں وہ فیصلہ کر سکتی ہے۔ زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق مردوں کے ظلم و ستم برداشت کرنے کے لیے چھوڑی نہیں جاتی۔

بیوہ کے بارے میں راہنمائی دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے طلاق شدہ عورتوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اللہ کے نام پر وہ ان کے لیے حلال ہوتی ہیں۔ مردوں کے لیے متقین کا لفظ استعمال کر کے واضح کر دیا گیا کہ ان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی عورتوں پر ظلم و زیادتی کریں جنہوں نے ان کے ساتھ زندگی کا کچھ حصہ گزارا ہو۔ اس لیے نکاح کے موقع پر (خطبہ نکاح میں) قرآن حکیم کی ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے جن میں تقویٰ کا ذکر ہوا ہے۔ تاکہ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے حقوق کے ادائیگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔

یہاں ایک لطیف سا نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ جو دین، مطلقہ عورت کے بارے میں حسنِ سلوک کی تلقین کرتا ہے، اس کی تعلیم اس عورت کے بارے میں کیا ہو گی جو اپنے خاوند کے ساتھ معروف طریقہ پر زندگی گزار دیتی ہے۔ قرآن حکیم میں خاوندوں کو حکم ملتا ہے۔

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (النساء:١٩) "ان کے ساتھ معروف طریقہ کے مطابق سلوک کرو۔"

معروف سے مراد وہ تمام اچھی باتیں اور کام ہیں جو شریعت میں جائز ہیں اور اس کی ضد منکر ہے۔ منکر سے مراد وہ تمام باتیں اور کام ہیں جن کی شریعت میں اجازت نہیں۔ اس لیے معروف مومنوں کی علامت اور منکر کافروں، منافقوں فاجروں اور فاسقوں کی پہچان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ وہ اپنی آیات اس لیے بیان فرماتا ہے کہ ہم ان پر غور کریں اور عقل استعمال کرتے ہوئے معروف و منکر میں تمیز کریں۔ کیونکہ منکرات انسان کو جہنم کا ایندھن بنا دیتی ہیں جب کہ معروف کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال ہو کر جنت کا مالک بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں منکرات سے محفوظ رکھے اور معروف کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ میں حَافِظُوْا فعل امر حاضر سے جمع مذکر۔ عَلٰی حرف جر۔ الصَّلَوٰتِ، الصَّلٰوةِ کی جمع۔ واؤ عاطفہ۔ اَلْوُسْطٰی اَلْاَوْسَط کی مؤنث۔ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی، مرکب توصیفی۔ جملے کے معنی ہیں: نمازوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حفاظت کرو اور نماز وسطیٰ کی بھی محافظت کرو۔

❀ ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ قُوْمُوْا بھی فعل امر ہے اور قٰنِتِيْنَ قَانِت(اسم فاعل) کی جمع ہے، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں انتہائی خشوع وخضوع اور فرمانبرداری کرنے والے، پوری توجہ اور ادب سے نماز قائم کرنے والے ہیں۔ جملے کے معنیٰ ہیں: اور اللہ تعالیٰ کے لیے پوری توجہ کے ساتھ نماز قائم کرو۔

❀ ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ خِفْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا سے مراد ہے: پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر سوار رہتے ہوئے ہی نماز پڑھ لو۔

❀ ﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ﴾ میں اِذَا ظرف مبنی شرطیہ۔ اَمِنْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ فَاذْكُرُوا فعل امر حاضر۔ لفظ اللہ اس کا مفعول۔ کاف تشبیہ کا اور مَا موصولہ۔ عَلَّمَ باب تفعیل فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ جملے کے معنیٰ ہیں: جب تم امن میں ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے۔

❀ ﴿مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ میں مَا موصولہ۔ لَمْ نفی جحد کا۔ تَكُوْنُوْا اور تَعْلَمُوْنَ دونوں فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ لیکن تَكُوْنُوْا کی نون لَمْ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ جملے کے معنیٰ ہیں: جو تم نہیں جانتے تھے۔

❀ ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ میں يُتَوَفَّوْنَ فعل مضارع مجہول سے جمع مذکر غائب۔ يَذَرُوْنَ مضارع معروف۔ اَزْوَاجًا اس کا مفعول۔ مَتَاعًا حال۔ اِلٰی حرف جر اَلْحَوْلِ مجرور الحول سے مراد ایک سال کی مدت۔ اِخْرَاجٍ مصدر۔ جملے کے معنیٰ ہیں: اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جاتے ہیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں۔ اپنی بیویوں کے لیے ان کی وصیت ہوتی ہے کہ وہ ایک سال فائدہ اٹھائیں اور ان کو نکالا نہ جائے۔

❀ ﴿ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ﴾ اِنْ شرطیہ۔ خَرَجْنَ و فَعَلْنَ دونوں فعل ماضی جمع مؤنث غائب کے صیغے ہیں اور مِنْ حرف جر بیانیہ ہے۔ جملے کے معنیٰ ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہونے والی عدت پوری کرنے کے بعد اگر وہ نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہ ہو گا اس وجہ سے جو وہ اپنے بارے میں معروف طریقہ پر کریں۔

❀ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ لفظ اللہ مبتدا، عَزِيْزٌ پہلی خبر، اور حَكِيْمٌ دوسری خبر ہے۔ جملے کے معنیٰ ہیں: اور اللہ تعالیٰ بڑا غلبے والا حکمت والا ہے۔

❀ ﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ میں واو عاطفہ۔ لام حرف جر۔ مُطَلَّقٰتِ مجرور مطلّقة کی جمع۔ مَتَاعٌ مصدر۔ ب حرف جر۔ اَلْمَعْرُوْفِ مجرور۔ حَقًّا حال۔ عَلٰی حرف جر اور اَلْمُتَّقِيْنَ مجرور۔ جملے کے معنیٰ ہیں: طلاق شدہ عورتوں کو معروف طریقہ پر کچھ نہ کچھ دینا متقی لوگوں پر حق (لازم) ہے۔

❀ ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ میں کاف تشبیہ کا۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ۔ يُبَيِّنُ فعل مضارع سے واحد مذکر غائب۔ لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل۔ اٰيٰتِهٖ اس کا مفعول۔ لام حرف جر۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ لَعَلَّ حرف رجاء۔ كُمْ ضمیر مخاطب۔ تَعْقِلُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ جملے کے معنیٰ ہیں: اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿243﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿244﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿245﴾

”کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو ہزاروں کی تعداد میں موت سے بچنے کے لیے گھروں سے نکلے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا: تم مر جاؤ۔ (جب وہ مر گئے) تو پھر ان کو زندہ کیا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے۔لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔اور تم لڑائی کرو اللہ کی راہ میں اور جان رکھو کہ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے، پس وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ تعالیٰ ہی (روزی میں) تنگی اور فراخی کرتا ہے اور اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ موت سے کسی کو فرار نہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے اور ضرورت مندوں کو قرض حسن دیا جائے اور ہر مسلمان کا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ رزق میں تنگی اور فراخی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

یہاں موت کے ڈر سے بھاگنے والوں کا جو ذکر ہوا ہے، اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ان کی تفصیل میں جانے کی بجائے قرآن حکیم کی اتنی ہی بات ہمارے لیے کافی ہے کہ موت وحیات پر اللہ کے سوا کوئی اور قدرت نہیں رکھتا۔ سورۃ الملک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨo الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُo﴾ (الملک: ۱، ۲)

”بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں کل کائنات کی بادشاہت ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہی ہے جس نے موت وحیات کی تخلیق کی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے، اور وہی (اللہ) غلبے والا بخشنے والا ہے۔“

سورۃ الجمعہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الجمعۃ: ۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''آپ کہہ دیں کہ بے شک وہ موت جس سے تم بھاگ رہے ہو، وہ تمہیں ضرور پانے والی ہے۔ پھر تم غیب اور حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں اس کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔''

سورۃ النساء میں اعلان ہوتا ہے:

﴿ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ﴾(النساء:۷۸)

''جہاں بھی تم ہو گے موت تمہیں پالے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں کا ذکر فرمایا جو موت کے ڈر سے بھاگ نکلے۔ اللہ نے پہلے موت کو ان پر مسلط کیا پھر ان کو زندہ کر کے ثابت کر دیا کہ موت و حیات کا معاملہ اسی کے قبضے میں ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی اختیار نہیں رکھتا۔ جن لوگوں کو ان کی زندگیوں میں دنیا کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے، ان پر اللہ ہی کا فضل و کرم ہوتا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت شیطان کے بہکاوے میں آ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی بجائے اس کو اپنی محنت و مشقت اور اپنی ذہانت و فطانت کا نتیجہ قرار دیتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنی آخرت برباد کر لیتی ہے۔

موت و حیات کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔ تا کہ جہاد و قتال کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آئے گا تو کوئی بھی اس کو ٹال نہ پائے گا۔ لہٰذا اللہ کے دین کی سربلندی میں ہی موت کو پانے کی کوشش کی جائے تا کہ ہمیشہ کی زندگی آخرت میں سنور جائے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مال اور جان دو ایسی چیزیں ہیں جن کی حفاظت کرنے میں انسان ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور جہاد میں انہی دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چاہے جہاد دشمن کے خلاف ہو یا معاشرے کو سدھارنے کے لیے کیا جا رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مال خرچ کرنے کی تلقین بھی بڑے پیارے انداز میں کی ہے۔ بلکہ اس کی راہ میں اس کا دیا ہوا مال خرچ کرنے والوں کو ضمانت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ قرض حسن ہو گا۔ یعنی اس کا اجر خرچ کرنے والے کو ضرور کئی گنا بڑھا کر ملے گا۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مفردات القرآن میں نقل کیا ہے کہ قرض اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس شرط پر دیا جائے کہ دینے والے کو واپس مل جائے۔ ان کے نزدیک حسن کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ جو عقل کے اعتبار سے مستحسن (اچھی) ہو۔

۲۔ وہ جو خواہش نفسانی کی رو سے پسندیدہ ہو۔

۳۔ وہ جو صرف نگاہ میں بھلی معلوم ہو۔

قرض حسن میں چونکہ سود اور ناجائز مطالبے کا کوئی عنصر شامل نہیں ہوتا، اس لیے اس کو حسن کہا جاتا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر دس گناہ اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا ہے۔ میں نے جبرئیل امین سے اجر میں فرق کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ سائل کو جب دیا جاتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ جب کہ قرض لینے والے کے پاس اپنی حاجت کو پورا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہوتا اور اسے قرض لینا پڑتا ہے۔ (سنن ابن ماجة، کتاب الصدقات، باب القرض، حدیث:۲۴۳۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر ابن کثیر، ابن جریر اور قرطبی میں منقول ہے کہ جب قرض حسن والی آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگ رہا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں! ابوالدحداح نے عرض کیا۔ ذرا اپنا ہاتھ مجھے دیں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ابو الدحداح نے آپ کے ہاتھ مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا: میرے باغ میں کھجوروں کے چھ سو درخت ہیں،وہ میں اللہ تعالیٰ کو قرض حسن کے طور پر دیتا ہوں۔ پھر اس باغ کے پاس آ کر باہر ہی سے اپنی بیوی کو آواز دی: باہر آجاؤ میں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بیوی اپنے بچوں کو لے کر باہر آگئی اور اس نے کہا:

"رَبِحَ بَیْعُكَ بَارَكَ اللّٰهُ فِیمَا اشْتَرَیْتَ"

'' آپ نے بڑے نفع والا سودہ کیا ہے،آپ نے جو خریدا اس میں اللہ تعالیٰ برکت نازل فرمائے۔''

تفسیر قرطبی کی دوسری روایت کے مطابق ابو الدحداح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے دو باغ ہیں ، میں دونوں اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:ایک دے دو اور ایک اپنے اور اپنے اہل کے لیے روک لو۔ انہوں نے عرض کیا: تو ان دونوں میں سے جو بہتر ہے وہ پیش کئے دیتا ہوں۔ اس میں کھجوروں کے چھ سو درخت ہیں۔ پھر دوسرے باغ میں منتقل ہو گئے۔

یہی وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ مستحکم ہوا۔

یہاں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ رزق کی تنگی یا فراخی کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب وہ دینے پر آئے تو کوئی روک نہیں سکتا اور جب روک لے تو کوئی اس سے لے نہیں سکتا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نماز ختم کرنے کے بعد جو دعائیں مانگا کرتے تھے، اُن کا یہ بھی حصہ تھا:

((اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ،وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ،حدیث:۸۴۴)

'' اے اللہ! جو تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے وہ کوئی دینے والا نہیں اور نہ ہی کسی بزرگی والے کو تجھ سے اس کی بزرگی نفع دے سکتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اعلان فرمایا:

﴿ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (البقرۃ:۲۱۲)

''وہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔''

کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو زیادہ اور کس کو کم دینا ہے۔قرآن حکیم کی پہلی آیت میں ہی اس نے واضح کر دیا۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾(الفاتحۃ:۱)

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔''

لہٰذا !انسان کے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کے ذہن میں شیطان یہ وسوسہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ڈالے کہ یوں اس کے رزق میں کمی واقع ہو جائے گی۔ بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رزق بڑھتا ہے۔ سورۃ سبا میں ضمانت دی گئی ہے:

﴿ وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ ﴾ (سبا:۳۹)

''اور جو بھی تم خرچ کرو گے وہ اتنا ہی اس کی جگہ اور دے گا۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حلِّ لغات:

- ﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ لَمۡ نفی جحد۔ تَرَ اصل میں ترای تھا۔ لَمۡ کی وجہ سے ي گری ہوئی ہے۔ اَلَّذِیۡنَ موصولہ۔ خَرَجُوا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ مِنۡ حرف جر۔ دِیَارِ مجرور، دَار کی جمع ہے اور هِمۡ ضمیر اَلَّذِیۡنَ خَرَجُوا کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنے گھروں سے نکلے۔ یہاں دیکھنے سے مراد دل سے دیکھنا ہے یعنی کیا آپ نے نہیں جانا؟
- ﴿وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ﴾ میں واوٗ حالیہ ہے اور هُمۡ ضمیر بھی اَلَّذِیۡنَ خَرَجُوا ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اُلُوۡفٌ۔ اَلۡف کی جمع ہے جو تعداد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حَذَرَ الۡمَوۡتِ مرکب اضافی ہے اور حَذَرَ۔ حَذِرَ یَحۡذَرُ سے مصدر مضاف ہے۔ اس کا مضاف الیہ بھی مَاتَ یَمُوۡتُ سے اَلۡمَوۡت مصدر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: موت سے بچنے کے لیے وہ اس حال میں نکلے کہ ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔
- ﴿فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡیَاهُمۡ ﴾ میں فائے استیناف۔ قَالَ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ لام حرف جر۔ هُمۡ ضمیر اَلَّذِیۡنَ خَرَجُوا کی طرف راجع ہے۔ لفظ اللّٰهُ قَالَ کا فاعل ہے۔ مُوۡتُوا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ ثُمَّ حرف عطف۔ اَحۡیَا فعل ماضی واحد مذکر غائب اور هُمۡ ضمیر مفعول۔ اَحۡیَا کا بھی فاعل اللہ ہی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پس اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا، تم مرجاؤ۔ (یعنی موت کو ان پر مسلط کر دیا۔ جب ان پر موت واقع ہوگئی تو) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا۔
- ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللّٰهَ اس کا اسم اور لَذُو فَضۡلٍ عَلَی النَّاس۔ اس کی خبر ہے۔ ذُو بمعنی صاحب و مالک اور اس پر لام تاکید کا ہے۔ فَضۡلٍ مضاف الیہ ہے۔ عَلٰی حرف جر اور النَّاسِ مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل والا ہے۔
- ﴿وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡكُرُوۡنَ﴾ میں واوٗ عاطفہ۔ لٰكِنَّ بھی حرف مشبہ بالفعل۔ اَكۡثَرَ النَّاسَ مرکب اضافی اس کا اسم۔ لَا نافیہ اور یَشۡكُرُوۡنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب لٰكِنَّ کی خبر۔ جملے کے معنی ہیں: لیکن لوگوں کی اکثریت شکر نہیں کرتی۔
- ﴿ وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ﴾ میں واوٗ عاطفہ، قَاتِلُوۡا باب مفاعلہ سے فعل امر حاضر جمع مذکر، فِیۡ حرف جر اور سَبِیۡلِ اللّٰهِ مرکب اضافی اس کا مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ واؤ عاطفہ۔ اِعْلَمُوْ فعل امر حاضر اَنَّ مشبہ بالفعل۔ لفظ اللّٰہ اس کا اسم۔ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اس کی پہلی اور دوسری خبر۔ جملے کے معنی ہیں: اور جان لو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً﴾ میں مَنْ استفہامیہ۔ ذَا اسم اشارہ الَّذِی اسم موصول۔ یُقْرِضُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ لفظ اللّٰہ اس کا مفعول۔ قَرْضًا حَسَنًا مرکب توصیفی مفعولِ مطلق۔ فَیُضٰعِفَهٗ میں فاء جواب استفہام کی۔ یُضٰعِفُ فعل مضارع واحد مذکر غائب کے آخر پر زبر بھی جواب استفہام ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ ہٗ ضمیر قرض حسن کی طرف راجع مفعول ہے۔ لَهٗ کی لام حرف جر اور ہٗ ضمیر قرض دینے والے کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً مرکب توصیفی حال ہے، یا ہٗ ضمیر کی صفت بھی ہوسکتی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ دونوں فعل مضارع واحد مذکر غائب کے صیغے۔ لفظ اللّٰہ ان کا فاعل۔ واؤ عاطفہ۔ اِلٰی حرف جر۔ ہِ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تُرْجَعُوْنَ فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ ہی رزق میں تنگی اور فراخی کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿246﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰی یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَزَادَهٗ

''کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنو اسرائیل کی ایک جماعت کی طرف نہیں دیکھا؟ جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں۔ (نبی نے) کہا قریب ہے کہ اگر تم پر قتال فرض کر دیا گیا تو تم قتال نہ کرو۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے لیے کیا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہمیں ہمارے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے۔ پھر جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو قلیل تعداد کے علاوہ ان میں سے باقی سب پھر گئے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور انھیں ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی ہمارے اوپر بادشاہت کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہت کے حق دار ہیں اور اس کو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ (نبی نے) فرمایا: بیشک

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿247﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿248﴾

اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر چن لیا ہے اور اس کو علمی اور جسمانی برتری سے نواز دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ وسعت والا بڑا ہی جاننے والا ہے۔ اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہو گی کہ تمہارے پاس وہ صندوق آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت ہو گی اور آل موسیٰ اور آل ہارون کے ترکہ میں سے بقیہ ہو گا، اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے، بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔“

تشریح:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل جب شرک و بدعت اور اپنی خباثتوں اور نافرمانیوں کی بنا پر ذلیل و رسوا ہو گئے اور ان کے دشمن نے اپنی قوت و طاقت سے ان کو کچل کے رکھ دیا تو ان کی غیرت نے جوش مارا اور دشمن سے ٹکرانے کا عزم کر لیا۔ انہوں نے اپنے اس وقت کے نبی علیہ السلام سے درخواست کی کہ ان میں سے کسی کو ان کا بادشاہ یعنی سپہ سالار مقرر کر دیں تاکہ دشمن کے خلاف قتال کر کے اپنی کھوئی ہوئی عزت و عظمت کو بحال کریں۔ نبی علیہ السلام نے اپنے خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتال فرض ہو جائے تو تم قتال نہ کرو۔ قوم نے جب مصمم ارادے کا اظہار کر دیا تو نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے راہنمائی کے حصول کے لیے دعا کر دی۔

تفسیر القرطبی میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حکم ملا کہ اپنے کمرے میں پڑی ہوئی تیل کی کُپی کو دیکھتے رہو۔ جس آدمی کے آنے پر تیل جوش مارے اسی کو بادشاہ و سپہ سالار بنا دو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ طالوت اپنی گم شدہ سواری کے بارے میں نبی علیہ السلام کے پاس دعا کرانے آئے تو تیل نے جوش مارنا شروع کر دیا۔ نبی نے وہی تیل طالوت کے سر میں لگا کر ان کی بادشاہت اور سپہ سالاری کا اعلان کر دیا۔

بنو اسرائیل کے مال دار سرداروں نے اپنی پرانی عادت کے مطابق نبی علیہ السلام کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور ان کی دلیل یہ تھی کہ طالوت چونکہ صاحبِ مال نہیں بلکہ فقیر و مفلس ہے، اس لیے وہ ہمارا سپہ سالار نہیں ہو سکتا۔ اس منصب کے اس سے زیادہ ہم حق دار ہیں۔ مال دار لوگوں کی ہمیشہ سے یہ سوچ رہی ہے کہ عوام الناس پر حکمران ہونا ان کا حق ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جس کو چاہتا ہے بادشاہت سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس سے محروم کر دیتا ہے۔ حکیم و علیم ہونے کے ناطے وہی بہتر جانتا ہے کہ کس سے کیا کام لینا ہے۔ کسی کو صاحب اختیار یا حکمران بنا کر اپنے دین کی سربلندی کا کام لینا ہے اور کسی کو طاقت و قوت دے کر دیکھتا ہے کہ ظلم کرنے کی کس انتہا تک وہ جاتا ہے۔ پھر اپنا عذاب اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر نازل فرما کر اس کو جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے۔ فرعون کا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ اسی لیے بیان ہوا کہ ایسا رویہ رکھنے والے حکمرانوں کو ان کے انجام سے آگاہ کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ وہ بھٹکنے اور راہِ حق سے دور ہونے والے اپنے بندوں کی اصلاح بھی اس طرح کراتا ہے کہ ذلیل و رسوا اور مغلوب ہونے کے بعد جب ان کو اپنی غلطیوں اور خطاؤں کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنے کیے پر نادم ہوتے ہوئے اس کی بارگاہ میں جھک جاتے ہیں۔ جیسے ہی گناہگار اور خطا کار جھکتے ہیں تو اس کی رحمت جوش میں آتی ہے اور توبہ کرنے والوں کی عزت و عظمت بحال کر دی جاتی ہے۔ یعنی ان کو دشمن پر غالب کر دیا جاتا ہے۔

طالوت کی بادشاہت پر اعتراض کرنے والوں کو نبی علیہ السلام نے کہا: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اللہ تعالی کا فیصلہ ہے، اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالی نے علمی اور جسمانی طور پر اس کو فضیلت سے نواز رکھا ہے۔ مفسرین نے یہاں سے استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کے بادشاہ یا حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر مضبوط بھی ہو۔ کیونکہ ان دوصفتوں کے بغیر نظامِ حکومت کا قیام اور اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اعتراض کرنے والے سرداروں سے نبی نے فرمایا: اس کے باوجود تمہاری تسلی نہیں ہوتی تو تم دیکھو گے کہ اس کی بادشاہت کے حق ہونے پر اللہ کی طرف تمہارا کھویا ہوا وہ صندوق نازل ہوگا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے سکینت ہوگی۔ جو نہ صرف تمہارے لیے سکون کا سبب ہوگا بلکہ اس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی چیزیں بھی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ اپنے بندوں کو سکینت سے اس وقت نوازتا ہے جب وہ سخت مشکل میں ہوتے ہیں۔ مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار میں چھپتے ہیں اور کفار تعاقب کرتے ہوئے غار کی پاس پہنچ جاتے ہیں۔ ایسی آزمائش کی گھڑی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی سے فرماتے ہیں:

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ (التوبۃ: ۴۰)

”غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس پر سکینت نازل فرمائی اور ایسے لشکر سے مدد فرمائی جس کو تم نے نہ دیکھا۔“

سورۃ الفتح میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾ (الفتح: ۴)

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ وہ اپنے ایمانوں کے ساتھ ایمان میں اور زیادہ مضبوط ہو جائیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا اصل سرمایہ ایمانی سکون ہے۔ جب یہ سرمایہ گم ہو جاتا ہے تو زندگی کے ہر شعبے میں بے سکونی غالب آجاتی ہے۔ دشمن کی قوت و طاقت کا خوف دلوں پر چھا جاتا ہے۔ ایمانی سکون کا حصول صرف اس وقت

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممکن ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے دین کے پرچم کو بلند کرنے والے عملی طور پر میدان میں آجاتے ہیں۔

بنواسرائیل کے نبی علیہ السلام نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ کھویا ہوا صندوق فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔ لیکن نبی کی بات کو بنواسرائیل نے اس وقت تک تسلیم نہ کیا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نشانی کا انہوں نے مشاہدہ نہ کرلیا۔ ایسی روش ہی قوموں کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

❁ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی﴾ میں اَلْمَلَا وہ اسم ہے جو کسی قوم یا جماعت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مراد وہ جماعت ہے جو کسی امر پر مجتمع ہو جائے تو نظروں کو ظاہری حسن و جمال اور نفوس کو ہیبت و جلال سے بھر دے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ عموماً کسی قوم کے سرداروں کے لیے آیا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: کیا آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنواسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا۔

❁ ﴿ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ میں اِذْ حرف مبنی شرطیہ۔ ابْعَثْ فعل امر۔ نُقَاتِلْ فعل مضارع جمع متکلم۔ جوابِ امر ہونے کی وجہ سے اس کے آخر میں جزم آئی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لیے کسی کو بادشاہ بنا دے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں۔

❁ ﴿قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ﴾ میں هَلْ حرفِ استفہام۔ عَسَیْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر اور یہ افعال مقاربہ میں سے ہے جو خبر کے قرب کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اِنْ شرطیہ۔ كُتِبَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ اَلَّا اصل میں اَنْ ناصبہ اور لَا نفی کا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: نبی نے کہا۔ قریب ہے کہ اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو تم قتال نہ کرو۔

❁ ﴿قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ میں نُقَاتِلَ کے آخر میں زبر اَلَّا کی وجہ سے آئی ہے حالانکہ فعل مضارع کے آخر میں پیش ہوتی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: انہوں نے (یعنی سرداروں نے) کہا، ہمارے لیے کیا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں۔

❁ ﴿وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ﴾ میں واؤ حالیہ۔ قَدْ حرفِ تحقیق۔ اُخْرِجْنَا فعل ماضی مجہول جمع متکلم۔ جملے کے معنی ہیں: حالانکہ ہم اپنے گھروں اور اپنے بچوں سے نکالے یعنی دور کر دیے گئے ہیں۔

❁ ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴾ تَوَلَّوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ اِلَّا حرفِ استثناء قَلِیْلًا مستثنیٰ۔ جملے کے معنی ہیں: جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو قلیل تعداد کے علاوہ ان میں سے باقی سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔

❁ ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللّٰه اس کا اسم اور مَلِكًا تک جملہ اس کی خبر۔ بَعَثَ کی ضمیر مستتر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور وہ اس کا فاعل طَالُوْتَ اس کا مفعول مَلِكًا حال۔ جملے کے معنی ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا دیا ہے۔

❁ ﴿قَالُوْٓا اَنّٰی یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ ﴾ میں اَنّٰی کلمہ ظرف استفہامیہ ہے۔ اَحَقُّ افعل

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفضیل کا صیغہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: انہوں نے کہا کہ اس کے لیے ہمارے اوپر بادشاہت کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ اس سے زیادہ بادشاہت کے حقدار ہم ہیں۔

﴿وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾ واؤ عاطفہ۔ لَمْ نفی جحد۔ يُؤْتَ فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب۔ لَمْ کی وجہ سے حرف علت گرا ہوا ہے۔ سَعَةً يُؤْتَ کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اس کو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔

﴿قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ اِصْطَفٰى اور زَادَ دونوں فعل ماضی سے واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں اور دونوں کی ہ ضمیر طالوت کی طرف راجع ہے اور اُن دونوں کا فاعل اُن کی ضمیر مستتر ہے۔ بَسْطَةً زَادَهُ کی تمیز (وضاحت) ہے۔ جملے کے معنی ہیں: نبی نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر چن لیا ہے اور اس کو علم وجسم میں برتری سے نوازا ہے۔

﴿ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ يُؤْتِي اور يَشَآءُ دونوں فعل مضارع واحد مذکر غائب اور جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی بادشاہت سے نواز دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے۔

﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ میں اَنْ ناصبہ۔ يَاْتِيَ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی اَلتَّابُوْتُ اس کا فاعل۔ جملے کے معنی ہیں: اور ان کے لیے اللہ کے نبی نے کہا بے شک اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہوگی کہ تمہارے پاس وہ صندوق آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت ہوگی۔

﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوسٰى وَاٰلُ هٰرُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ میں تَحْمِلُهُ کی ضمیر ہ التَّابُوْتُ کی طرف راجع ہے۔ لَاٰيَةً حرف مشبہ بالفعل اِنَّ کا اسم ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے ترکے کا بقیہ ہوگا۔ اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهٗ مِنِّيْٓ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا

”جب طالوت لشکر لے کر نکلے تو انہوں نے کہا: بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے، پس جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ مجھ سے نہیں اور جس نے نہ پیا وہ مجھ سے ہوگا، ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے چلّو بھر پی لیا تو کوئی بات نہیں۔ ان میں سے تھوڑوں کے سوا باقی سب نے پی لیا۔ طالوت اور ان کے وہ ساتھی جو اہل ایمان تھے جب وہ نہر کے پار ہوئے تو پانی پینے والوں نے کہا کہ ہم جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿249﴾ وَلَمَّا
بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ
عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى
الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿250﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ
وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ
اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ
الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿251﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا
عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿252﴾

رکھتے۔ لیکن جو اللہ سے ملاقات پر یقین رکھتے تھے انہوں نے کہا کہ کتنی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ طالوت اور ان کے ساتھی جب جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب! ہمیں صبر عطا فرما اور ہمارے قدموں کو مضبوط کر دے اور کفار کے خلاف ہماری مدد فرما۔ پس انہوں نے اللہ کے حکم سے دشمن کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہت اور حکمت سے نواز دیا اور ان کو جتنا چاہا علم عطا کر دیا۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ روکتا تو ساری زمین خراب ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل والا ہے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جو حق کے ساتھ ہم تم پر پڑھ رہے ہیں اور بے شک تم رسولوں میں سے ہو۔"

تشریح:

طالوت کی بادشاہت کی حقانیت جب ثابت ہوگئی تو وہ بنو اسرائیل میں سے قتال فی سبیل اللہ کے لیے تیار ہونے والا لشکر لے کر دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ بنو اسرائیل میں چونکہ منافقت عام تھی۔ اس لیے مخلصین کو منافقوں سے الگ کرنے کے لیے اس لشکر کو آزمائش میں سے گزارا گیا۔ لشکر میں شامل ہونے والوں کو بتایا گیا کہ راستے میں ایک نہر آئے گی اور وہاں پہنچنے تک تمہاری پیاس شدت اختیار کر جائے گی۔ جو اس میں سے پانی خوب پیئے گا وہ ہمارے ساتھ نہیں جا سکے گا اور جو نہ پیئے گا یا چلو بھر پی لے گا وہی ہمارا ساتھی رہے گا۔ اس تنبیہ کے باوجود جب طالوت کا لشکر نہر پر پہنچا تو قلیل تعداد آزمائش میں پوری اتری اور لشکر کی اکثریت نے اپنے بادشاہ سپہ سالار کی ہدایت کو ٹھکراتے ہوئے خوب جی بھر کے پانی پی لیا۔

مفسرین کے ایک قول کے مطابق طالوت کے لشکر کی تعداد اسی ہزار تھی۔ جس میں سے ۷۶ ہزار نے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کی مگر وہ کم ہونے کی بجائے زیادہ ہوگئی اور جنہوں نے اپنے سپہ سالار کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی پیاس بن پیئے یا چلو بھر سے ہی بجھا دی۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ جنگ بدر میں ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طالوت کے لشکر کی تھی۔ جب وہ نہر کو عبور کر چکا تھا۔ یعنی جالوت سے ٹکرانے والے صرف تین سو تیرہ تھے۔ لیکن قلیل تعداد والوں کا ایمان اور یقین بہت مضبوط تھا۔ جنھوں نے طالوت کی بادشاہت کے بارے میں اپنے نبی علیہ السلام کی بات نہ مانی اور اپنے مال و دولت کے حوالے سے بادشاہت کے حق دار ہونے کے دعویدار تھے۔ وہی تھے جنھوں نے نہر کے پانی کے بارے میں بھی ہدایت کو نظر انداز کر دیا اور بے حیائی سے اعلان کر دیا کہ جالوت اور اس کے لشکر سے ٹکرانے کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ منافقوں کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان نے ہمیشہ اپنے رب کی طرف دیکھا۔ انجام سے بے نیاز ہو کر بڑے سے بڑے دشمن سے ٹکرا گئے۔ اللہ تعالیٰ کا سورۃ الطلاق میں اعلان ہے:

﴿ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ﴾ (الطلاق:۳)

''جو اللہ پر توکل کرتا ہے وہ اس کا کارساز ہو جاتا ہے۔''

اہل ایمان نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں ایک دوسرے کو نہ صرف تسلی دی بلکہ حوصلہ بھی بڑھایا اور ساتھ دعا بھی کی۔ اس کو پکارا جو اپنے بندوں کی ایسے موقعوں پر نصرت فرماتا ہے۔ ایک طرف ان کا ایمان تھا کہ اہل ایمان جب اللہ کی راہ میں ڈٹ جاتے ہیں تو پھر قلت و کثرت کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ دوسری طرف ان کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اپنے رب کے پاس انہوں نے جانا ہے اور موت نے ان کو پانا ہے۔ لہٰذا اگر اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو جائے تو اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ اسی لیے انہوں نے مشکل ترین حالات میں اللہ تعالیٰ سے صبر کرنے اور دشمن کے خلاف ڈٹے رہنے اور کفار پر غالب آنے کی دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور قلیل جماعت کو کثیر جماعت پر فتح عطا فرمائی تاکہ قیامت تک اہل ایمان اسی طرح عمل کرتے رہیں۔

تفسیر القرطبی میں منقول ہے کہ داوٗد علیہ السلام اپنے سات بھائیوں کے ساتھ لڑائی کے میدان میں موجود تھے۔ چھوٹی عمر کے نوجوان ہونے کی وجہ سے جانوروں کی دیکھ بھال کیا کرتے اور بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ میں لڑائی دیکھوں۔ جب میدان جنگ کی طرف آ رہے تھے تو ایک پتھر میں سے ان کو آواز آئی:

" يَادَاوٗدُ خُذْنِي فَبِيْ تَقْتُلُ جَالُوْتَ"

''اے داوٗد! مجھے اٹھا لو۔ میرے ساتھ تم جالوت کو مارو گے۔''

تھوڑے آگے بڑھے تو ایک اور پتھر سے ایسی ہی آواز آئی۔ اور تھوڑا چلے کہ تیسرے پتھر سے بھی انہوں نے اسی طرح کے کلمات سنے۔ انہوں نے تینوں پتھر اٹھائے اور اپنے تھیلے میں ان کو ڈال لیا۔ درحقیقت داوٗد علیہ السلام فلاخن یعنی غلیل سے نشانے پر پتھر پھینکنے میں ماہر تھے۔ لڑائی کے میدان میں انہوں نے دیکھا کہ جالوت اپنے لشکر میں سے طالوت کے لشکر کی طرف آیا اور اس نے ان میں سے کسی کو مقابلہ کرنے کے لیے للکارا۔ طالوت نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کون ہے جو اس کے مقابلے میں نکلے۔ جب کوئی نہ نکلا تو طالوت نے کہا جو اس سے مقابلہ کرتے ہوئے اس کو قتل کر دے میں اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دوں گا اور حکومت و مال میں آدھا شریک بنا لوں گا۔ پھر بھی جب کوئی نہ نکلا تو داوٗد علیہ السلام نے آگے بڑھ کر کہا:

''میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ اس کو قتل کروں گا۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طالوت نے ان کو چھوٹی عمر کا لڑکا سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا اور اپنے ساتھیوں میں پہلے والا اعلان کیا۔ داؤد علیہ السلام نے پھر اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ کیونکہ اس مرتبہ بھی کوئی آگے نہ آیا۔ جب تیسری مرتبہ بھی ایسا ہوا تو طالوت نے ان کو اپنے اسلحہ سے سجایا اور اپنے گھوڑے پر بٹھایا پھر دعا دے کر مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھایا۔ داؤد علیہ السلام تھوڑا سا آگے جا کر واپس آ گئے۔ ساتھیوں نے سمجھا، لڑکا جالوت کو دیکھ کر ڈر گیا۔ لیکن انہوں نے اپنے بادشاہ طالوت سے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے میرے ہی ہاتھوں جالوت کو قتل کرانا ہے تو پھر اس اسلحہ اور گھوڑے کی ضرورت نہیں۔ غلیل اور پتھر ہی سے یہ کام کروا سکتا ہے۔ انہوں نے اسلحہ اتارا اور اپنا لباس پہنا اور ہاتھ میں غلیل لے کر جالوت کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جھولے میں ہاتھ ڈال کر آواز دینے والے تین پتھروں میں سے ایک نکالنے لگے تو دیکھا کہ تینوں جڑ کر ایک ہو گئے ہیں۔ کیونکہ تینوں کا ہدف ومقصد ایک تھا۔ جالوت سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں محفوظ ہو کر آیا تھا۔ اس کی آنکھیں اور ان کے درمیان والا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے چھوٹی عمر کے نوجوان کو ہاتھ میں غلیل لیے دیکھا تو کہنے لگا:

اے نوجوان! تو مجھ سے مقابلہ کرنے آیا ہے؟

انہوں نے کہا:

ہاں۔ اس طرح جیسے کسی کتے کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ تو میرے نزدیک کتے سے بھی کمتر ہے۔

یہ سن کر غصہ میں وہ آگے بڑھا اور کہا:

دیکھ تیرا گوشت پرندوں اور درندوں کو کھلاؤں گا۔

داؤد علیہ السلام نے پتھر کو اپنی غلیل میں رکھا۔ اس کو گھما کر جو چھوڑا تو وہ سیدھا جالوت کی آنکھوں کے درمیان والی جگہ پر لگا اور وہ زمین پر گر گیا۔ داؤد علیہ السلام نے اس کی چھاتی پر بیٹھ کر اسی کی تلوار سے اس کے سر کو تن سے جدا کر دیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی قلیل جماعت کو فتح و نصرت سے نوازا اور داؤد علیہ السلام کو نبوت وحکمت عطا کر دی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ سرکشوں اور نافرمانوں کو کمزوروں کے ہاتھوں مغلوب نہ کرتا تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل جاتا۔ آج بھی اگر دنیا کا کوئی حکمران اپنے آپ کو دنیا کا طاقتور ترین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا بھی جالوت والا انجام ہوگا۔

قرآن حکیم کو سمجھنے اور اُس کی تعلیم کے مطابق عمل کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُوْدِ﴾ میں فَلَمَّا کی فاء استیناف کی اور لَمَّا جب ماضی پر آئے (جیسا کہ یہاں فَصَلَ پر آیا ہے) تو حِیْنَ یا اِذْ کے معنی دیتا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب طالوت لشکر کے ساتھ نکلے۔
- ﴿قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ﴾ میں مُبْتَلِی اِبْتَلٰی یَبْتَلِی (باب افتعال) سے اسم فاعل ہے۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعے آزمانے والا ہے۔
- ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ مِنْهُ کی ضمیرہ نَهَر کی طرف راجع ہے۔ لَیْسَ فعل ناقص۔ جملے کے معنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں: پس جس نے اس میں سے پانی پیا وہ مجھ سے نہیں یعنی میرے طریقے پر نہ ہوگا۔

❀ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ میں واو عاطفہ۔ لَمْ نفی جحد۔ يَطْعَمْ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ ہ ضمیر نہر کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جس نے اس کو نہ پیا پس وہ مجھ سے ہے۔

❀ ﴿اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ﴾ میں اِلَّا حرفِ استثناء۔ مَنْ موصولہ۔ اِغْتَرَفَ فعل ماضی واحد مذکر غائب اور غُرْفَةً اس کا مفعول: جملے کے معنی ہیں: مگر جس نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو پانی اٹھایا یعنی پیا۔

❀ ﴿فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ﴾ میں شَرِبُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: ان میں سے قلیل تعداد کے علاوہ سب نے اس نہر میں سے پانی پی لیا۔

❀ ﴿ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ میں جَاوَزَ باب مفاعلہ سے فعل ماضی۔ ہ ضمیر اس کا مفعول نہر کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جب وہ (یعنی طالوت) اور جوان کے ساتھ تھے نہر پر سے گزر گئے۔

❀ ﴿قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ﴾ قَالُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے بادشاہ کی نافرمانی کرتے ہوئے خوب پانی پی لیا تھا۔ جملے کے معنی ہیں: انہوں نے کہا آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی بالکل طاقت نہیں ہے۔

❀ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ﴾ میں يَظُنُّوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ اگرچہ یہ لفظ عموماً ظَنٌّ کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں یقین کا معنی دے رہا ہے۔ مُلٰقُوْا اصل میں مُلَاقُوْنَ تھا۔ لفظ اللہ کا مضاف ہونے کی وجہ سے نون گری ہوئی ہے۔ جملے کے معنی یہ ہیں: امیر کی اطاعت کرنے والے ان لوگوں نے کہا جن کو یقین تھا کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں۔

❀ ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ میں كَمْ خبریہ مِنْ حرف جر۔ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ مرکب توصیفی مجرور۔ غَلَبَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب ہے اور فِئَةً كَثِيْرَةً مرکب توصیفی اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنٰی ہیں: کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

❀ ﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ میں رَبَّنَا منادیٰ ہے اور اس کا حرفِ ندا محذوف ہے۔ اَفْرِغْ، ثَبِّتْ اور اُنْصُرْ تینوں فعل امر کے صیغے ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو انہوں نے دعا میں کہا: اے ہمارے رب! صبر کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما اور ہمارے قدموں کو مضبوط کردے اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

❀ ﴿فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ﴾ هَزَمُوْا فعل ماضی۔ اِذْنِ اللّٰهِ مرکب اضافی۔ اپنے ماقبل حرفِ جر "ب" کی وجہ سے مجرور ہے۔ قَتَلَ فعل ماضی۔ دَاوٗدُ اس کا فاعل اور جَالُوْتَ اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنٰی ہیں: پس انہوں نے اللہ کے حکم سے دشمن کو شکست دی اور داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۞ ﴿وَاٰتٰـهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ﴾ میں اٰتٰا فعل ماضی ہٗ ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل۔ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ اس کا مفعول۔ جملے کے معنٰی ہیں: اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہت اور حکمت عطا فرمائی اور ان کو وہ کچھ سکھایا جو اللہ تعالیٰ چاہتا تھا۔

۞ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں دَفْعُ مصدر مضاف۔ لفظ اللّٰهِ مضاف الیہ۔ فَسَدَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ جملے کے معنی یہ ہیں: اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے بعض کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے برباد ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر فضل کرنے والا ہے۔

۞ ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ میں تِلْكَ اسم اشارہ مبتدا۔ اٰيٰتُ اللّٰهِ مشار الیہ اس کی خبر۔ نَتْلُوْ فعل مضارع جمع متکلم۔ هَا ضمیر اٰيٰتُ اللّٰهِ کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم حق کے ساتھ آپ پر پڑھتے ہیں اور بے شک آپ بھیجے گئے رسولوں میں سے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

kitabosunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿253﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾

”یہ وہ رسول ہیں جن کے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کیے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی مدد کی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جو لوگ اُن کے بعد تھے وہ دلائل کے آجانے کے بعد آپس میں لڑائی نہ کرتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا، پس ان میں سے وہ بھی ہے جو ایمان لایا اور وہ بھی ہے جس نے کفر کیا، اور اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے ایمان والو! ہم نے تمھیں جو رزق دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں کوئی خرید وفروخت نہ ہوگی، نہ پکی دوستی چلے گی اور نہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت ہی ہوگی، اور کافر ہی ظالم ہیں۔“

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات کے نظام کو جاری ساری رکھنے کے لیے ایسا قانون بنایا ہے کہ اس کی مخلوق میں درجات کے اعتبار سے کبھی برابری نہیں رہی۔ کسی کو بہت زیادہ فضل وکرم سے نوازا جاتا ہے اور کوئی اس میں سے کم حصہ پاتا ہے۔ اس کی ایک حکمت سورۃ الزخرف میں یہ بیان ہوئی:

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ﴾ (الزخرف:۳۲)

”دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو تقسیم کیا اور ان کے بعض کو بعض پر درجات بلند کیے تاکہ بعض ان کا بعض سے کام لے۔“

حکمت کی دوسری صورت سورۃ الانعام میں یوں مذکور ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ﴾

”وہی ہے جس نے تمھیں زمین کے خلیفے بنایا اور تمھارے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے بلند کیا تاکہ تمھیں اس میں آزمائے جو اس نے تمھیں دیا ہے۔“ (الانعام:۱۶۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوا کہ درجات میں کمی بیشی کا اختیار اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی پاس رکھا ہوا ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (الحدید: ۲۱) ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رشد و ہدایت کے لیے جن انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا وہ بھی اسی قانون کے تابع تھے۔ اسی پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی۔ ان میں سے وہ بھی تھے جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجات کو بلند کیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر واضح کر دیا کہ مختارِ کل صرف اللہ تعالیٰ خود ہے۔ جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ رسولوں کے بارے میں بھی یہ وضاحت کر دی گئی کہ جو کچھ بھی ان کو دیا گیا وہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہونے والا اور ان کو نبوت سے نوازنے والا اللہ ہی تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو جن معجزات سے نوازا گیا یا جبرئیل امین سے ان کی جو نصرت و تائید ہوئی وہ بھی فضل کریم ہی تھا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۵۵)

''اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور ہم نے داوٗد کو زبور عطا فرمائی۔''

موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس مصر آتے ہوئے راستے میں ایک جگہ آگ کی روشنی دیکھ کر اپنی بیوی سے کہتے ہیں: تم یہیں رکو، میں نے آگ کی روشنی دیکھی ہے شاید اس میں سے کچھ تمہارے لیے لے کر آؤں یا وہاں سے راستے کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا:

﴿ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴾ (طٰہٰ: ۱۱) ''جب وہ آگ کے پاس آئے تو ان کو پکارا گیا اے موسیٰ۔''

﴿ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴾ (طٰہٰ: ۱۲)

''بے شک میں تمہارا رب ہوں پس اپنے جوتے اتار دو۔ بلاشبہ تم مقدس وادی طوٰی میں ہو۔''

﴿ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴾ (طٰہٰ: ۱۳)

''میں نے تجھے چن لیا ہے پس جو وحی کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو۔''

﴿ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾ (طٰہٰ: ۱۴)

''بے شک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو اور مجھے یاد کرنے کے لیے نماز قائم کرو۔''

موسیٰ علیہ السلام تو آگ دیکھ کر آگ لینے گئے لیکن رب العالمین نے ان سے ہم کلام ہو کر نبوت سے نواز دیا اور ان کو حکم دیا:

﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾ (طٰہٰ: ۲۴) ''فرعون کی طرف جاؤ بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے۔''

یعنی اس کو میرا پیغام پہنچاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچایا لیکن وہ موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا۔ سرکشی اور نافرمانی میں تمام حدوں کو پامال کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے اس کی تمام طاقت سمیت غرق کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کرنا اور ان کو معجزات سے نواز کر جبرئیل کے ذریعے ان کی مدد کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی فضل و کرم تھا۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے کہا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ اَنِّیٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران:۴۹)

''بے شک میں مٹی سے تمہارے لیے پرندے کے طرح پرندہ بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے (اصلی) پرندہ بن کر اڑ جاتا ہے۔''

﴿ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران:۴۹)

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اندھے اور کوڑھے کو ٹھیک کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہوں۔''

﴿ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾

''اور جو تم کھاتے ہو اور جو تم گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ اس کے بارے میں خبر دیتا ہوں۔ بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔'' (آل عمران:۴۹)

عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کر رہا ہوں اور ان کی بھی دعوت وہی تھی جو تمام نبیوں اور رسولوں کی رہی تھی۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ سورۃ المائدۃ میں ان کی وضاحت یوں مذکور ہے:

﴿ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ﴾ (المائدۃ:۱۱۷)

''میں نے ان سے وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔''

کسی نبی علیہ السلام نے اپنی امت سے یہ نہیں کہا کہ میری عبادت کرو۔ بلکہ ہر نبی نے اپنی امت کو باطل معبودوں سے کٹ کر صرف وحدہ لاشریک ہی کو پکارنے اور اسی کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل آئے ان کی نبوت و رسالت کا تعلق کسی خاص خطہ اور خاص قوم سے رہا ہے۔ لیکن آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ﴾ (السبا:۲۸)

''اور ہم نے آپ کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔''

سورۃ الانبیاء میں آپ کی ایک ایسی صفت بیان ہوئی ہے جو آپ ہی سے خاص ہے۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

''ہم نے آپ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔''

آپ کو دیئے گئے بہت سے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ سورۃ الحجر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ (الحجر:۹)

''بے شک ہم نے ذکر نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں میں سے صرف قرآن حکیم کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنی اُس اصلی صورت میں موجود ہے جس میں اس کا نزول ہوا۔ کہیں بھی کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہی ایک الہامی کتاب ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے حفاظ کا دنیا میں شمار نہیں ہو سکتا۔ جب کہ کتب سابقہ کا دنیا میں کوئی حافظ نہیں اور کوئی بھی اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔

سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی فضیلت کے باوجود فرمایا:

((لَا تُخَيِّرُوْنِي عَلٰى مُوْسٰى)) (صحيح البخاری، كتاب الخصومات، باب ما يذكر فی الاشخاص والخصومة......حديث:۲۴۱۱، صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسىٰ عليه السلام، حديث:۲۳۷۲، ۱۶۰)

''مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔''

آپ نے امت کو یہ بھی حکم فرمایا:

((لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ)) (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسىٰ عليه السلام، حديث:۲۳۷۳، ۱۵۹)

''اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دو۔''

اس سے بڑھ کر اسلام کی عظمت کیا ہو سکتی ہے کہ اہل اسلام کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل مبعوث ہوئے وہ سب اسی طرح محترم ہیں جس طرح سید الانبیاء خود ہیں۔ سورۃ البقرۃ ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾ (البقرة:۲۸۵)

''اس پر ایمان لائے رسول جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا اور اہل ایمان بھی۔ اللہ، ملائکہ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر سب ایمان لائے اور ان کا کہنا ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم اپنے رب کی بخشش کے طلب گار ہیں اور اے ہمارے رب! تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اس مخلوق میں رسولوں کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو لڑائی جھگڑا ہوا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ نہ ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق جو ہدایت اپنی مخلوق کی طرف بھیجی نبیوں کی امتوں نے اس میں اختلاف کیا۔ خوش نصیب ہدایت یافتہ ہوئے اور بد نصیب بہک گئے اور اللہ کی طرف سے ملنے والے اختیار کو صحیح استعمال نہ کیا۔

اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دن آ جائے جس میں دنیا کی طرح نہ خرید و فروخت ہو گی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ کسی بڑے کی کسی کے بارے میں سفارش قبول ہو گی۔ یعنی دنیا کے مال کی محبت میں غرق ہونے کی بجائے آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرو۔ جو اس بات کو قبول نہیں کریں گے وہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

حل لغات:

۞ ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ میں تِلْكَ اسم اشارہ۔ الرُّسُلُ (الرَّسُول کی جمع) مشارٌ الیہ۔ فَضَّلْنَا باب تفعیل سے فعل ماضی جمع متکلم۔ بَعْضَهُمْ اس کا مفعول۔ جملے کے معنی ہیں: یہ ہیں وہ رسول جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ ﴿مِنْهُم مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾ میں مَنْ موصولہ۔ كَلَّمَ باب تفعیل سے اور رَفَعَ باب فتَحَ سے فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب اور لفظ اللّٰهُ فاعل۔ دَرَجٰتٍ (دَرَجَةٍ کی جمع) تمیز۔ جملے کے معنی ہیں: ان میں سے کسی سے تو اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے (کسی دوسری شکل میں) درجات بلند فرمائے۔

❁ ﴿وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ میں اٰتَيْنَا باب افعال سے جب کہ اَيَّدْنَا باب تفعیل سے فعل ماضی معروف صیغہ جمع متکلم۔ اَيَّدْنَاهُ کی ضمیر ہُ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ رُوحِ الْقُدُسِ سے مراد جبرئیل امین ہیں اور اپنے ماقبل حرفِ جر با کی وجہ سے مجرور ہے۔ جملے کے معنی یہ ہیں: اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات دیئے اور روح القدس کے ساتھ ان کی مدد فرمائی۔

❁ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ میں لَوْ حرفِ شرط۔ شَآءَ باب فَتَحَ سے اور اقْتَتَلَ باب اِفْتِعَال سے فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ لفظ اللّٰهُ۔ شَآءَ کا فاعل، مَا نافیہ۔ الَّذِيْنَ اسم موصول۔ جَآءَتْ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب۔ هُمْ ضمیر (منصوب متصل) مفعول اور الْبَيِّنٰتُ، جَاءَتْ کا فاعل۔ جملے کے معنی ہیں: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد تھے، وہ اپنے پاس نشانیاں آجانے کے بعد لڑائی نہ کرتے۔

❁ ﴿وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ﴾ میں اِخْتَلَفُوْا باب افتعال سے فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ اٰمَنَ اور كَفَرَ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: لیکن انہوں نے اختلاف کیا، پس ان میں کوئی ایمان لایا اور ان میں سے کسی نے کفر کیا۔

❁ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ میں لٰكِنَّ حرفِ استدراک (مشبہ بالفعل) لفظِ اللّٰه (منصوب) اس کا اسم، اِقْتَتَلُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ يَفْعَلُ اور يُرِيْدُ دونوں فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لڑائی جھگڑا نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

❁ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ میں يٰٓاَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (موصول، صلہ) منادیٰ۔ ویسے تو عموماً حرفِ ندا یَا ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب منادیٰ مذکر معرف باللہ (یعنی منادیٰ پر الف لام) ہو جیسے یہاں الَّذِيْنَ ہے یا جیسے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ میں نبی پر ہوتا ہے۔ تو حرف ندا یَا اور منادیٰ کے درمیان اَيُّهَا لایا جاتا ہے۔ اگر منادیٰ مؤنث ہو تو پھر اَيَّتُهَا استعمال کیا جاتا ہے۔ الَّذِيْنَ موصولہ۔ اٰمَنُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ اَنْفِقُوْا فعل امر جمع مذکر۔ مِنْ حرفِ جر مَا موصولہ۔ رَزَقْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ مِنْ حرفِ جر۔ قَبْلِ ظرف مجرور۔ اَنْ ناصبہ۔ يَّاْتِيَ کی یٰ پر اسی کی وجہ سے زبر آئی ہے۔ يَاْتِيْ فعل مضارع واحد مذکر غائب اور يَوْمٌ اس کا فاعل ہے۔ بَيْعٌ، خُلَّةٌ اور شَفَاعَةٌ سے پہلے تینوں لَا نفی کے ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ہم نے تمہیں جو رزق دیا اس میں سے خرچ کر و اس دن کے آنے سے پہلے جس میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی۔ نہ اس میں گہری دوستی کام آئے گی اور نہ اس میں اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شفاعت ہو سکے گی۔

❁ ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ میں اَلْكَافِرُوْنَ. اَلْكَافِر کی جمع اور الظَّالِمُوْنَ الظَّالِم کی جمع سالم ہے اور دونوں اسم فاعل ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: اور کفار ہی ظلم کرنے والے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا
تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا
شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ
(255) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۚ قَدْ تَّبَيَّنَ
الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ
وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ
(256) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ
اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (257)

''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا، قائم رکھنے والا۔ اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسی کے لیے ہے۔کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس شفاعت کرے۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے۔ وہ اس کے علم میں سے اس کی مرضی کے بغیر کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور ان دونوں کی حفاظت اس کو تھکاتی نہیں اور وہ بہت بلند، عظمت والا ہے۔ دین میں کوئی جبر و زبردستی نہیں، ہدایت اور گمراہی میں واضح تمیز ہو چکی ہے۔ جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جس نے کبھی ٹوٹنا نہیں اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے ، وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں جو ان کو ہدایت سے ہٹا کر گمراہیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

تشریح:

مستدرک حاکم (۲/ ۲۵۹ کتاب التفسیر) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورۃ البقرۃ میں ایک آیت ہے جو قرآن حکیم کی تمام آیات کی سردار ہے۔ جس گھر میں وہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ وہ آیت الکرسی ہے۔''

صحیح مسلم میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ ''قرآن حکیم میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے؟'' میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا: ''جو قرآن تجھے یاد ہے اس میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے؟'' میں نے عرض کیا: آیت الکرسی۔ آپؐ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''اے ابا منذر! اللہ تعالیٰ تیرے علم میں برکتیں نازل فرمائے۔'' (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضل سورة الكهف، و اية الكرسى، ٨١٠)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن مردویہ کی روایت ہے کہ جو ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے موت کے سوا کوئی چیز اس کو جنت میں داخل ہونے سے نہیں روک سکے گی۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور شیطان کے واقعہ میں یہ بھی منقول ہے کہ رات بستر پر لیٹتے وقت آیۃ الکرسی پڑھی جائے تو صبح تک اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے پاس نہیں آتا۔(صحیح البخاری، کتاب الفضائل القرآن ، باب فضل سورۃ البقرۃ، حدیث:۵۰۱۰)

تفاسیر میں یہ بھی مروی ہے کہ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ ،اسم اعظم ہے۔یعنی اس کے ساتھ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب کسی مردے کو زندہ ہونے کا حکم دیتے تو پہلے اللہ تعالیٰ کو یوں پکارتے "یاحیُّ یا قیوم" بلقیس کا تخت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کرنے والے نے بھی اسی کے ساتھ دعا کی۔موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو بتایا کہ اسم اعظم یہی ہے۔

آیت الکرسی کے قرآن حکیم کی تمام آیات کی سردار ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی جن صفات کو جمع فرمایا ہے، ان کا کسی اور آیت میں ایسا ذکر نہیں ہوا۔سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بارے میں یہ بھی بتا دیا کہ اس نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔زندگی اور موت کا سلسلہ اس نے اپنی مخلوق کے لیے رکھا ہوا ہے۔خود حیّ لَا یَمُوت ہے۔سورۃ فرقان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملتا ہے:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ (الفرقان:۵۸)

"آپ اس زندہ پر توکل کریں جس نے مرنا نہیں"

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ٥ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (الرحمن:۲۶،۲۷)

"جو کچھ زمین پر ہے وہ فنا ہو جائے گا اور تمہارے رب کا بزرگی اور اکرام والا چہرہ باقی رہے گا۔"(یعنی اس کی ذات باقی رہے گی۔)

اس نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ نہ صرف ہمیشہ قائم رہنے والا ہے بلکہ جو بھی اس نے کائنات میں بنایا ہے اس کو قائم دائم رکھنے والا ہے۔اسی کے قائم کردہ نظام کے تحت ہر چیز متحرک ہے۔چونکہ وہی خالق و مالک ہے اور اس کی مثل کوئی نہیں، اس لیے نہ وہ سوتا ہے اور نہ اس کو اونگھ آتی ہے۔ہمیشہ جاگتے رہنا اور اپنے نظام کی نگرانی کرنا اسی کا خاصہ ہے۔انسانوں کو کبھی احساس نہیں ہوتا کہ ان کی تقریبا آدھی زندگی سوتے ہوئے گزر جاتی ہے اور وہ جو کچھ کماتے اور بناتے ہیں دنیا ہی میں چھوڑ جاتے ہیں۔ان کی زندگی کی طرح ان کی مِلک بھی عارضی ہوتی ہے۔ان کی موت کے ساتھ ہی ان کا سرمایہ وغیرہ سب کچھ دوسروں کو منتقل ہو جاتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی مِلک میں کوئی فرق نہیں آتا۔جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس کا مالک وہی الحی القیوم ہے اور اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکتا۔قیامت کے روز سید الانبیاء بھی اسی کی اجازت سے شفاعت کریں گے۔وہ ایسا رب ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کچھ بھی اس سے مخفی نہیں۔سورۃ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (الانعام:۵۹)

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا، جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اُس کا اُسی کو علم ہے۔ اور جو بھی پتا گرتا ہے اس کے بارے میں بھی اس کو علم ہوتا ہے۔ جو بھی دانہ زمین کے اندھیروں میں تر ہو یا خشک اس کا ذکر کتاب مبین (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔''

اسی کا خاصہ ہے کہ اس کا علم کائنات کی ہر شے کو محیط ہے۔ اس کی مخلوق میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس کے علم کا احاطہ کرنے والا ہو۔ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے:

﴿ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ (المائدة:۱۱۶)

''جو میرے نفس میں ہے وہ تو جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے وہ میں نہیں جانتا۔ بے شک تو ہی غیبوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے۔''

جس کی کرسی زمین اور آسمانوں کو وسعت میں لیے ہوئے ہو اُس کی اپنی ذات کس قدر عظمتوں والی ہوگی! کرسی کی تفسیر (یا حقیقت) کے بارے میں کئی اقوال منقول ہیں مگر کتاب وسنت کے مطابق سلف صالحین کا مسلک وموقف یہ ہے اور یہی درست ہے کہ وہ فی الواقع کرسی ہے جو اُس کے عرش سے الگ ہے اور ہم اُس کی کیفیت نہیں بیان کر سکتے، کیوں کہ ہم اُس سے بے خبر ہیں۔

چونکہ قدر ومنزلت کے اعتبار سے وہ بلند وعظیم ہے، اس لیے آسمانوں اور زمین کی محافظت سے اس کو تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ انہی صفات کے بیان کی بنا پر آیۃ الکرسی کو تمام قرآنی آیات کا سردار ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو چونکہ اچھائی برائی میں تمیز کر کے اپنی آخرت کو سنوارنے یا برباد کرنے کا اختیار دے دیا ہے، اس لیے دین کے بارے میں زبردستی کرنے کی اجازت نہیں دی۔ سورۃ المائدہ میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ملا:

﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدة:۶۷)

''جو آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ آپ آگے پہنچا دیں۔''

سورۃ الغاشیہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴾ (الغاشية:۲۲) ''آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔''

سورۃ البقرہ کے الفاظ ہیں:

﴿ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴾ (البقرة:۱۱۹)

''آپ سے جہنمیوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔''

زبردستی سے روکتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ ضرور واضح کر دیا کہ جو شخص شیطان کی دعوت اور اس کی پیروی کرنے سے بچ جائے گا اور اللہ پر ایمان لے آئے گا وہ ایسے ایمانی کڑے کو تھام لے گا جس نے کبھی نہیں ٹوٹنا، جو انتہائی مضبوط اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلامتی کی ضمانت ہے۔ اس سے بڑھ کر ضمانت کیا ہوسکتی ہے کہ اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ سے دوستی ہو جاتی ہے اور جن کا دوست اللہ ہو جاتا ہے پھر ان کو گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑتا بلکہ نورِ ہدایت کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ جب کہ شیطانوں کے دوست وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں اور شیطان ان کو نورِ ہدایت سے دور کرتے ہوئے گمراہی کے اندھیروں میں دھکیلتے چلے جاتے ہیں۔ اس وقت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے جب تک ان کو جہنم کا ایندھن نہیں بنا دیتے۔ سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے وہ بھی بیان کر دیا ہے جو قیامت کے روز شیطان اپنے ماننے والوں سے کہے گا تاکہ اس کی مخلوق اس کی چالوں سے محفوظ رہے:

﴿ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ. ﴾ (ابراھیم:۲۲)

”جب معاملہ طے ہو جائے گا تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ حق یعنی سچا وعدہ کیا۔ میں نے تم سے جو وعدہ کیا، اس کو توڑ دیا۔ میرا تم پر کوئی اختیار نہ تھا۔ میں نے تم کو برائی کی دعوت دی۔ تم نے قبول کی۔ پس اب مجھے ملامت کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ملامت کرو۔“

شیطان کی دوستی کا اس سے بڑھ کر برا انجام اور کیا ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے اور شیطان کی پیروی کرنے سے محفوظ رکھے۔

حل لغات:

- ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ عربی لغت میں جب کسی کام یا بات یا کسی ذات کے بارے میں ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس سے پہلا لَا نافیہ اور بعد میں حرفِ استثناء پھر مستثنیٰ لایا جاتا ہے۔ جیسے کہ یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں واضح کیا جا رہا ہے کہ نہیں ہے معبود مگر وہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ معبود بھی ایسا جس نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ اَلْحَيُّ، اَلْمَيِّت کی ضد ہے اور اَلْقَيُّوْم، قَامَ يَقُوْمُ سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ نہ صرف وہ خود قائم رہنے والا ہے بلکہ اپنی تمام کائنات کے نظام کو قائم رکھنے والا ہے۔ اَلْحَيُّ اور اَلْقَيُّوْمُ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔
- ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ میں تَاْخُذُ فعل مضارع واحد مؤنث غائب۔ ہٗ ضمیر (اس کا مفعول) اللہ تعالیٰ کی طرف راجع۔ سِنَةٌ اور نَوْمٌ دونوں اس کے فاعل ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی۔
- ﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ دونوں مَا موصولہ ہیں اور جملے کے معنی ہیں: جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کے لیے ہے۔
- ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ میں مَنْ استفہامیہ۔ ذَا اسم اشارہ۔ اَلَّذِيْ اسم موصول۔ جملے کے معنی یہ ہیں: کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس شفاعت کرے۔
- ﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ میں اَيْدِيْهِمْ اور خَلْفَهُمْ کی ضمیریں هُمْ ان کی طرف راجع ہیں جو آسمانوں اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمین میں ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: وہ (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

❁ ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ میں يُحِيطُونَ (باب إفعال سے) فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ اس کا مصدر إحاطة ہے۔ معنی یہ ہیں: اور وہ اس کی منشا کے بغیر اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

❁ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾ میں وَسِعَ باب حَسِبَ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ كُرْسِيُّ اس کا فاعل ہے۔ كُرْسِيُّهُ کی ضمیر ہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ اس کا مفعول۔ جملے کے معنی ہیں: اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے۔

❁ ﴿وَلَا يَؤُدُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ يَؤُدُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اس کی ضمیر ہ (مفعول) بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع۔ حِفْظُهُمَا کی ضمیر هُمَا آسمانوں اور زمین کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حِفْظُ مصدر۔ الْعَلِيُّ اور الْعَظِيمُ اللہ تعالیٰ کی صفات۔ جملے کے معنی ہیں: اور ان دونوں کی حفاظت اس کو تھکاتی نہیں اور وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے۔

❁ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ میں إِكْرَاهَ، الرُّشْدُ اور الْغَيِّ تینوں مصدر ہیں۔ دین سے مراد اسلام ہے۔ جملے کے معنی ہیں: دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت اور گمراہی میں فرق ظاہر ہو چکا ہے۔

❁ ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ میں مَنْ شرطیہ اور اسی کی وجہ سے يَكْفُرْ اور يُؤْمِنْ کے آخر میں جزم آئی ہے۔ اِسْتَمْسَكَ باب استفعال سے فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ الْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ مرکب توصیفی ہے۔ اپنے ماقبل حرفِ جر باء کی وجہ سے مجرور ہے۔ اِنْفِصَامَ باب انفعال کا مصدر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا۔ جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ یہاں طاغوت سے مراد ہر وہ شخص، قوت، طاقت یا باطل معبود و شیطان ہے جو دین حق کی مخالفت میں کردار ادا کرے یا اس کا سبب بنے۔

❁ ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے کہ وہ بڑا ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کوئی زبان سے اظہار کرے یا نہ کرے وہ دلوں کی باتوں سے باخبر ہے۔

❁ ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمٰتِ﴾ میں وَلِيُّ سے مراد دوست اور مددگار ہے اور اس کی جمع أَوْلِيَآء ہے۔ يُخْرِجُهُمْ کی ضمیر هُمْ، الَّذِينَ آمَنُوا کی طرف راجع ہے۔ الظُّلُمٰت، الظُّلْمَة کی جمع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، ان کو گمراہی سے ہدایت کی طرف نکالتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کو اپنایا ان کے دوست شیطان ہیں جو ان کو ہدایت سے گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

❁ ﴿أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ﴾ میں أُولٰئِكَ اسم اشارہ مبتدا۔ أَصْحٰبُ النَّارِ مرکب اضافی خبر۔ فِي حرفِ جر۔ هَا ضمیر النّار کی طرف لوٹ رہی ہے۔ خَالِدُوْنَ، خالد کی جمع۔ جملے کے معنی ہیں: وہی لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ
اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْىٖ
وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ
الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿258﴾ اَوْ كَالَّذِىْ
مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى
عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ
مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ
قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ
بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ
فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ
يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ
وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى
الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا
لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿259﴾ وَاِذْ قَالَ
اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى
قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ
لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ
الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى

''کیا تم نے اس کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے اُس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا جب کہ اُس نے اس کو بادشاہت سے نوازا تھا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا۔ بے شک میرا رب سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو اس کو مغرب سے طلوع کر دے۔ پس وہ کافر لاجواب اور حیران ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ ناانصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا اس شخص کی طرح جس کا گزر ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔ اس شخص نے کہا: اس بستی کے یوں مرنے (یعنی تباہ ہونے) کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ (یعنی آباد) کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک سو سال مار دیا۔ پھر اس کو زندہ کیا اور اس سے پوچھا تم اس حال میں کتنا عرصہ رہے؟ اس نے کہا ایک دن یا دن کا بعض حصہ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا بلکہ تم ایک سو سال اس حال میں رہے۔ اپنے کھانے پینے کے سامان کو دیکھو وہ بالکل خراب نہیں ہوا۔ اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو، ہم ان کو کس طرح اکٹھا کرتے (تربیت دیتے) ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب اس شخص پر معاملہ واضح ہوگیا تو اس نے کہا میں جان چکا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا۔ کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿260﴾

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا تو ایمان نہیں رکھتا۔ ابراہیم نے عرض کیا کیوں نہیں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا چار پرندے لے کر ان کو اپنی طرف مانوس کر کے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ کر ان کو آواز دو۔ وہ تیری طرف بھاگتے ہوئے آئیں گے۔ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ غلبے والا حکمت والا ہے۔"

تشریح

اللہ تعالیٰ نے اپنے الحی القیوم ہونے کا ذکر آیت الکرسی میں فرمایا ہے۔ اسی لیے اس نے تین ایسے واقعات بیان فرمائے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ موت و حیات کا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ دو واقعات کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے اور تیسرے کے بارے میں نام نہیں لیا گیا۔ البتہ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ وہ عزیر علیہ السلام تھے۔

ابن جریر، ابن کثیر اور القرطبی کی تفاسیر میں منقول ہے کہ قحط سالی کے زمانے میں ابراہیم علیہ السلام اس وقت کے بادشاہ نمرود کے پاس اناج لینے گئے تو رب حقیقی کے بارے میں بحث و مباحثہ ہوگیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دلیل دی کہ میرا رب مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ یعنی موت و حیات پر قدرت رکھنے والا ہے تو اس نے کہا یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں۔ اس نے ایک پھانسی چڑھنے والے کو آزاد کرتے ہوئے کہا کہ یہ مرنے والا تھا، میں نے اس کو زندہ کر دیا اور ایک بے گناہ کو قتل کرا کر کہا کہ اس کو میں نے مار دیا۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل سورج کے بارے میں پیش کر دی کہ اگر تو واقعی رب ہے تو سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع کر کے دکھا دے۔ جس پر وہ لاجواب اور متحیر ہوگیا، لیکن کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اناج دینے سے انکار کر دیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام گھر کے قریب پہنچے تو خالی بوریوں میں ریت بھر لی اور گھر لے جا کر ایک طرف رکھ دیں۔ خود آرام سے سو گئے۔ بیوی صاحبہ نے کھانا تیار کر کے جب ان کو جگایا اور کھانا کھانے کو کہا تو پوچھا کھانا کہاں سے آیا؟ بیوی صاحبہ نے بتایا کہ جو دو بوریاں گندم کی آپ لائے تھے انہی میں سے لے کر آٹا بنایا۔ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور اپنے خلیل کی مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا قانون رہا ہے کہ مشکل گھڑی میں اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹے رب کے سامنے جھکنے اور اس کی قوت کو تسلیم کرنے سے جب انکار کر دیا تو رب حقیقی نے ریت کو ان کے گھر والوں کے لیے گندم بنا دیا اور ان کی ضرورت کو پورا کر دیا۔ نمرود بھی اپنے زمانے کا طاغوت تھا۔ لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب ایمانی قوت کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے طاغوت سے ان کو بچا لیا اور اس کو اس کے برے انجام تک پہنچا دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابراہیم علیہ السلام کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی موت و حیات پر قدرت رکھنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے بیان کو قرآن حکیم کا حصہ بنا دیا۔ ﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ لیکن علم الیقین کے ساتھ عین الیقین کے حصول کے وہ متمنی تھے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا تو اس بارے میں ایمان نہیں رکھتا تو انہوں نے عرض کیا: بالکل رکھتا ہوں لیکن مردوں کو زندہ ہوتے دیکھ کر دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں اور تیری قدرت کاملہ کا کرشمہ دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار پرندے لے کر ان کو اپنی طرف مانوس کرنے اور ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں خوب اچھی طرح ملا کر مختلف پہاڑوں پر ان پرندوں کے ملے ہوئے گوشت کے حصے بنا کر ایک ایک جزء رکھنے کو فرمایا۔ تفاسیر میں پرندوں کے بارے میں کئی اقوال ہیں کہ وہ کون کون سے تھے۔ ہمیں ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کے مطابق عمل کیا۔ ذبح کیے گئے پرندوں کا ملا ہوا گوشت پہاڑوں پر رکھ کر ان کے سر اپنے پاس رکھ لیے۔ پھر جس پرندے کو آواز دیتے اس کا گوشت اور پر مختلف پہاڑوں سے اڑتے ہوئے آپس میں مل جاتے اور سر کے علاوہ پرندہ اپنی اصل حالت میں اڑتا ہوا ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ جاتا۔ اگر وہ دوسرے پرندے کا سر اس کے سامنے کرتے تو وہ اس کو قبول نہ کرتا۔ جیسے ہی اس کو اس کا اپنا ہی سر دیا جاتا تو فوراً اس سے جڑ جاتا اور پرندہ فضا میں بلند ہو جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ البقرہ کی پرندوں والی آیت مبارکہ کو قرآن حکیم کی سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت کہا کرتے تھے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایمان والے کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو جائے تو اس پر پکڑ نہیں ہوگی۔

اس آیت مبارکہ کے ذریعے نہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کو مطمئن کیا گیا بلکہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر واضح کر دیا گیا کہ جس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے پرندوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ نے پھر سے زندہ کر دیا۔ اسی طرح قبروں میں مٹی کے ساتھ مٹی ہونے والوں یا دوسری مروجہ صورتوں میں اپنے آپ کو فنا کروانے والوں کو بھی زندہ ہو کر اپنے رب حقیقی کے سامنے پیش ہو کر اپنا حساب دینا ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام کے دو واقعات کے ساتھ تیسرا واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بنو اسرائیل کے ارمیا یا حزقیل نبی تھے۔ لیکن زیادہ مشہور یہی ہے کہ وہ عزیر علیہ السلام تھے۔ جس بستی پر ان کا گزر ہوا بخت نصر نے اسے اجاڑا تھا۔ اس تباہ شدہ بستی کو دیکھ کر جب اللہ کے بندے کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ایسی تباہی کا شکار ہونے والی بستی کو پھر اللہ کیسے آباد کرے گا؟ یہ خیال ایسا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی بندے کو سو سال مارنے کے بعد جب دوبارہ زندہ کیا تو وہ بستی آباد ہو چکی تھی۔ چونکہ بستی کی آبادکاری کا مشاہدہ اللہ کے بندے نے نہیں کیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے سامنے اس کے گدھے کی بکھری ہوئی ہڈیوں کو جمع کر کے ان پر گوشت اور کھال چڑھا کر زندہ کر دیا۔ دوسری بات اس پر واضح یہ کی گئی کہ سو سال گزرنے کے باوجود اس بندے کا کھانا اور پینا متغیر نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کے بارے میں اللہ چاہے کہ وہ اپنی حالت پر قائم رہے تو وہ قائم رہتی ہے۔ جیسا کہ کائنات کا نظام رواں دواں ہے اور جن کو مارنے کے بعد زندہ کرنا چاہے، کرے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس واقعے کا سب سے زیادہ خوبصورت پہلو یہ ہے کہ جس بندے پر پورے سو سال موت مسلط رہی، اس کو زندہ کرنے کے بعد جب اللہ نے اس سے پوچھا کہ تو کتنا عرصہ اس حال میں رہا تو اس نے کہا ایک دن یا دن کا بعض حصہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دنیا میں اپنی زندگی پوری کرنے کے بعد فوت ہو جاتے ہیں، ان کا تعلق دنیا سے ٹوٹ جاتا ہے۔ دنیاوی معاملات کے بارے میں ان کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بستی پر گزرنے والے کے ساتھ ہوا۔ جس بستی کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ آباد نہ ہوگی وہ آباد ہوگئی۔ لیکن اللہ کے اس بندے کو معلوم نہ ہوا۔ اس کو تو اتنا بھی علم نہ تھا کہ کتنی مدت تک مرا رہا۔ جو اپنے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو وہ دوسروں کا سہارا کیسے ہوسکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ نکتۂ توحید سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

❁ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ﴾ میں حَآجَّ اصل میں حَاجَجَ تھا۔ باب مفاعلۃ سے فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ اِبۡرٰهٖمَ اس کا مفعول۔ اٰتٰی بھی فعل ماضی۔ ہٗ ضمیر جھگڑا کرنے والے بادشاہ ''نمرود'' کی طرف راجع ہے۔ لفظ اَللّٰہُ اس کا فاعل اور اَلۡمُلۡکَ اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: کیا آپ نے اس کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے ان کے رب کے بارے میں اس لیے جھگڑا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت سے نوازا تھا۔

❁ ﴿اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ﴾ میں اِذۡ حرف ظرف مبنی۔ یُحۡیِیۡ، یُمِیۡتُ، اُحۡیِیۡ اور اُمِیۡتُ چاروں باب اِفعال سے فعل مضارع کے صیغے ہیں۔ پہلے دو واحد مذکر غائب اور دوسرے دو واحد متکلم کے صیغے ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

❁ ﴿قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللّٰہَ اس کا اسم اور اگلا جملہ فعلیہ اس کی خبر۔ یَاۡتِیۡ فعل مضارع واحد مذکر غائب، فَاۡتِ میں اِئۡتِ فعل امر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بے شک میرا رب سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو اس کو مغرب سے طلوع کر دے۔

❁ ﴿فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ﴾ میں بُهِتَ اور کَفَرَ دونوں فعل ماضی۔ پہلا مجہول اور دوسرا معروف ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جس نے کفر کیا پس وہ لاجواب ہوگیا۔

❁ ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ میں لفظ اَللّٰہُ مبتدا، یَهۡدِیۡ فعل مضارع واحد مذکر غائب، فاعل اسی میں پوشیدہ ہے۔ اور مرکب توصیفی اَلۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ اس کا مفعول۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔

❁ ﴿اَوۡ كَالَّذِىۡ مَرَّ عَلٰى قَرۡيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا﴾ میں قَرۡيَةٍ حرف جر عَلٰی کی وجہ سے مجرور ہے۔ واؤ حالیہ۔ عُرُوۡشِهَا کی ضمیر هَا قَرۡيَةٍ کی طرف راجع ہے اور عُرُوۡش، عریش کی جمع اور اس سے مراد چھتیں ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: یا اس (شخص) کی مثل جو ایک بستی کے پاس سے گزرا، اس حال میں کہ وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ﴾ میں اَنّٰی کلمہ ظرف استفہامیہ۔ یُحۡیٖ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل هٰذِهٖ اسم اشارہ جس کا مشارالیہ قَرۡیَةِ محذوف ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اس گزرنے والے نے کہا اس کی موت (یعنی اس کی تباہی) کے بعد اللہ اس کو زندہ (یعنی آباد) کیسے کرے گا؟

﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ﴾ مِائَةَ اسم عدد اور عَامٍ اس کی تمیز۔ جملے کے معنی ہیں: پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال مار دیا۔

﴿ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ﴾ میں لَبِثۡتَ اور لَبِثۡتُ دونوں فعل ماضی ہیں۔ پہلا واحد مذکر حاضر اور دوسرا واحد متکلم ہے اور کَمۡ استفہامیہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پھر اس کو زندہ کر کے اس سے پوچھا تم کتنی دیر اس حالت میں رہے۔ اس نے کہا ایک دن یا دن کا بعض حصہ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: بلکہ تم ایک سو سال اس حال میں رہے۔

﴿فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّهۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ﴾ اُنۡظُرۡ فعل امر حاضر لَمۡ نفی جحد یَتَسَنَّهۡ باب تفعل سے فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: پس تم اپنے کھانے پینے کے سامان کی طرف دیکھو، وہ خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو۔

﴿وَلِنَجۡعَلَکَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ﴾ لِنَجۡعَلَکَ کے شروع میں لامِ کَیۡ نَجۡعَلَ فعل مضارع جمع متکلم اور کاف ضمیر مخاطب کی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں۔

﴿وَانۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُهَا ثُمَّ نَکۡسُوۡهَا لَحۡمًا﴾ میں نُنۡشِزُ اور نَکۡسُوۡ دونوں فعل مضارع جمع متکلم کے صیغے ہیں اور دونوں کی هَا ضمیر الۡعِظَامِ کی طرف راجع ہے اور کَیۡفَ استفہامیہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور ہڈیوں کی طرف دیکھتے رہو، ہم کس طرح ان کو اکٹھا کرتے (تربیت دیتے) پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

﴿ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ میں فَلَمَّا بمعنی اِذۡ. تَبَیَّنَ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ اَعۡلَمُ فعل مضارع واحد متکلم۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور اگلا جملہ اس کی جزا۔ جملے کے معنی ہیں: جب معاملہ اس کے لیے واضح ہوگیا تو اس نے کہا میں نے جان لیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

﴿ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ﴾ میں اَوَ کا همزہ استفہامیہ اور واوَ حالیہ ہے۔ بَلٰی حرف جواب ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب تُو مردوں کو زندہ کیسے کرتا ہے (اللہ نے) فرمایا کیا تم ایمان نہیں رکھتے۔ (ابراہیم نے) کہا کیوں نہیں رکھتا (دیکھنا اس لیے چاہتا ہوں) تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔

﴿قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَیۡکَ﴾ میں خُذۡ اور صُرۡ دونوں فعل امر ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا پس تم چار پرندے لو۔ پھر ان کو اپنی طرف مانوس کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

﴿ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًا ﴾ میں اِجۡعَلۡ اور اُدۡعُ فعل امر۔ یَاۡتِیۡنَ فعل مضارع جمع مؤنث غائب۔ کاف ضمیر مخاطب کی، جملے کے معنی ہیں: پھر ہر پہاڑ پر ان پرندوں کے کٹے ہوئے ٹکڑوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان کو پکارو، وہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آ ئیں گے۔

﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ میں اِعْلَمْ فعل امر اَنَّ مشبہ بالفعل لفظ اللہ اس کا اسم۔ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اس کی خبر۔ جملے کے معنی ہیں: اور جان لو کہ بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿261﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿262﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿263﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿264﴾

"ان لوگوں (کے خرچ کرنے) کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک دانے جیسی ہے جو سات سٹے اگائے اور ہر سٹے میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے (اجر وثواب کو) کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس خرچ کیے ہوئے کے پیچھے احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے والی بات نہیں کرتے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہوگا، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہی ہوں گے۔ بھلی بات کہنا اور دعا دے دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے ساتھ تکلیف پہنچانے والی بات ہو، اور اللہ تعالیٰ بے پروا اور بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے ذریعے ضائع نہ کرو۔ اُس شخص کی مانند جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پس اس کی مثال ایک چٹان جیسی ہے جس پر مٹی جمی ہوئی ہو اور اس پر زبردست بارش برسے جو اس کو مٹی سے بالکل صاف کر دے۔ جو انہوں نے کمایا اس میں سے کسی چیز پر وہ قدرت نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔"

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت، اس کو احسان جتانے اور تکلیف کا سبب بنانے سے پاک رکھنے پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجر، بھلی بات اور دعائے خیر کے تکلیف دہ صدقہ سے بہتر ہونے اور اہل ایمان کو ایک خوبصورت مثال کے ذریعے سمجھانے کہ اپنے صدقات کو احسان جتانے اور تکلیف دہ بنانے سے ضائع نہ کرو۔ کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خود رب العالمین اور اپنی تمام مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جن کے رزق میں وہ وسعت دیتا ہے۔ وہ بھی اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے حاجت مند اور ضرورت مند مخلوق کو شریک رکھیں۔ اہل ایمان کو خاص طور پر اس نے قرآن حکیم میں اس کارِ خیر کا حکم دیا اور بار بار تلقین کی۔ سورۃ المنافقون میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴾ (المنافقون:۱۰)

”اس سے پہلے کہ تمہارے کسی کو موت آ جائے، ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرو، ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے اور وہ پھر کہے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا۔“

سورۃ البقرہ میں بات اور آگے بڑھتی ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ﴾ (البقرۃ:۲۵۴)

”اے ایمان والو! ہم نے تمہیں جو رزق دیا ہے۔ اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے خرچ کرو جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ (اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر) کوئی شفاعت ہوگی۔“

عجیب بات یہ ہے کہ رزق دینے والا خود رب العالمین ہے۔ وہ اپنی حکمت تامہ کے تحت اپنی مخلوق میں رزق تقسیم کرتا ہے۔ لیکن جن کو اس کی طرف سے زیادہ رزق مل جاتا ہے وہ اس کا شکر نہیں کرتے اور اس کا دیا ہوا رزق اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اکثریت شیطانی بہکاوے کا شکار رہتی ہے۔ لیکن اللہ والے اس کی حکمت اور اس کی چاہت کو سمجھتے ہوئے محتاجوں کو ان کا حق دیتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اناج کے دانے کی مثال بیان کی ہے۔ ایک طرف تو یہ واضح کیا گیا ہے کہ کسان تو ایک دانے کو زمین میں بو دیتا ہے لیکن اس دانے میں سے سات سٹے کون آگاتا ہے اور ہر ہر سٹے میں سو سو دانے کون لگاتا ہے۔ انسان تو یہ قدرت نہیں رکھتا۔ لہٰذا جو ایک دانے کو سات سو دانوں کا سبب بنا دیتا ہے۔ اسی رب کے دیئے ہوئے ان سات سو دانوں میں سے چند دانے اس کی راہ میں نہ دیے جائیں تو یہ انتہائی ناشکری ہوگی۔

دوسرا پہلو اس مثال کا یہ ہے کہ جب انسان اسی کے دیے ہوئے رزق سے اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور معاشرے کے مستحق افراد کی حاجت کو پورا کرتا ہے تو خرچ کرنے والے کے اجر و ثواب کو بھی وہ اسی طرح بڑھاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں اس کے حکم کے مطابق بندہ جب ایک روپیہ دیتا ہے تو وہ ایک روپیہ اجر و ثواب کے اعتبار سے سات سو روپیہ بن جاتا ہے۔ اس رحیم و کریم کا یہ بھی قانون ہے کہ خرچ کرنے والے کے مال میں کمی واقع نہیں ہونے دیتا۔ سورۃ سبا میں ارشاد ہوتا ہے:۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴾(السبا:۳۹)

''اور جو بھی تم خرچ کرتے ہو اس کے بدلے وہ تمہیں اور دیتا ہے اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے انجام سے بھی قرآن حکیم میں آگاہ کر دیا جو اس کے دیئے ہوئے مالوں کو اس کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے جمع کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾ (التوبة:۳٤)

''اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔''

عذاب کیسا ہوگا؟ اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے:

﴿ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۔ ﴾(التوبة:۳۵)

''جس دن ان کے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان سے ان کی پیشانیوں کو، ان کے پہلوؤں کو اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) کہ یہ وہ ہے جو تم اپنے لیے جمع کیا کرتے تھے۔ پس اب اس کا مزا چکھو جو تم جمع کیا کرتے تھے۔''

جو لوگ بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کے لیے بھی قرآن حکیم میں سخت وعید دی گئی ہے۔ سورۃ آل عمران کے الفاظ ہیں۔

﴿وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾(آل عمران:۱۸۰)

''اور وہ لوگ ہرگز گمان نہ کریں جو مال اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا، اس میں بخیلی کرنا ان کے لیے بہتر ہے۔ نہیں بلکہ بہت برا ہے۔ عنقریب قیامت کے روز ان کو طوق پہنائے جائیں گے، اس کے سبب جو وہ بخل کیا کرتے تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ نہیں کرتے ان کا انجام عبرت ناک ہوگا۔ جب کہ اس کی راہ میں اس کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے والوں کے اجر کو سات سو گنا بڑھایا جائے گا۔ لیکن اجر پانے والوں کے لیے شرط ہے کہ اس میں کسی قسم کی ریاکاری نہ ہو۔ جن لوگوں پر مال خرچ کیا جائے، ان پر احسان نہ جتلایا جائے۔ ان کے لیے دیئے گئے صدقہ کو تکلیف کا سبب نہ بنایا جائے۔ صدقہ دے کر ان سے خدمت نہ کرائی جائے یا بلا معاوضہ وہ کام نہ کرایا جائے جس کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ ایسے صدقہ سے تو بہتر ہے کہ محتاج انسان کو کوئی بھلی بات کہہ دی جائے یا اس کو دعا دے دی جائے۔ بوجھ بننے والا صدقہ دے کر اس کی عزت نفس کو مجروح نہ کیا جائے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین شخصوں کی طرف نہ رحمت سے دیکھے گا اور نہ بات ہی کرے گا۔ بلکہ ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک صدقہ کا مال دے کر احسان جتانے والا۔ دوسرا ٹخنوں سے کپڑا نیچے رکھنے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔" (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار والمن بالعطیة ...... حدیث:۱۰۶)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ اپنے صدقات احسان جتانے اور تکلیف دینے سے ضائع نہ کرو۔ کیونکہ جب صدقہ کرتے ہوئے نیت ٹھیک نہ ہوگی۔ اس میں صرف اللہ کی رضا مقصود نہ ہوگی۔ تو اس صدقہ کا اجر و ثواب ضائع ہو جائے گا۔ اس بات کو بھی سمجھانے کے لیے مثال دی گئی ہے کہ کوئی ایسی پہاڑی یا چٹان ہو جس پر وقت کے ساتھ مٹی کی تہ جم گئی ہو۔ پھر اس پر زبردست بارش برسے جو اس پہاڑی یا چٹان کی ساری جمی ہوئی مٹی بہا لے جائے تو وہ صاف ستھری نظر آنے لگ جائے۔ اس چٹان پر پہلے ہی کچھ اُگنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ مٹی کی تہ جمنے سے جو کسی سبزہ کے اُگنے کی امید ہو سکتی تھی۔ بارش کے برسنے اور مٹی کے صاف ہونے سے وہ بھی ختم ہوگئی۔ اسی طرح جب صدقہ کے پیچھے صدقہ کرنے والے کے کوئی ذاتی اغراض ہوں گے۔ تو وہ اغراض اس صدقہ کے ذریعے ملنے والے اجر وثواب کو برباد کر دیں گے۔

ہمارے ہاں اکثر سخاوت کا مظاہرہ کرنے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی سخاوت کا لوگوں میں چرچا ہو۔ ایسے لوگوں کو معلوم نہیں کہ قیامت کے روز ان کی سخاوت ان کے لیے وبال جان بن جائے گی۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ایسے سخی کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں یاد دلا کر پوچھے گا کہ تم نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ تیری ہر اس راہ میں تیرا دیا ہوا مال خرچ کیا جس میں تو پسند کرتا تھا۔ ارشاد ہوگا۔ تو جھوٹا ہے۔ تو چاہتا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں۔ جو تو چاہتا تھا وہ ہوگیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا اور اس کو اوندھا کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔" (صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب من قاتل للریاء و السمعة استحق النار، حدیث:۱۹۰۵)

اللہ تعالیٰ شیطان سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حل لغات:

❁ ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ میں يُنْفِقُوْنَ فعل مضارع۔ اَمْوَالَهُمْ اس کا مفعول، فِيْ حرف جر سَبِيْلِ اللّٰهِ مرکب اضافی مجرور۔ كَمَثَلِ میں کاف تشبیہ کا حَبَّةٍ سے مراد اناج کا دانا۔ جملے کے معنی ہیں: مثال ان لوگوں کی جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک دانے جیسی ہے۔

❁ ﴿اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ میں اَنْۢبَتَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب، سَبْعَ سَنَابِلَ اس کا مفعول اور سُنْۢبُلَةٍ کی جمع سَنَابِلَ ہے۔ سَبْعَ اور مِائَةُ دونوں اسم عدد ذاتی۔ سَبْعَ کی تمیز سَنَابِلَ اور مِائَةُ کی تمیز حَبَّةٍ. جملے کے معنی ہیں: جس نے سات سٹے نکالے اور ہر سٹے میں سو دانے ہوں۔

❁ ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ میں لفظ اللہ مبتدا، يُضٰعِفُ اور يَشَآءُ دونوں فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ دونوں کا فاعل انہی میں پوشیدہ ہے۔ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے، اجر وثواب کو بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ﴾ میں ثُمَّ ایسا حرفِ عطف ہے جو معطوف علیہ کے حکم میں اشتراک ترتیب اور مہلت چاہتا ہے۔ لَا نافیہ۔ يُتْبِعُوْنَ فعل مضارع مَا موصولہ اَنْفَقُوْا فعل ماضی مَنًّا اور اَذًى اس کے مفعول ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جو انہوں نے خرچ کیا اس کے پیچھے احسان جتانے یا تکلیف دینے والی بات نہیں لگاتے۔

﴿ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. ﴾ میں جتنی بھی هُمْ ضمیریں آئی ہیں وہ رضاء الٰہی کے حصول کی خاطر مال خرچ کرنے والوں کی طرف راجع ہیں۔ عِنْدَ حرف ظرف زمان و مکان ہے۔ خَوْف سے مراد انسان کی وہ کیفیت ہے جو مستقبل میں کسی مصیبت کے نزول کے ڈر سے ہوتی ہے اور حزن مصیبت کے نزول کے بعد کی کیفیت کو کہا جاتا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہوگا اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔

﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ سے مراد بھلی بات اور مَغْفِرَةٌ سے مراد بھلائی (بخشش) کی دعا کرنا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: بھلی بات اور دعا کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے تکلیف پہنچانے والی بات لگ جائے اور اللہ تعالیٰ بے پروا اور بردبار ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ﴾ میں يٰٓاَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا منادیٰ۔ لَاتُبْطِلُوْا فعل نہی، صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ میں باء حرف جر مَنِّ مجرور معطوف علیہ واو عاطفہ الْاَذٰى معطوف۔ جملے کے معنی ہیں: ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے ضائع نہ کرو۔

﴿ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ میں كَالَّذِیْ کا کاف تشبیہ کا اور الَّذِیْ موصول۔ يُنْفِقُ فعل مضارع۔ مَالَهٗ اس کا مفعول۔ رِئَاءَ النَّاسِ مفعول لہ۔ يُؤْمِنُ بھی فعل مضارع جملے کے معنی ہیں: اس (شخص) کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے، اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

﴿ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ﴾ صَفْوَانٍ سے مراد چٹیل چٹان اور وَابِلٌ سے مراد شدید بارش ہے۔ فَاَصَابَهٗ اور فَتَرَكَهٗ میں اَصَابَ اور تَرَكَ دونوں فعل ماضی واحد مذکر غائب اور ہ ضمیریں صَفْوَان کی طرف راجع ہیں۔ صَلْدًا سے مراد صاف ستھری چٹان یا پہاڑ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پس اس کی مثال ایک چٹان جیسی ہے جس پر مٹی پڑی ہوئی ہو اور اس پر شدید بارش برسے اور اس کو صاف ستھری چٹان بنا دے۔ یعنی مٹی سے صاف کر دے۔

﴿ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ. ﴾ میں لَا نافیہ۔ يَقْدِرُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب عَلٰى حرف جر شَيْءٍ مجرور مِنْ حرف جر مَا موصولہ۔ كَسَبُوْا فعل ماضی۔ يَهْدِيْ فعل مضارع اور الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ اس کا مفعول: جملے کے معنی ہیں: وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے اس میں سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿265﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿266﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿267﴾

”اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب اور اپنے دلوں میں یقین رکھتے ہوئے خرچ کرتے ہیں، ایسے باغ جیسی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو جس پر کھل کر بارش برسے تو اپنا پھل دوگنا دے اور اگر اس پر بارش نہ برسے تو اس کے لیے شبنم ہی کافی ہو اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھنے والا ہے۔کیا تم میں سے کوئی ایک یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک ایسا باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور اس کے لیے اس میں سے ہر قسم کا پھل ہو اور اس کو بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کی اولاد چھوٹی عمر کی ہو۔ پس اس باغ پر ایسی زبردست آندھی آئے جس میں آگ ہو جو اس باغ کو جلا ڈالے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ اے ایمان والو! جو تم نے پاک چیزیں کمائیں ان میں سے خرچ کرو اور اُس میں (بھی) سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکال۔ ان میں سے بری چیز کو خرچ کرنے کا قصد نہ کرو کیونکہ تم خود اس کو لینے والے نہیں ہو مگر یہ کہ تم اس سے آنکھیں بند کر لو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے پروا، تعریف والا ہے۔“

تشریح

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اپنے بندوں کی وہ آزمائش کرتا رہتا ہے۔ مال داروں کی آزمائش مال کے ذریعے ہوتی ہے۔ مال دے کر وہ دیکھتا ہے کہ اس کا دیا ہوا مال کس طرح اور کس نیت کے تحت خرچ ہوتا ہے۔ اگر خرچ کرنے والا لوگوں پر احسان جتائے یا ان کے لیے تکلیف کا سبب بن جائے تو اللہ کے ہاں نہ صرف وہ اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اس کا انجام عبرتناک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چٹیل چٹان کی مثال کے ذریعہ اس کی وضاحت فرما دی۔ انسان کا عجیب معاملہ یہ رہا ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور مال سے نوازتا ہے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم سمجھنے کی بجائے اپنی ہی محنت ومشقت اور ذہانت وفطانت کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اسی بہکاوے سے اس کے اعمال دنیا میں برباد ہو جاتے ہیں اور آخرت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ سورۂ تغابن میں اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کے بارے میں فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ ﴾(التغابن:۱۵)
''بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔''

سورۃ الکہف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾(الکہف:۷)
''جو کچھ زمین کے اوپر ہے، ہم نے اس کے لیے زینت بنایا ہے تاکہ ان کو (انسانوں) کو آزمائیں کہ ان میں سے زیادہ اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟''

سورۃ الانعام میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾(الانعام:۱۶۵)
''وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفے (ایک دوسرے کے جانشین) بنایا اور تمہارے ایک دوسرے پر درجات کو بلند فرمایا تاکہ تمہیں اس میں آزمائے جو اس نے تمہیں دیا، بے شک رب تمہارا جلدی سزا دینے والا ہے، اور وہ بہت بخشنے رحم کرنے والا ہے۔''

سورۃ الفجر میں انسان کی کمزوری کی بھی اللہ تعالیٰ نے نشان دہی کر دی:

﴿ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴾(الفجر:۱۵)
''انسان کا رب جب اس کی آزمائش کرتا ہے تو اس کو عزت ونعمت سے نوازتا ہے پھر انسان کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی۔''

﴿ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴾(الفجر:۱۶)
''اور اس کا رب جب اس کو آزماتا ہے تو اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے، پھر وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔''

یعنی وہ اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو اپنی ناکامی کا سبب سمجھنے اور جاننے کی بجائے آنے والی تنگی کی نسبت اپنے رب کی طرف کر دیتا ہے۔ سب سے پہلے ایسی سوچ کو شیطان نے اپنایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے سجدہ نہ کر کے مردود لعین بن گیا، سورۃ الشوریٰ میں اعلان ہوتا ہے:

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۔ ﴾(الشوریٰ:۳۰)
''اور جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے، وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے، (یعنی تمہاری اپنی ہی کسی غلطی کا نتیجہ ہوتا ہے۔) اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے''

جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے، ان کی سوچیں بھی اچھی نہیں ہوتیں۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والے ہیں، ان کا ہر کام اپنے خالق و مالک کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نمود و ریاکاری یا کسی کو تکلیف پہنچانے یا احسان جتانے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ اللہ سے اجر و ثواب پانے اور اس کو خوش کرنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ ان کی مثال اللہ تعالیٰ نے ایسے باغ سے دی ہے جو کسی اونچی جگہ پر ہوتا ہے، جب اس پر زور دار بارش برسے تو دوگنا پھل دے۔ بارش نہ بھی برسے تو شبنم ہی سے پھل دار ہو جائے۔ یعنی اللہ کی رضا کی خاطر خرچ کرنے والے کو ہر حال میں اجر و ثواب ملتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ایک ایسے شخص کے ضائع ہونے والے عمل کی مثال دی گئی ہے جس کی ابتدا تو اچھی تھی۔ لیکن انتہا تک پہنچنے سے پہلے ہی خرابی واقع ہوگئی۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس آیت ﴿اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ﴾ کے بارے میں پوچھا کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا۔ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: صاف کہو یا تم جانتے ہو کہ نہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: امیر المومنین! میرے دل میں ایک بات ہے۔ انہوں نے کہا: بھتیجے وہ بیان کردو اور اپنے نفس کو حقیر نہ جانو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ایک عمل کی مثال ہے۔ انہوں نے پوچھا کون سے عمل کی؟ عرض کیا: ایک مال دار شخص کے عمل کی جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے کام کیا کرتا تھا۔ پھر شیطان نے اس کو بہکایا اور وہ گناہوں والے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ یوں اس نے اپنے نیک اعمال ضائع کر دیئے۔" (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ ﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ...... ﴾ حدیث: ٤٥٣٨)

مثال میں واضح کیا گیا ہے کہ عمر کے آخری حصے میں اعمال کا ضائع ہو جانا نہ صرف اس کے لیے بربادی کا سبب ہوتا ہے بلکہ اس کی اولاد کی ہلاکت کا بھی ذریعہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کی اولاد ہی اس کا صدقہ جاریہ بننے والی ہوتی ہے۔ شیطان کے بہکاوے میں آ کر نیکی کی راہ سے ہٹ کر برائی کو اپنانا اور اپنے ساتھ اپنی اولاد کی ہلاکت کا سبب بننا کسی طرح سے بھی درست نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یہ ایسی مثال بیان کی ہے جس پر مسلمان کو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

یہاں انفاق فی سبیل اللہ کی بات ہو رہی ہے، اس لیے خرچ کرنے والے اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے تمہیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ جو کچھ دے رہے ہو وہ پاک ہو اور حلال پاکیزہ مال سے خریدا ہوا ہونا چاہیے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک قبول کرتا ہے۔ اس نے مومنوں کو اسی کا حکم دیا جس کا رسولوں علیہم الاسلام کو دیا۔" (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقة، من الکسب الطیب و تربیتها، حدیث: ١٠١٥)

﴿ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا. ﴾ (المومنون: ٥١)

(اے رسولو! پاک کھاؤ اور نیک عمل کرو۔) اہل ایمان سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ﴾ (البقرۃ: ١٧٢)

"اس پاک رزق سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور اپنے نیک بندوں کو حکم دیا کہ وہ پاک کھائیں تو ناپاک کھلانے کی اجازت کیسے ہوسکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مزید وضاحت یوں فرمائی کہ ''کوئی شخص دور دراز کا لمبا سفر طے کرتے ہوئے آتا ہے۔ گرد و غبار اس پر پڑا ہوتا ہے اور آسمان کی طرف لمبے لمبے ہاتھ کر کے وہ پکارتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! آپ نے فرمایا: حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے اور اس کی پرورش بھی حرام سے ہوئی ہوتی ہے۔ اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟'' ایسے شخص کی جب دعا قبول نہیں ہوتی تو اللہ کی راہ میں کوئی ناقص یا بری چیز قبول کیسے ہوگی؟ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَایُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔)) (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب من الایمان ان یحب لأخیہ مایحب لنفسہ، حدیث:۱۳)

''تمہارا کوئی ایک اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔''

لہٰذا کسی بھی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ اللہ کی راہ میں وہ مال دے جو خود لینا پسند نہ کرے۔ ہاں اگر کہیں مجبور ہو جائے تو آنکھیں بند کر کے لے لے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ ایسے صدقہ سے بے نیاز ہے۔

حل لغات:

- ﴿ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ ﴾ میں یُنفِقُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ اَمْوَالَھُمْ اس کا مفعول۔ اِبْتِغَآءَ: اِبْتَغٰی یَبْتَغِی (باب افتعال) سے مصدر ہے۔ مَرْضَاتِ: رَضِیَ یَرْضٰی سے مصدر۔ تَثْبِیْتًا بھی ثَبَّتَ یُثَبِّتُ سے مصدر۔ جملے کے معنی ہیں: اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب اور اپنے دلوں میں یقین رکھتے ہوئے خرچ کرتے ہیں۔
- ﴿ کَمَثَلِ جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ ﴾: میں جَنَّۃِ سے مراد باغ اور رَبْوَۃِ سے مراد اونچی جگہ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو۔
- ﴿اَصَابَھَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُکُلَھَا ضِعْفَیْنِ﴾ میں اَصَابَ فعل ماضی واحد مذکر غائب اس کی ھَا ضمیر رَبْوَۃِ کی طرف راجع ہے۔ وَابِلٌ سے مراد کھل کر برسنے والی بارش اس کا فاعل ہے۔ فَاٰتَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ اُکُلَھَا اس کا مفعول ہے۔ ضِعْفَیْنِ سے مراد دوگنا، جملے کے معنی ہیں: اس پر شدید بارش برسے اور وہ اپنا پھل دوگنا دے۔
- ﴿فَاِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ﴾ میں فَ حرف عطف اِنْ شرطیہ۔ لَمْ نفی جحد۔ یُصِبْھَا میں یُصِبْ اصل میں یُصِیْبُ تھا۔ لَمْ کی وجہ حرف علت ''ی'' گر گئی اور آخر میں جزم آ گئی۔ طَلٌّ سے مراد بہت ہی ہلکی بارش یا شبنم، جملے کے معنی ہیں: اگر اس پر شدید بارش نہ برسے تو اس کے لیے شبنم ہی کافی ہوتی ہے۔
- ﴿وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ میں بصیر اللہ تعالیٰ کی ایسی دائمی صفت ہے جسے صفت مشبہ کہا جاتا ہے۔ جملے کے معنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے: اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھنے والا ہے۔

﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ یَوَدُّ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ اَحَدُكُمْ اس کا فاعل۔ اَنْ ناصبہ اسی کی وجہ سے تَكُوْنَ کے آخر میں نو بر آئی ہے۔ نَخِیْلٍ سے مراد کھجور اور اَعْنَابٍ سے مراد انگور اور یہ عِنَبٌ کی جمع ہے۔ تَجْرِیْ بھی فعل مضارع لیکن واحد مؤنث غائب اور اَلْاَنْهَارُ اس کا فاعل ہے۔ جملے کے معنی ہیں: کیا ایک تمہارا پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ اس کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں۔

﴿وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ﴾ میں اَصَابَهُ کی ضمیرہُ اَحَدُكُمْ کی طرف راجع ہے۔ اَلْكِبَرُ اَصَابَ کا فاعل ہے۔ لَهٗ کی ضمیر ہٗ بھی اسی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ (مرکب توصیفی) سے مراد چھوٹی عمر کی اولاد ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اس کو بڑھاپا پہنچ جائے یعنی وہ بوڑھا ہو جائے اور اس کی کم عمر اولاد ہو۔

﴿فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ﴾ میں اِعْصَارٌ سے مراد تیز و تند ہوا اور یہ اَصَابَ کا فاعل اور اس کی ھا ضمیر جَنَّةٌ کی طرف راجع ہے۔ فَاحْتَرَقَتْ میں اِحْتَرَقَتْ باب افتعال سے فعل ماضی واحد مؤنث غائب جملے کے معنی ہیں: پس اس باغ پر ایسی تیز و تند ہوا چلے جس میں آگ ہو، جو اس کو جلا دے۔

﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ میں كَذٰلِكَ کا کاف تشبیہ کا اور ذٰلِكَ اسم اشارہ۔ یُبَیِّنُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل۔ تَتَفَكَّرُوْنَ بھی فعل مضارع لیکن جمع مذکر حاضر۔ جملے کے معنی ہیں: اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ میں یٰاَیُّهَا حرف ندا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا منادی۔ اَنْفِقُوْا فعل امر۔ كَسَبْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر اور اس سے پہلے مَا موصولہ۔ مِمَّا اصل میں مِنْ مَا ہے۔ جس میں مِنْ حرف جر اور مَا موصولہ۔ اَخْرَجْنَا فعل ماضی جمع متکلم۔ جملے کے معنی ہیں: اے وہ لوگو جو ایمان لائے! تم ان پاک چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائیں اور ان میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین میں سے نکالیں۔

﴿وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ﴾ میں واؤ حالیہ۔ لَاتَیَمَّمُوْا فعل نہی اَلْخَبِیْثَ اس کا مفعول تُنْفِقُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ لَسْتُمْ فعل ناقصہ جمع مذکر حاضر۔ یہ فعل مضمون جملہ کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بِاٰخِذِیْهِ میں باء حرفِ جر اور ہ ضمیر اَلْخَبِیْثَ کی طرف راجع ہے۔ اٰخِذِیْ اصل میں اٰخِذِیْنَ تھا۔ اضافت کی وجہ سے نون گری ہوئی ہے اور یہ اس کی جری حالت ہے۔ اِلَّا حرف استثناء۔ اَنْ ناصبہ۔ تُغْمِضُوْا کی نون اسی کی وجہ سے گر گئی ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور بری چیز کا قصد نہ کرو اس میں سے جو تم خرچ کرتے ہو اس حال میں تم خود اس کو لینے والے نہیں ہو۔ مگر یہ کہ تم اس سے آنکھیں بند کر لو۔

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ ﴾ لفظ اللّٰهَ اَنَّ کا اسم اور غَنِیٌّ حَمِیْدٌ اس کی خبر بعد خبر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور جان لو، بے شک اللہ تعالیٰ بے پروا اور تعریف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿268﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿269﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۚ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿270﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿271﴾

''شیطان تمھیں فقر سے ڈراتا ہے اور تمھیں فحاشی اپنانے کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنے پاس سے بخشش وفضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے حکمت سے نواز دیتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی، وہ یقیناً بہت بڑی بھلائی سے نوازا گیا، اور عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ جو بھی تم خرچ کرتے یا نذر مانتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے، اور اگر تم انھیں چھپاؤ اور فقراء کو (ظاہر کیے بغیر) دے دو تو وہ تمھارے لیے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ تم سے تمھاری خطاؤں کو دور کرے گا، اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

تشریح:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے اور اس کے مشن سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو زیادہ سے زیادہ جہنم میں پہنچانے کے لیے کوشاں رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے جب کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگتا ہے تو خرچ کرنے والے کے دل میں وہ وسوسے ڈالتا ہے کہ اگر تو نے محنت و مشقت سے حاصل ہونے والا مال اللہ کے نام پر خرچ کر دیا تو تیرے مال میں کمی واقع ہو جائے گی اور فقیری تیرے قریب آ جائے گی۔ وعدہ کا لفظ جب خیر کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس میں بشارت شامل ہوتی ہے اور جب برائی کے لیے لایا جائے تو اس کے معنی ڈرانا دھمکانا اور خوف زدہ کرنا کے ہوتے ہیں۔ شیطان نہ صرف انفاق فی سبیل اللہ سے ڈراتا اور روکتا ہے بلکہ فحاشی کو انسانوں کے لیے مزین کرتا ہے اور ان کو فحاشی کی طرف لگا کر حق سے دور کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ پر ایمان داری سے غور کیا جائے تو ایسے معلوم ہوگا کہ یہ موجودہ دور کے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ مال دار مسلمانوں کی اکثریت شیطان کی زد میں آئی ہوئی ہے اور فحاشی بڑی تیزی سے ہمارے ہاں پھیل رہی ہے۔ طاغوتی طاقتوں نے مختلف کھیل تماشوں کے ذریعے نئی نسل کو گمراہ کر دیا ہے۔ اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس بخشش اور فضل کا وعدہ کیا ہوا ہے اس کی طرف بہت ہی کم توجہ دی جا رہی ہے۔ جامع الترمذی میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’ابن آدم پر ایک وقت میں شیطان کو وسوسے ڈالنے کا موقع ہوتا ہے اور ایک وقت میں اللہ کے فرشتے کو راہنمائی مہیا کرنے کا موقع ہوتا ہے۔ جب شیطان کو موقع ملتا ہے تو وہ شر اور تکذیب حق کی طرف لگاتا ہے۔ جب کہ فرشتہ ابن آدم کو بھلائی اور تصدیق حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جس کے دل میں بھلی بات آئے اور وہ حق کی طرف رغبت پائے تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنی چاہیے جو شیطانی وسوسہ پائے تو اس کو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کہنا چاہیے۔‘‘

پھر آپ نے سورۃ البقرہ کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔ سورۃ المومنون میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم ملتا ہے۔

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴾(المومنون:۹۷)

’’اور آپ کہیں اے میرے رب! میں تیرے ساتھ شیطانوں کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں۔‘‘

﴿ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴾

’’اور اے میرے رب! تیرے ساتھ ہی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (شیطان) میرے پاس آئیں۔‘‘

سورۃ الاعراف میں یہ اعلان بھی آپ سے کروا دیا۔

﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ﴾(الاعراف:۲۸)

’’آپ کہہ دیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فحاشی کا حکم نہیں دیتا۔‘‘

بلکہ وہ اس سے منع کرتا ہے۔

سورۃ النمل میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾(النمل:۹۰)

’’اور وہ فحاشی، منکرات اور زیادتی کرنے سے روکتا ہے۔‘‘

جب کہ شیطان مال داروں کو فحاشی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے جس سے ایمانی دولت سے محروم ہو کر وہ جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔

سورۃ الجمعۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾(الجمعۃ:۲)

’’وہی ہے جس نے ان پڑھوں (یعنی عرب) میں ایک رسول ان ہی میں سے مبعوث فرمایا جو انہیں اس کی یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات سناتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔‘‘

یہاں واضح کیا گیا ہے کہ ان پڑھوں کی گمراہی کتاب وحکمت کے ذریعہ دور کی گئی۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم اور حکمت سے مراد اس کی تعلیم کو اس انداز میں پیش کرنا ہے جس سے سننے والوں کے دلوں میں ہر برائی سے نفرت اور ہر اچھائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے محبت پیدا ہو جائے۔ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل عرب میں اسلام سے پہلے ہر قسم کی برائی اپنے عروج پر تھی۔ شیطان نے ان کو ہدایت سے بہت دور کر دیا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ دعوت و تبلیغ نے ایسا انقلاب برپا کیا کہ وہی اہل عرب دنیا کے لیے اخلاقیات کا بہترین نمونہ بن گئے۔ دنیا ان کی نظروں میں ہیچ ہوگئی اور آخرت کو سنوارنا ان کی زندگیوں کا مقصد وحید بن گیا۔

سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ. ﴾ (لقمان:۱۲)

''اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی (اور حکم دیا) کہ اللہ کا شکر کرو اور جو شکر کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے شکر کرتا ہے (یعنی اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے) اور جو ناشکری کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے پروا اور تعریف کیا گیا ہے۔''

جس حکمت سے اللہ تعالیٰ نے لقمان حکیم کو نوازا تھا، اس کی تعلیم جب وہ اپنے بیٹے کو دیتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اس لیے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ خالق و مالک ہونے کے ناطے جو اس کی قدرت ہے، اس میں کوئی شریک نہیں۔ اس بات کی وضاحت انہوں نے یوں کی کہ اگر رائی کا دانہ پہاڑ کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو لے آئے گا۔ حکمت کے حصول کے لیے جن اعمال کو اپنانا ضروری ہوتا ہے، ان کا اور پھر ان میں سے بہت بنیادی کاموں کا ذکر کر دیا کہ نماز قائم کر، اچھائی کا حکم دے، برائی سے منع کر، ایسا کرنے میں تکلیف کا سامنا ہو جائے تو اس پر صبر کر۔ لوگوں کے لیے اپنے گال نہ پھلا۔ نہ زمین میں اکڑ کر چل کیونکہ یہ تکبر و غرور کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ متکبر و مغرور اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ۔ اس لیے کہ بری آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔ یہ وہ حکمت کی باتیں تھیں جو لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو بتائیں۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ خود حکیم ہے اس لیے وہ جس کو چاہتا ہے حکمت سے نواز دیتا ہے اور جسے وہ حکمت سے نوازتا ہے وہ یقیناً بہت بڑی بھلائی دیا جاتا ہے۔ اس کی سوچ فکر اپنے رب کے تابع ہوجاتی ہے۔ زندگی میں پیش آنے والی مشکلات پر قابو پانا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے بلند کردار اور اعلیٰ گفتار کی بنا پر لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح کر دیا کہ عقل والے ہی ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔ عام لوگوں کی سمجھ میں ایسی باتیں ذرا کم ہی آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ خرچ کرنے والے جو بھی خرچ کرتے ہیں یا نذر ماننے والے جو بھی نذر مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا علم ہوتا ہے۔ وہ تو نیتوں کو جاننے والا ہے۔ لہٰذا جس نیت سے صدقہ کیا جاتا ہے، اسی کے مطابق اس پر اجر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا جاتا ہے۔ نیک مقصد کے لیے جب مال کی ضرورت زیادہ ہو تو اس وقت دوسرے لوگوں کو صدقہ کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے صدقہ کے مال کو ظاہر کرنا اچھی بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا اور جب کسی کی عزت نفس کو بچانا مقصود ہو تو پھر پوشیدہ طور پر دینا بہتر ہوتا ہے۔ ویسے پوشیدہ دینا عموماً دینے والے کے لیے فائدہ بخش ہوتا ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کی تو وہ ہلنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ رکھ دیئے۔ جس سے اس کا ہلنا موقوف ہو گیا۔ پہاڑوں کی وجہ سے زمین کے ساکن ہونے پر فرشتوں کو بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے بارگاہِ الٰہ میں عرض کیا:

اے اللہ! تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی زیادہ کوئی چیز زبردست ہے؟ ارشاد ہوا:

ہاں، لوہا

فرشتوں نے عرض کیا: کیا لوہے سے زبردست چیز بھی ہے؟ فرمایا: ہاں، آگ۔

فرشتوں نے عرض کیا: آگ سے بھی کوئی زبردست چیز؟

ارشاد ہوا:

ہاں، پانی

فرشتوں نے پھر عرض کیا: پانی سے بھی زیادہ زبردست کوئی چیز ہے؟

ارشاد ہوا:

ہاں، جب ابن آدم دائیں ہاتھ سے صدقہ کرے اور بائیں کو پتہ نہ چلے۔

نیک نیتی کے ساتھ جو بھی صدقہ کیا جاتا ہے، وہ گناہوں کی بخشش کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ مشکلات و مصائب میں آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ انسانی معاشرے میں مقبولیت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اگر رفاہ عامہ کے کاموں میں لگایا جائے تو مرنے کے بعد بھی اس کا اجر ملتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسوں سے ہمیں محفوظ رکھے اور اس حکمت سے ہمیں نواز دے جو اس نے اپنے خاص بندوں کو عطا فرمائی ہے۔

حل لغات:

❁ ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ میں يَعِدُ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب۔ اصل میں يَوْعِدُ تھا۔ حرف علت واؤ مضارع کی علامتِ مفتوح اور عین مکسور کے درمیان ہونے کی وجہ سے حذف ہو گئی۔ باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے فا کلمے میں واؤ ہو تو اس کو مثال واوی کہا جاتا ہے۔ اَلشَّيْطَانُ اس کا فاعل اور اَلْفَقْرَ اس کا مفعول ہے۔ يَاْمُرُ بھی فعل مضارع اور با حرف جر، اَلْفَحْشَآءِ مجرور۔ اَلْفَحْشَآءِ سے مراد وہ تمام کام اور باتیں ہیں جو انسانی اخلاق کی بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور فحاشی اپنانے کا حکم دیتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ میں لفظ اللّٰهُ مبتدا اور آگے جملہ فعلیہ (یَعِدُ...... فَضْلًا) اس کی خبر ہے۔ مَغْفِرَةً اور فَضْلًا (معطوف علیہ، معطوف) مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ مَغْفِرَةً سے مراد دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرتے ہوئے گناہوں کو بخشنا اور فَضْلًا سے مراد دنیا میں رزق سے نوازنا اور آخرت میں نعمتوں سے مالا مال کرنا ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تمہارے ساتھ بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے۔

﴿ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ میں يُؤْتِي اور يَشَآءُ دونوں فعل مضارع اور اَلْحِكْمَةَ يُؤْتِي کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: وہ (اللہ تعالیٰ) جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق حکمت سے مراد قرآن حکیم کی آیات کی معرفت یعنی ان کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ اور تقدیم و تاخیر کا علم ہے۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد دین کی سمجھ ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ ((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) ''اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ سے نواز دیتا ہے۔''

﴿ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ میں مَنْ موصولہ۔ يُؤْتَ فعل مضارع مجہول۔ اُوْتِيَ فعل مضارع مجہول خَيْرًا كَثِيْرًا مرکب توصیفی۔ جملے کے معنی ہیں: اور جسے حکمت عطا کی گئی بے شک وہ بہت زیادہ بھلائی دیا گیا۔

﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ مَا نافیہ۔ اِلَّا حرف استثناء اَلْاَلْبَابِ. لُبٌّ کی جمع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر عقل والے یعنی عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ﴾ میں اَنْفَقْتُمْ (باب افعال) اور نَذَرْتُمْ (ن۔ض) دونوں فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ نَفَقَةٍ اور نَذْرٍ دونوں مصدر مجرور۔ يَعْلَمُهٗ میں يَعْلَمُ فعل مضارع اور ہٗ ضمیر مفعول کے لیے ہے، مَا کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور جو بھی تم خرچ کرتے ہو، یا نذر مانتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ میں ظَالِمِيْنَ ظالم کی جمع اور اس پر لام حرفِ جر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔

﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ میں دونوں جگہ اِنْ شرطیہ ہے۔ تُبْدُوْا، تُخْفُوْا اور تُؤْتُوْا تینوں فعل مضارع جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں اور ان کی وجہ سے ان تینوں کے نون گرے ہوئے ہیں۔ تُخْفُوْهَا اور تُؤْتُوْهَا دونوں کی ضمیر هَا الصدقات کی طرف راجع ہے۔ فَنِعِمَّا سے مراد نِعْمَ شَيْءٌ هِيَ ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر وہ پوشیدہ رکھو اور وہ فقراء کو دے دو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

﴿ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ يُكَفِّرُ (باب تفعیل سے) فعل مضارع اور سَيِّاٰتِكُمْ جمع سالم مؤنث اس کا مفعول، واؤ استینافیہ یعنی یہاں سے نیا جملہ شروع ہو رہا ہے۔ لفظ اللّٰه مبتدا خَبِيْرٌ صفت مشبہ اس کی خبر۔ جملے کے معنی ہیں: اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری خطائیں دور کر دے گا اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿272﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿273﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿274﴾

ان کو ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور جو بھی مال تم خرچ کرتے ہو اس کا فائدہ بھی تم کو پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے ہی تم خرچ کرتے ہو۔ اور جو بھی خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ان فقراء کے لیے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے، وہ ملک میں چل پھر نہیں سکتے، سوال نہ کرنے کی بنا پر جاہل ان کو غنی سمجھتا ہے۔ آپ ان کو چہرے کی علامت سے پہچان لیں گے۔ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے اور جو بھی تم خرچ کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے مال دن رات پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کرتے ہیں، پس ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہوگا اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہی ہوں گے۔

تشریح:

تفسیر قرطبی میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے کہ مسلمان ذمی فقراء پر صدقہ کیا کرتے تھے۔ لیکن جب مسلمان فقراء کی کثرت ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَتَصَدَّقُوْا اِلَّا عَلٰى اَهْلِ دِيْنِكُمْ۔)) تم اپنے دین والوں ہی کو صدقہ کا مال دیا کرو۔ تو یہ آیت نازل ہوگئی۔ ((لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ)) النقاش کی روایت کے مطابق آپ کے پاس صدقہ کا مال آیا اور ایک یہودی نے اس میں سے کچھ لینے کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: ((لَيْسَ لَكَ مِنْ صَدَقَةِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْءٌ۔)) مسلمانوں کے صدقہ میں سے تیرا کوئی حصہ نہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی نیز ابن کثیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ جب انہوں نے اس بارے آپ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب خود دے دیا۔ اصل میں اس رویہ کے پیچھے ایک مقصد ہوتا تھا کہ صدقہ کی طلب میں غیر مسلم شاید اسلام قبول کر لیں۔ بخیلی یا مال نہ خرچ کرنے والی کوئی بات نہ تھی۔ صرف ایک اچھی سوچ تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں خود ہی گواہی دے دی کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب میں خرچ کرتے ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن رب العالمین کو اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ سوچ پسند نہ آئی اور اس نے سید الانبیاء پر واضح کر دیا کہ غیر مسلموں کو ہدایت سے نوازنا آپ کی ذمہ داری نہیں۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ سورۃ البقرۃ ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡئَلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ﴾ (البقرة:۱۱۹)

''ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور آپ سے جہنمیوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا۔''

بلکہ بات اس سے بھی آگے بڑھتی ہے۔ سورۃ القصص میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ﴾ (القصص:۵٦)

''بے شک آپ جس کو پسند کریں کہ ہدایت پر لگا دیں۔ یہ نہیں ہوسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔''

یوں اہل اسلام کو اپنے ملک میں بسنے والے غیر مسلموں کو صدقہ کا مال دینے کا جواز پیدا کر دیا گیا اور اہل اسلام کو بتا دیا گیا کہ تم جو بھی اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے خرچ کرو گے۔ اس کا فائدہ تمہیں ہوگا اور نہ صرف اس کا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہوگا۔ یعنی بات تمہاری نیتوں کی ہے کہ کس جذبے اور کس نیت سے تم مال خرچ کر رہے ہو۔ رہی بات کہ تمہارا صدقہ کس کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ اس کی تم کو کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنۡظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمۡ وَاَمۡوَالِکُمۡ، وَلٰکِنۡ یَّنۡظُرُ اِلٰی قُلُوۡبِکُمۡ وَاَعۡمَالِکُمۡ۔))

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔'' (صحیح المسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم...... حدیث:٢٥٦٤)

صحیح مسلم ہی کی روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' ایک آدمی نے کہا۔ رات میں صدقہ کروں گا۔ وہ صدقہ کا مال لے کر نکلا تو ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے آیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں چرچا ہوا۔ رات ایک زانیہ کو صدقہ کا مال دیا گیا۔ اس آدمی نے کہا۔ اَللّٰهُمَّ لَکَ الۡحَمۡدُ۔ اے اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ صدقہ کا مال زانیہ کو چلا گیا۔ اس نے پھر عزم کیا کہ وہ ضرور صدقہ کرے گا۔ صدقہ دینے جو نکلا تو اپنا صدقہ ایک غنی کے ہاتھ میں دے آیا۔ صبح ہوئی تو پھر لوگوں میں باتیں ہوئیں کہ صدقہ کا مال ایک مال دار کو دے دیا گیا۔ اس نے اللہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ میں ضرور صدقہ کروں گا۔ صدقہ کا مال لے کر گیا تو وہ ایک چور کو دے آیا۔ صبح لوگوں میں پھر سے چرچا ہوا کہ ایک چور کو صدقہ دے دیا گیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے بارگاہ الٰہ میں عرض کیا۔ میں نے صدقہ کرنا چاہا لیکن صدقہ زانیہ، غنی اور چور کو پہنچ گیا۔ رات اسے خواب میں بتایا گیا کہ تیرا صدقہ قبول ہوگیا۔ ہوسکتا ہے کہ تیرے صدقہ کے مال کی وجہ سے زانیہ زنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بچ گئی ہو۔ مال دار غنی کی غیرت نے جوش مارا ہو اور وہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرنے پر آمادہ ہو گیا ہو اور چور مال ملنے پر چوری کرنے سے باز آ گیا ہو۔'' (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ثبوت أجر المتصدق ، و ان وقعت...... حدیث:۱۰۲۲)

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے والے کو اجر ملتا ہے اگرچہ وہ ایسے شخص تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کو وہ پسند نہیں کرتا یا وہ اس کے دین پر نہیں ہوتا۔لیکن اس معاشرے کا حصہ ہوتا ہے کہ جس میں وہ خود رہتا ہے۔ زکوۃ کے مصارف میں بھی ایک مصرف تالیف قلوب اسی مقصد کے لیے رکھا گیا ہے تاکہ غیر مسلموں کے دلوں میں حسن سلوک اور صدقات کے ذریعے اسلام کی محبت پیدا کی جائے۔سورۃ الدھر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں ابرار کی صفات میں سے ایک صفت یہ بیان ہوئی:

﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴾ (الدھر:۸)

''اور وہ اپنے رب کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ جو قیدی ہوگا وہ غیر مسلم یا مجرم ہوگا۔ جب قرآن حکیم نازل ہوا۔ اس وقت قیدی غیر مسلم ہی ہوا کرتے تھے۔مسلمانوں کے قید ہونے کا کوئی تصور نہ تھا۔سورۃ الممتحنۃ میں مزید وضاحت ہوتی ہے:

﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ﴾ (الممتحنۃ:۸)

''اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے سے نہیں روکتا کہ جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے قتال نہ کیا ہو اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہو۔''

اسلامی ملکوں میں رہنے والی غیر مسلم اقلیت کے بارے میں اس سے بہتر اور تعلیم کیا ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں جہاں اسلام پہنچا تو وہاں کے رہنے والے خوش دلی کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے۔ آج بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین والا کردار و گفتار اپنایا جائے اور قرآن حکیم کا پیغام اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے مطابق غیر مسلموں تک پہنچایا جائے تو حیرت انگیز نتیجہ سامنے آئے گا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان کرنے کے ساتھ ان لوگوں کا بھی خیال رکھنے کی تلقین کی گئی ہے جو اس کے دین کی خاطر گھر سے بے گھر ہو جاتے ہیں اور زمین میں گھوم پھر کر کمائی کرنے کی ان میں استطاعت نہیں ہوتی۔ ان کا رکھ رکھاؤ بھی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ان کے مال کی حقیقت سے بے خبر لوگ ان کو غنی سمجھتے ہیں اور ان کی عزت بھی کسی سے چمٹ کر سوال کرنا گوارا نہیں کرتی۔ یوں وہ تنگدستی کا شکار ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ ان کی مسکینی اور غربت کی علامت ان کے چہروں پر ہوتی ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسکین وہ نہیں کہ جس کو ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیں۔ ایک یا دو لقمے لے کر وہ چلا جائے۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو سوال کرنے سے بچتا ہے۔ آپ نے فرمایا: چاہو تو پڑھ لو۔ ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّاسَ اِلْحَافًا﴾۔ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اصل میں مسکین وہ ہوتا ہے کہ جس کی آمدنی اتنی نہ ہو کہ اس کے گھر کا خرچ پورا ہوسکے۔ یعنی جس کی آمدنی بہت ہی کم ہو۔ فقیر تو مانگ کر گزارا کر لیتا ہے۔ جب کہ اس کی سفید پوشی اور حیا ایسا کرنے سے روک لیتی ہے اور فاقہ کشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہاں چمٹ کر مانگنے والوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہو رہا ہے۔ ضرورت مند کے لیے سوال کرنے کی اجازت شریعت تو دیتی ہے لیکن عادۃً ایسا کرنے والے کی مذمت کرتی ہے۔'' (صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب قوله تعالیٰ ﴿لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾، حدیث:١٤٧٦، ٤٥٣٩، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب المسکین الذی لایجد غنی، ولا یفطن له فیتصدق علیه، حدیث:١٠٣٩)

صحیح مسلم ہی کی دو روایتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مال بڑھانے کے لیے مانگا، یعنی لوگوں سے سوال کیا۔ وہ لوگوں سے آگ کا انگارہ طلب کرتا ہے۔ چاہے زیادہ لے یا کم لے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراهة المسألة للناس، حدیث:١٠٤١)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں سے مانگنے والے کا مانگنا، ایک علامت کی صورت میں اس کے ساتھ ہوگا کہ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراهة المسألة للناس، حدیث:١٠٤٠)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام محنت مزدوری کی رغبت دلاتا ہے۔ رزق حلال کی برکات سے آگاہ کرتا ہے۔ مسلمان حکمرانوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے ملک میں پیشہ ورانہ گداگری کا خاتمہ کر کے لوگوں میں نیک کمائی کرنے کا جذبہ پیدا کریں اور نیک کمائی کے ان کے لیے مواقع مہیا کریں۔ جو کمائی کرنے کے قابل نہ ہوں۔ ان کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے جو ان کی کفالت کریں یا حکومت خود اس کا بندوبست کرے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو پھر سے یقین دلایا گیا کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہوگا اور قیامت کے روز ان پر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں کر دے۔

حلِّ لغات:

❀ ﴿لَیْسَ عَلَیْکَ هُدٰهُمْ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ میں لَیْسَ فعل ناقص اصل میں لَیِسَ تھا جو کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے لَیْسَ ہوگیا اور ماضی کے سوا اس سے کوئی فعل نہیں آتا اور جملہ کے مضمون کی نفی کے لیے لایا جاتا ہے۔ لٰكِنَّ حرف مشبہ بالفعل اپنے سابقہ جملہ کے مضمون کے بارے میں وہم کو دور کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ یَهْدِیْ اور یَشَآءُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: ان کو ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ ہدایت سے نواز دیتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❀ ﴿وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنفُسِكُمْ﴾ میں مَا شرطیہ۔ اسی کی وجہ سے تُنفِقُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر کی نون گری ہوئی ہے۔ خَیْرِ اپنے مَا قبل مِنْ حرفِ جر کی وجہ سے مجرور ہے اور خَیْرٍ سے مراد مال ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو۔ اس کا فائدہ بھی تم کو ہوگا۔

❀ ﴿وَمَا تُنفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ﴾ میں مَا نافیہ۔ اِلَّا حرف استثناء۔ تُنفِقُوْنَ فعل مضارع۔ اَبْتِغَآءَ مفعول لہ مصدر جملے کے معنی ہیں: اور نہیں تم خرچ کرتے ہو مگر اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے۔ یعنی اللہ کی رضا کو پانے کے لیے تم مال خرچ کرتے ہو۔

❀ ﴿وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ میں یُوَفَّ فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب اور تُظْلَمُوْنَ فعل مضارع مجہول جمع مذکر حاضر۔ جملے کے معنی ہیں: اور جو بھی تم خرچ کرتے ہو اس کا اجر تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا۔

❀ ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ﴾ میں اُحْصِرُوْا فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب۔ یَسْتَطِیْعُوْنَ فعل مضارع۔ ضَرْبًا. ضَرَبَ یَضْرِبُ سے مصدر۔ جملے کے معنی ہیں: ان فقراء کے لیے جو اللہ کی راہ میں روکے جاتے ہیں۔ کمائی کے لیے زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔

❀ ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ میں یَحْسَبُ فعل مضارع۔ هُمْ ضمیر اس کا مفعول اول فقراء کی طرف لوٹ رہی ہے اور اَغْنِیَآءَ مفعول ثانی ہے۔ اَلْجَاهِلُ اس کا فاعل۔ التَّعَفُّفِ مصدر اپنے مَاقبل مِنْ کا مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: سوال نہ کرنے کی بنا کر جاہل ان کو غنی خیال کرتے ہیں۔

❀ ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ میں تَعْرِفُ فعل مضارع۔ هُمْ ضمیر فقراء کی طرف راجع ہے۔ سِیْمَا سے مراد نشانی یا علامت یَسْئَلُوْنَ فعل مضارع۔ النَّاسَ اس کا مفعول۔ اِلْحَافاً حال۔ جملے کے معنی ہیں: آپ ان کو ان کے چہرے کی علامت سے پہچان لیں گے۔ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔

❀ ﴿وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللّٰه اس کا اسم اور بِهٖ عَلِیْمٌ۔ اس کی خبر۔ جملے کے معنی ہیں: اور جو بھی تم خرچ کرتے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

❀ ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ میں اَلَّذِیْنَ اَلَّذِیْ کی جمع اسم موصول۔ یُنْفِقُوْنَ فعل مضارع اَمْوَالَهُمْ اس کا مفعول۔ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً حال۔ جملے کے معنی ہیں: وہ لوگ جو اپنے مال دن رات پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔

❀ ﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ ان کے رب کے پاس ان کے لیے اجر ہوگا اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا
كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ
الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ
مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ
الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ
مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿275﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ
يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ
كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿276﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا
الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوسکیں گے مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔ ایسا اس لیے ہوگا کہ انھوں نے کہا کہ تجارت سود ہی کی مثل ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارتی لین دین کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے پس جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آجائے پھر وہ رک جائے پس اس کے لیے وہی ہے جو ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہوگا اور جو پھر بھی سود کھائیں پس وہی لوگ جہنمی ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور انھوں نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، اور ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔''

تشریح:

عربوں میں معمول تھا کہ جب کسی کو مدت مقررہ تک قرض دیا جاتا تو اس پر نفع وصول کیا جاتا۔ اگر مقررہ مدت پر بھی قرض ادا نہ ہو پاتا تو نفع مزید بڑھا دیا جاتا اور اس کو ربوٰا کا نام دیا جاتا۔ یوں سرمایہ دار اپنی سرمایہ داری سے گھر بیٹھے ہوئے اپنے مال کو بڑھاتے رہتے اور ان کے چنگل میں پھنسنے والے تباہ و برباد ہوتے رہتے۔

اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور اس کے اجر و ثواب کا ذکر کرنے کے بعد سود خوروں کی مذمت فرماتے ہوئے ان کے عبرتناک انجام سے بھی آگاہ کر دیا کہ جب ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو وہ ٹھیک طرح سے کھڑے بھی نہ ہوسکیں گے ایسے معلوم ہوگا کہ شیطان نے ان کو خبطی اور جنونی بنا دیا ہے۔ مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ جن کے پیٹ مکانوں کی طرح بڑے بڑے تھے اور ان میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے جب جبرائیل امین سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے کہا:

((هٰٓؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا))

''یہ سود کھانے والے ہیں۔''

صحیح بخاری (ص:۱۰۴۴) کی مطول حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التعبیر میں سمرۃ بن جندب سے نقل کیا ہے کہ ایک رات خواب میں آپ نے جو کچھ دیکھا، اس میں یہ بھی تھا کہ

''ایک خونی نہر کے درمیان ایک شخص تھا جو تیرتا ہوا کنارے کی طرف آیا۔ وہاں ایک ایسا آدمی کھڑا تھا جس نے اپنے پاس بہت سے پتھر جمع کر رکھے تھے۔ جیسے ہی وہ کنارے کے قریب پہنچا کنارے پر کھڑے آدمی نے اس کے منہ پر پتھر مارا جس سے وہ پھر سے نہر کے درمیان پہنچ گیا۔ وہ دوبارہ تیرتا ہوا آیا اور کنارے والے نے پتھر مار کر اسے پھر سے درمیان میں پہنچا دیا۔ یونہی یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپؐ کے پوچھنے پر آپ کو بتایا گیا کہ وہ (جس کو پتھر پڑ رہے تھے) سود کھانے والا تھا۔''

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهٗ))

''سود کے ستر درجے ہیں ان میں سے ہلکے سے ہلکا ماں سے نکاح کرنا ہے۔''

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبَا وَ مُوْكِلَهٗ وَ كَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ۔))

''سود کھانے والے پر، اس کو کھلانے والے پر، اس کو لکھنے والے پر، اور اس پر دو گواہی دینے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔ یعنی گناہگار ہونے میں سب ایک ہی جیسے ہیں۔''

سوچنے اور سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سودی لین دین کی اتنی مذمت کیوں کی اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بارے میں اپنی امت کو سختی سے کیوں روکا؟ حالانکہ لینے اور دینے والے کی باہمی رضا مندی ہی سے یہ لین دین ہوتا ہے۔ کوئی فریق کسی فریق پر سختی نہیں کرتا۔ ایک ضرورت مند کسی مال دار یا بنک سے طے شدہ نفع پر روپیہ لیکر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے۔ مال لینے والا جب فائدہ اٹھاتا ہے تو مال دینے والا کیوں نہ اس میں سے حصہ لے؟ یہی بات اسلام کی مخالفت کرنے والے کہا کرتے تھے اور آج بھی مسلمان ہونے کے دعوے دار سود کا روبار کرنے والے کہتے ہیں۔

بنک والوں کا کہنا ہے کہ ہم روپیہ بیچتے ہیں اور روپیہ خریدتے ہیں۔

اس کاروبار کی اسلام اس لیے اجازت نہیں دیتا کہ اس میں انسانی ہمدردی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ سودی قرض لینے والا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ڈوب جائے، تباہ و برباد ہو جائے لیکن دینے والا اپنی رقم یا اس کے عوض اس کو جو کچھ بھی مل جائے لے لیتا ہے اور سودی روپیہ لینے والے ادارے یا افراد عموماً اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں جس سے قرضے کا بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے اور انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک کاروبار چلتا ہے، قرضے کا ماہانہ نفع ادا کرنا مشکل نہیں ہوتا لیکن جیسے ہی کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، نفع دیتے دیتے اصل سرمایہ ختم ہو جاتا ہے لیکن قرض قائم رہتا ہے بلکہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ سودی لین دین کا آغاز لینے والے کے لیے پرکشش ہوتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ جان لیوا پھندا بن جاتا ہے۔ حکومت پاکستان اور پاکستان کی انڈسٹری سودی لین دین کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کے عین مطابق نتیجہ سامنے آ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ علیم و حکیم نے جو فرمایا وہی حق اور سچ ہے۔

اسلام چونکہ پیارا اور محبت والا دین ہے اپنے بھائیوں سے ہمدردی کرنے کی تعلیم دیتا ہے ان کا مال ہضم کرنے کی بجائے ان کو زیادہ سے زیادہ کھلانے کی تلقین کرتا ہے۔ انصارِ مدینہ نے ہجرت کرنے والے اپنے اپنے بھائیوں کو اپنے مالوں میں شریک بنایا۔ ان کے لیے ایثار و قربانی کا مجسمہ بنا گئے۔ مال جمع کرنے کی خواہش کو انھوں نے کچل دیا۔ اپنے رب کی محبت کو ہر محبت پر غالب کر دیا۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اسلامی تعلیم کے مطابق جب کسی قرض پر ماہانہ یا سالانہ نفع مقرر کر لیا جائے تو وہ سود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اناج کی ایک ہی قسم میں بڑھوتی مقرر کر لی جائے تو وہ سود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اناج کی ایک ہی قسم میں بڑھوتی مقرر کرنا۔ یعنی سو بوری گندم دے کر مقررہ مدت کے بعد ایک سو دس وصول کرنا، سود ہی کی صورتیں ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ برنی کھجوریں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا: یہ کہاں سے لائے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: ہمارے پاس کچھ ردی کھجوریں تھیں، میں نے ان کے دو صاع دے کر ایک صاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے لیے خریدا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ تو صریحاً سود ہے۔ آئندہ ایسا مت کرنا جب تو اچھی کھجوریں خریدنا چاہے تو اپنی ردی کھجوروں کو پہلے بیچ دے اور ان سے جو قیمت ملے، اس سے اچھی کھجوریں خرید لے۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان کو واپس کرو، یہ سود ہے۔ اپنی کھجوریں فروخت کرو، پھر ان کی قیمت سے ہمارے لیے خریدو۔''

صحیح مسلم ہی میں نعمان بن بشیر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''حلال اور حرام واضح ہیں۔ ان دونوں کے درمیان شبہ والی چیزیں ہیں جن کو لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔ جو مشتبہات سے بچ گیا، اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچا لی اور جو مشتبہات کا شکار ہو گیا وہ حرام کا مرتکب ہو گیا۔ جس طرح ایک چرواہا ایک چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو لے جاتا ہے قریب ہے کہ کوئی اس چراگاہ میں داخل ہو جائے۔ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیزیں اور باتیں ہیں۔"

سنن الدارمی میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قرآن حکیم میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سود کے بارے میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے چلے گئے اور آپ نے ہمارے لیے اس کی پوری تفسیر ارشاد فرمائی۔ پس سود اور شک میں ڈالنے والی باتیں چھوڑ دو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اسی کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔ وہ تو اتنے محتاط تھے کہ جس کو قرض دیتے تو اس کا کوئی تحفہ تک قبول نہ کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں مدینہ آیا اور میری ملاقات عبد اللہ بن سلام سے ہوئی۔ انھوں نے کہا تو ایسی زمین میں رہتا ہے جہاں بہت زیادہ سودی لین دین ہوتا ہے۔ جب تیرا کسی آدمی پر حق ہو اور وہ تیری طرف بھوسے، یا جو، یا گھاس کا اونٹ پر لائے جانے والے بوجھ کے برابر تحفہ بھیجے تو نہ لینا۔ اس لیے کہ وہ سود ہوگا۔

آج اس کی پرواہ کون کرتا ہے۔ بلکہ پاکستان کا بچہ بچہ سودی قرضے میں مقروض ہے۔ سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگوں پر ایک ایسا زمانہ ضرور آئے گا کہ ہر شخص سود کھائے گا۔ اگر نہیں کھائے گا تو اس کا غبار یا دھواں اس کو ضرور پہنچے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ مال داروں کی اکثریت شیطانی خبط میں مبتلا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ قرآنی نصیحت کے باوجود جو باز نہ آئے وہ جہنم کا ایندھن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ اللہ کی راہ میں دیے گئے صدقات کو وہ بڑھاتا ہے اور سود کو مٹاتا تھا۔ یعنی سودی مال اللہ تعالیٰ کی برکتوں سے عاری ہو جاتا ہے اور وہ تباہی اور بربادی کا سبب بنتا ہے۔ تباہی اور بربادی بھی صرف مالی طور پر نہیں ہوتی بلکہ سودی لین دین کرنے والا اخلاقی اور دینی قدروں سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور رحمت بھی نصیب نہیں ہوتی۔ جب کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے، اس کے حکم کے مطابق نیک عملوں میں لگنے والے۔ نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے نہ صرف اپنے رب سے اجر و ثواب پائیں گے۔ بلکہ قیامت کے روز جب ہر طرف رَبِّ نَفْسِیْ کی پکار ہوگی۔ ہر نفس اپنے بارے میں فکر مند ہوگا۔ اس آزمائش کی گھڑی میں ہر قسم کے خوف و حزن سے محفوظ ہوں گے۔

اللہ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن حکیم کی تعلیم سمجھنے اور سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حلّ لغات:

❁ ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ میں اَلَّذِيْنَ اسم موصول اَلَّذِيْ کی جمع۔ يَاْكُلُوْنَ اور يَقُوْمُوْنَ دونوں فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ يَقُوْمُ اور يَتَخَبَّطُ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ ہٗ ضمیر يَتَخَبَّطُ کی مفعول اور الشَّيْطٰنُ اس کا فاعل۔ الرِّبٰوا باب نصر ینصر سے ناقص واوی۔ ربا یربو سے مصدر ہے۔ لغوی طور پر اس کا معنی زیادہ ہونا یا بڑھنا ہے۔ شرعی طور پر اس سے مراد سود میں حاصل ہونے والا مال

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے۔ جملے کے معنی ہیں: جو لوگ سودی مال کھاتے ہیں، نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس شخص کی طرح جو ایسے کھڑا ہوتا ہے جیسے شیطان نے اس کو چوکا لگا کر خبطی بنا دیا ہو۔

- ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ میں ذٰلِکَ اسم اشارہ۔بِ حرف جر۔اَنَّ مشبہ بفعل۔ھُمْ ضمیر اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ کی طرف راجع ہے۔قَالُوْا فعل ماضی۔اِنَّمَا کلمہ حصر۔اَلْبَیْعُ سے مراد تجارتی لین دین ہے۔ جملے کے معنی ہیں: یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بے شک تجارتی لین دین بھی سود کی مثل ہے۔
- ﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ میں واؤ حالیہ۔اَحَلَّ اور حَرَّمَ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔لفظ اَللّٰہُ فاعل اور اَلْبَیْعَ اور الرِّبٰوا دونوں مفعول۔ جملے کے معنی ہیں: حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔
- ﴿ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔جَآءَ فعل ماضی۔ہٗ ضمیر مفعول۔مَوْعِظَۃٌ (بمعنی وَعْظٌ) فاعل۔ فَانْتَھٰی فعل ماضی واحد مذکر غائب جملے کے معنی ہیں: پس جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ باز آ گیا۔
- ﴿ فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ میں سَلَفَ فعل ماضی۔ اَمْرُہٗ میں امر مصدر۔ جملے کے معنی ہیں: پس اس کے لیے وہی ہے جو ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف یعنی اس (اللہ تعالیٰ) کے ہاتھ میں ہوگا۔
- ﴿ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ میں عَادَ باب نصر سے فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔اَصْحَابُ النَّارِ مرکب اضافی۔ جملے کے معنی ہیں: اور جو لوٹا (یعنی اس نے پھر سودی معاملہ کیا) پس وہی لوگ جہنمی ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔
- ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴾ میں یَمْحَقُ ، یُرْبِیْ، یُحِبُّ تینوں فعل مضارع واحد مذکر غائب۔لفظ اَللّٰہُ فاعل ہے۔اَلرِّبٰوا. الصَّدَقَاتِ اور کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ مفعول واقع ہوئے ہیں۔کَفَّارٍ مبالغے کا صیغہ موصوف اور اَثِیْمٍ صفت۔موصوف اور صفت مل کر کُلَّ مضاف کا مضاف الیہ وہ مل کر مرکب اضافی کی صورت میں یُحِبُّ کا مفعول بن گئے۔ جملے کے معنی ہیں :اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گناہگار کو دوست نہیں رکھتا۔
- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ میں اٰمَنُوْا ، عَمِلُوْا، اَقَامُوْا اور اٰتَوُا چاروں فعل ماضی جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں۔اَلصّٰلِحٰتِ ،الصَّلٰوۃَ اور الزَّکٰوۃَ مفعول ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور انھوں نے نماز قائم کی اور انھوں نے زکوٰۃ ادا کی، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَذَرُوا مَا
بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿278﴾
فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَ
رَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ
أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَ لَا تُظْلَمُونَ ﴿279﴾
وَ إِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن
تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿280﴾
وَٱتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى ٱللَّهِ ۖ ثُمَّ
تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ ﴿281﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم اہل ایمان ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو تو پھر تمہاری اصل رقم تم کو مل جائے گی، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو (ادائیگی میں) آسانی تک مہلت ملنی چاہیے اور اگر تم (سارا قرض) صدقہ کر دو (یعنی مقروض کو معاف کر دو) تو تمہارے لیے یہ بہتر ہوگا، اگر تم جانو۔ اور اس دن سے ڈر جاؤ جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر نفس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا ہوگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

تشریح:

سود کھانے کے انجام سے آگاہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم فرمایا کہ اگر انہوں نے ماضی میں کسی سے سودی لین دین کر رکھا ہے اور سودی رقم ابھی وصول کرنی تھی تو سود کی صورت میں ملنے والی رقم کو چھوڑ دیا جائے۔ ماضی میں جہالت کی بنا پر جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ لیکن اب اہل ایمان کو زیب نہیں دیتا کہ سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد بھی سودی لین دین جاری رکھیں۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ سمجھ لے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والا ہے۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ثقیف کے قبیلہ بنو عمرو اور بنو مخزوم کے قبیلہ بنو مغیرہ کے درمیان سودی کاروبار ہوا کرتا تھا۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد بنو عمرو نے بنو مغیرہ سے جب معمول کے مطابق سود طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ اب سود ادا نہیں کریں گے۔ جب جھگڑے نے طول پکڑا اور مکہ کے حاکم حضرت عتاب بن اُسید تک بات پہنچی تو انہوں نے اس معاملے کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اس کو لکھوا کر حاکم مکہ کے پاس بھیج دیا۔ جب سود طلب کرنے والوں کو حکم ربانی کا علم ہوا تو انہوں نے سارا سود چھوڑ دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ اس لیے راضی ہوا کہ وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا انہوں نے حق ادا کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قیامت کے روز سود خور سے کہا جائے گا: خُذْ سِلَاحَكَ لِلْحَرْبِ۔ ''اپنا اسلحہ تھام اور لڑنے کے لیے تیار ہو جا۔'' ان سے یہ بھی مروی ہے کہ جو سودی کاروبار پر قائم رہتا ہے تو مسلمانوں کے حاکم پر حق ہے کہ اس سے توبہ کروائے۔ اگر وہ توبہ نہیں کرتا اور سودی کاروبار پر اڑا رہتا ہے تو اس کی گردن

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماردی جائے۔قتادہ سے مروی ہے: أَوْعَدَ اللّٰهُ أَهْلَ الرِّبَا بِالْقَتْلِ فَجَعَلَهُمْ بَهْرَجًا أَيْنَمَا ثُقِفُوْا.۔ "(اللہ تعالیٰ نے سودی کاروبار کرنے والوں کو قتل کی وعید سنائی اور جہاں بھی وہ پائے جائیں، ان کے قتل کو مباح قرار دیا۔) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔

تفسیر القرطبی میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ''اے ابوعبداللہ! میں نے ایک آدمی کو شراب کے نشے میں لڑکھڑاتے اس طرح دیکھا کہ وہ چاند کو پکڑنا چاہتا ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ کسی آدمی کے پیٹ میں شراب سے بڑھ کر بری چیز داخل ہو تو میری بیوی کو طلاق ہو جائے۔'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تم ابھی جاؤ، میں اس مسئلے میں غور و فکر کروں گا۔''

وہ شخص اگلے دن پھر آ گیا۔امام صاحب نے اس سے پھر وہی بات کہی۔اس سے اگلے دن وہ پھر آ گیا تو امام صاحب نے فرمایا:

''تیری بیوی کو طلاق ہو گئی۔ کیونکہ میں نے قرآن اور سنت کو خوب دیکھا اور مجھے (شراب سے بڑھ کر سود نظر آیا ہے۔البتہ)سود سے بڑھ کر انتہائی بری چیز اور کوئی نظر نہیں آئی۔''

" لِاَنَّ اللّٰهَ اَذِنَ فِيْهِ بِالْحَرْبِ"

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں لڑائی کا اعلان کیا ہے۔

الدارقطنی میں عبداللہ بن حنظلة رضی اللہ عنہ غسیل الملائکه سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سود کا ایک درہم چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سودی کاروبار سے باز نہ آنے والوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاہلیت کے تمام سودوں کو میں ختم کرتا ہوں، تمہیں تمہاری طرف سے دی گئی اصل رقم واپس ملے گی۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ نہ تم ظلم کرو نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سود ختم کرتا ہے۔''

یعنی انہوں نے جو رقمیں سود کے حصول کے لیے لوگوں کو دے رکھی ہیں، ان پر ان کو کوئی سود نہیں ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب آپس میں سودی کاروبار کرتے تھے۔اسی لیے ان کا کہنا تھا کہ سودی لین دین میں اور تجارتی خرید و فروخت میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کام ایک ہی جیسے ہیں (کہا جاتا ہے کہ) یہاں اس سود کا ذکر نہیں ہوا جو غریبوں اور مسکینوں کو قرض دے کر وصول کیا جاتا ہے۔بلکہ اسی سودی لین دین کی بات ہوئی ہے جو آج بھی ہمارے ہاں رائج ہے اور آج بھی وہی بات کہی جاتی ہے جو اہل عرب کہا کرتے تھے۔یعنی یہ بھی ایک تجارت

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی کی شکل ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ آپ ﷺ نے سود کھانے کو ظلم سے تعبیر فرمایا اور آپ نے وہی بات کہی جو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمائی۔

آج بینک جس طرح اپنا قرض وصول کرتے ہیں، اسی طرح زمانہ جاہلیت میں وصول کیا جاتا تھا۔ اگر مقروض کے پاس دینے کو کچھ نہ ہوتا تو اس کو اپنا آپ فروخت کر کے غلامی قبول کرنی پڑتی تھی۔ پاکستان ایک ملک کی حیثیت میں ان اداروں کا غلام بن چکا ہے جن کا یہ مقروض ہے۔ غلام کو وہی کچھ کرنا ہوتا ہے جو اس کا مالک اس کو حکم دیتا ہے۔ اسلام کی عظمت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ نہ صرف سودی کاروبار کو ممنوع قرار دیا بلکہ اگر کسی نے کسی کو سود پر رقم دے رکھی تھی اور مقروض کو قرض اتارنے میں دقت ہورہی تھی یا اس کے پاس وسائل نہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے قرض خواہ کو حکم دیا کہ وہ مقروض کو ادائیگی میں سہولت دے اور اس کو اتنی مہلت دے جس میں وہ آسانی سے اپنا قرض اتار سکے قرض خواہ اگر دیکھے کہ مقروض کسی بھی صورت میں قرض نہیں اتار سکتا تو اس کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ مقروض کے ذمہ قرض کو معاف کر دے۔ یعنی اپنے دینی بھائی کے ساتھ نیکی کرے۔ دنیاوی نفع کمانے کی بجائے اپنے رب سے اجر و ثواب پائے۔ صدقہ کر کے اپنے صدقہ کو کئی گنا زیادہ کرائے۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو تنگ دست مقروض کو مہلت دے گا، ہر روز اس کی دی ہوئی رقم کے برابر اس کو صدقہ کا اجر ملے گا۔''

راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے پھر ایک روز فرمایا کہ ''اس کو اس کی رقم سے دوگنا اجر ملے گا۔''

راوی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے سنا آپ نے پہلے فرمایا کہ اس کی رقم کے برابر صدقہ کا اجر ملے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دوگنا اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں مدت مقررہ کے آنے سے پہلے اس کی رقم کے برابر اور مدت کے گزر جانے کے بعد رقم سے دوگنا اجر ملے گا۔''

طبرانی میں اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّظِلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ فَلْيُيَسِّرْ عَلٰى مُعْسِرٍ وَلْيَضَعْ عَنْهُ۔»

''جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر سایہ کرے جس دن اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا تو اس کو چاہیے کہ تنگ دست پر آسانی کرے یا اپنا قرض معاف کر دے۔''

مسند ابی یعلیٰ میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: مَاذَا عَمِلْتَ لِيْ فِي الدُّنْيَا ؟ (تو نے دنیا میں میرے لیے کیا نیکی کی؟) وہ عرض کرے گا: اے میرے رب میں نے رائی کے دانے برابر بھی تیرے لیے کوئی نیکی کا کام نہ کیا۔ تین مرتبہ اس سے سوال

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہوگا اور تینوں مرتبہ وہ یہی جواب دینے کے بعد عرض کرے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے بہت سا مال دے رکھا تھا اور میں لوگوں سے تجارت کیا کرتا تھا اور میری عادت تھی کہ مال دار پر آسانی کرتا اور تنگ دست کو مہلت دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں آسانی کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔ جا جنت میں داخل ہو جا۔''

صحیح بخاری میں مروی ہے: ''ایک تاجر لوگوں سے لین دین کرتا تھا۔ جب کسی تنگ دست سے معاملہ ہوتا تو اپنے ملازموں سے کہتا: اس سے درگزر کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر کرتے ہوئے اس کو معاف کر دیا۔'' (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب من أنظر معسرًا، حديث: ۲۰۷۸)

سودی کاروبار کی مذمت اور انفاق فی سبیل اللہ کی برکت کی وضاحت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس دن سے ڈرایا ہے جس میں اس کی تمام مخلوق اس کے سامنے پیش کی جائے گی۔ جس میں نیکی کی جزا اور گناہ کی سزا دی جائے گی۔ جس میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جائے گا۔ دنیا میں ملنے والی طاقت اور مالی برتری ہیچ ہو جائے گا اور مظلوموں کو ظالموں سے پورا پورا حق ملے گا۔ اس دن کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (۳۰) ﴾ (آل عمران:۳۰)

''وہ دن یاد کرو جب ہر نفس اپنی کی ہوئی ہر نیکی اور برائی سامنے حاضر پائے گا۔ اس دن وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کی برائیوں اور اس کے درمیان بہت ہی زیادہ دوری ہوتی، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔''

مفسرین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قرآن حکیم کی سب سے آخری نازل ہونے والی آیت سورۃ البقرۃ کی ۲۸۱ نمبر آیت ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک یہی زیادہ صحیح اور مشہور و معروف ہے۔

اللہ تعالیٰ اس دن کی ذلت و رسوائی سے ہمیں محفوظ رکھے اور نجات پانے والوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔

حل لغات:

⊛ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ میں يٰٓاَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (موصول، صلہ) منادیٰ۔ اتَّقُوْا اور ذَرُوْا دونوں فعل امر حاضر جمع مذکر۔ لفظ اللّٰهَ، اتَّقُوْا کا مفعول۔ مَا موصولہ۔ بَقِيَ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ ان آیات میں جہاں جہاں اِنْ آیا ہے وہ شرطیہ ہے۔ كُنْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ یہ فعل ناقص ہے اور جو افعال ناقصہ ہوتے ہیں، ان کے ناقص ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ صرف فاعل کے ملنے پر جملے نہیں بنتے۔ بلکہ ان کے فاعل کی صفت بیان کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اپنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ مُؤْمِنِيْنَ یہاں كُنْتُمْ کی خبر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور سود میں سے جو باقی ادا ہونے والا ہے، وہ چھوڑ دو اگر تم اہل ایمان ہو۔''

❁ ﴿ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ ف حرف عطف برائے تعقیب، اِنْ شرطیہ۔ لَمْ نفی جحد تَفْعَلُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ اس کا نون اعرابی لَمْ کی وجہ سے گر گیا ہے۔ فَأْذَنُوْا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ حرب سے مراد لڑائی اور جنگ۔ جملے کے معنی ہیں: ''اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی بقیہ سود نہ چھوڑا اور سودی لین دین جاری رکھا) تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

❁ ﴿ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ ﴾ میں واؤ حرفِ عاطفہ۔ اِنْ حرف شرط۔ تُبْتُمْ باب نصر (ت و ب کے مادے) سے فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ ف جزائیہ۔ لام حرفِ جر۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ مرکب اضافی مبتدا مؤخر اور لَكُمْ (مرکب جاری) خبر مقدم ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ''اور اگر تم توبہ کر لو تو اصل زر تمہارا ہوگا۔''

❁ ﴿ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ میں لَا نافیہ، تَظْلِمُوْنَ اور تُظْلَمُوْنَ دونوں ہی فعل مضارع جمع مذکر حاضر ہیں لیکن پہلا معروف اور دوسرا مجہول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔''

❁ ﴿وَإِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ كَانَ تامہ ذُوْعُسْرَةٍ مرکب اضافی اس کا فاعل۔ اس سے مراد تنگ دست یعنی مالی تنگی والا، ف جزائیہ نَظِرَةٌ سے مراد مہلت، اِلٰی حرف جر۔ مَيْسَرَةٍ مصدر بمعنی اَلْيُسْرِ یعنی آسانی۔ جملے کے معنی ہیں: ''اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو قرض ادا کرنے میں آسانی کی صورت میں مہلت دی جائے۔''

❁ ﴿ وَأَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ میں اَنْ ناصبہ۔ تَصَدَّقُوْا باب تفعّل سے فعل مضارع معروف جمع مذکر حاضر۔ جملے کے معنی ہیں: ''اور اگر تم قرض معاف کر دو تو تمہارے لیے بہتر ہوگا، اگر تم جانو۔''

❁ ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ اتَّقُوْا فعل امر حاضر يَوْمًا اس کا مفعول۔ تُرْجَعُوْنَ فعل مضارع مجہول جمع مذکر حاضر۔ فِيْهِ مرکب جاری۔ اس کی ضمیر ہٖ یوما کی طرف راجع ہے اور اِلٰی حرف جر۔ لفظ اللہ مجرور۔ جملے کے معنی ہیں: ''اور اس دن سے ڈر جاؤ جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

❁ ﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ میں ثُمَّ عاطفہ اور اس کا خاصہ ہے کہ اپنے معطوف علیہ میں اشتراک و ترتیب چاہتا ہے۔ تُوَفّٰى باب تفعیل سے فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب۔ كُلُّ نَفْسٍ مرکب اضافی اس کا نائب فاعل۔ مَا موصولہ كَسَبَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ واؤ حالیہ۔ هُمْ ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جن کا قیامت کے روز حساب ہوگا۔ لَا نافیہ۔ يُظْلَمُوْنَ فعل مضارع مجہول۔ جملے کے معنی ہیں: ''پھر ہر نفس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا ہوگا، اس حال میں کہ ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَ لْيَكْتُبْ
بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ ۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَ لَا يَاْبَ
كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ
فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ؕ
فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ
ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ
فَلْيُمْلِلْ وَ لِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَ اسْتَشْهِدُوْا
شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ
مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَ لَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ
اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَ لَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ
صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ
اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ
اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا
تَبَايَعْتُمْ ۪ وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ ؕ
وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ ۢ بِكُمْ ؕ

''اے ایمان والو! آپس میں جب قرض کا کوئی معاملہ کسی مدت مقررہ تک کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارے درمیان طے پانے والے معاملہ کو عدل کے ساتھ لکھے اور کاتب کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اسی طرح لکھے جس طرح اللہ نے اس کو لکھنا سکھایا ہے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈر جائے اور اس میں سے کوئی کمی نہ کرے۔ جس شخص کے ذمہ حق ہو اگر وہ بیوقوف یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے ولی کو چاہیے کہ وہ عدل کے ساتھ لکھوا لے۔ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان میں سے گواہ بنا لو جن کو تم پسند کرتے ہو، تاکہ ان دونوں میں سے ایک اگر بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرائے۔ گواہوں کو چاہیے کہ وہ انکار نہ کریں جب ان کو گواہی کے لیے بلایا جائے۔ قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی مقررہ مدت تک لکھنے میں سستی نہ کرو۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی انصاف والی ہے۔ گواہی کے لیے زیادہ مضبوط اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔ ہاں اگر تجارتی مال حاضر ہو جس میں تم آپس میں (ہاتھوں ہاتھ) لین دین کرتے ہو، تب تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم اس کو نہ لکھو اور جب خرید و فروخت کرو تو اس پر گواہی قائم کر لو۔ اور لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿282﴾ وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿283﴾

اور اگر تم ایسا کرو گے تو بے شک وہ تمہاری کھلی نافرمانی ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمھیں تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا ہے اور اگر تم سفر کر رہے ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضہ میں لی جانے والی کوئی چیز رہن رکھ لو۔ پھر تمہارا بعض جب بعض سے امن میں ہو جائے تو جس کے پاس اس کی امانت ہو وہ اس کو ادا کردے اور وہ اپنے رب سے ڈر جائے اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائے گا بے شک وہ گناہ گار دل والا ہوگا اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔"

تشریح:

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۲ قرآن حکیم کی طویل ترین آیت ہے اور اس کو اٰیَۃُ الدَّیْنِ کہا جاتا ہے اس میں اور اس کے بعد والی آیت میں امت محمدیہ کو ادھار لین دین میں اختلاف اور جھگڑوں سے بچانے کے لیے انتہائی جامع ہدایات سے نوازا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب السلم کی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کو معلوم ہوا کہ اہل مدینہ پھلوں کا سودا دو دو تین تین سال پہلے ہی کر لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا: ایسے سودے میں ناپ تول، بھاؤ اور مدت کا تعین ہو جانا چاہیے تاکہ اس سودے میں ابہام کا کوئی پہلو نہ رہ جائے۔ آپ نے یہ حکم بھی فرمایا کہ کھجوروں کا سودا اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک وہ کھانے کے قابل نہ ہو جائیں اور ان کا وزن نہ ہو جائے۔ دھوکے اور جوئے والی ہر بیع جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ اس کی بھی ممانعت ہوگئی۔ جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنا یا مال کے عیب کو چھپانا مسلمان تاجروں کو اس سے بھی روک دیا گیا۔ (صحیح البخاری، کتاب السلم، باب السلم فی کیل معلوم، حدیث:۲۲۳۹)

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر اناج کے ایک ڈھیر کے پاس سے ہوا۔ آپ نے اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالا تو آپ کو اناج کے اندر پانی کی تری محسوس ہوئی۔ آپ نے اناج کے مالک سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ اس پر بارش ہوگئی تھی۔ آپ نے فرمایا: تو نے اس کو اناج کے ڈھیر کے اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ نمی والے اناج کو دیکھ لیتے۔ پھر آپ نے فرمایا:

((مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ)) (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبیؐ من غشنا فلیس منا، حدیث:۱۰۲)

"جس نے دھوکہ دیا وہ مجھ سے نہیں۔" یعنی میرے دینی طریقہ پر نہیں۔

ترمذی کی غریب حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ مَعَ الْاَمِیْنُ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ)) (جامع الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی التجار و تسمیة......حدیث:۱۲۰۹)

''قیامت کے روز سچا امین تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

اسلام کی اصل تعلیم یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے بھائی مسلمان پر کسی طرح کی زیادتی نہ کرے بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ممکن حد تک اپنے مسلمان بھائی کا مدد و معاون رہے اور مشکل وقت میں اس کے کام آئے۔ اگر کسی کو رقم کی ضرورت ہے اور وہ اپنے مسلمان صاحب ثروت بھائی کے پاس جاتا ہے اور صاحب ثروت اس کی ضرورت پوری کرتا ہے تو دونوں کا فرض ہے کہ جو لین دین ان دونوں کے درمیان ہوا، اس کو تحریر میں لے آئیں تا کہ آنے والے وقت میں دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ تحریر کی ضرورت اس لیے بھی ہوتی ہے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ قرض دینے والا یا قرض لینے والا ان میں سے کوئی ایک اگر فوت ہو جائے تو لواحقین پر فرض ہوگا کہ تحریر کے مطابق حق دار کا حق ادا ہو۔ اگر حق دار دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے ورثاء تک حق پہنچایا جائے۔ کاروباری لوگوں میں اکثر بغیر تحریر کے لین دین ہوتا ہے جب تک فریقین کے درمیان بد اعتمادی والا کوئی معاملہ نہیں ہوتا تو کوئی الجھاؤ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جیسے ہی مقروض کے حالات یا نیت میں خلل واقع ہوتا ہے ویسے ہی اعتماد والی بات ختم ہو جاتی ہے اور دوستی دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ جس لین دین کو تحریر میں نہ لایا جائے اور گواہی قائم نہ کی جائے اس کا انجام عموماً جھگڑا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو حکم دیا کہ ہر قسم کے لین دین کو لکھ لیا جائے اور یہ ذمہ داری اس کو سونپی گئی جس نے ادھار لیا ہو۔ تا کہ اس کی موت کی صورت میں اس کا بوجھ اتارا جا سکے گا۔ اگر نہ اتارا گیا تو اللہ کے ہاں اس کا معاملہ خراب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ مقروض کا جنازہ اس وقت تک نہ پڑھاتے جب تک اس کے قرض اتارنے کی کوئی ذمہ داری نہ لے لیتا۔

اگر کسی وجہ سے وہ مقروض لکھ نہیں سکتا تو اس کے ولی یا بزرگ کا فرض ہوگا کہ وہ خود لکھے یا لکھوائے۔ لکھنے والے کا بھی فرض ہے کہ وہ مسلمان بھائیوں کے درمیان ہونے والے لین دین کے بارے میں کسی قسم کی ہیرا پھیری نہ کرے۔ لکھائی کے ساتھ گواہی کو بھی لازم کر دیا گیا۔ تا کہ حق مسخ نہ ہو سکے۔ اگر دو مرد گواہ نہیں ملتے تو ایک مرد گواہ کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی کو قابل قبول بنا دیا گیا۔ دو عورتوں کو گواہ بنانے کی حکمت بھی بیان کر دی گئی کہ ان میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد کرا دے۔ عورتوں کی گواہی میں یہ ان کو ایک سہولت دی گئی ہے۔ اگر لین دین تجارت کی صورت میں ایسے ہو کہ جو کچھ خریدا یا بیچا گیا ہے۔ وہ حاضر تھا اور اس کے بارے میں کوئی ابہام نہ تھا۔ فروخت کرنے والے کو اس کی قیمت ادا کر دی گئی تو پھر لکھنے اور گواہ بنانے کی ضرورت نہ ہو گی۔ کوئی ایسا سودا ہو جس پر گواہی کی ضرورت ہو تو احتیاطاً گواہی قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ قرآن حکیم کی تعلیم کو نظر انداز کرنے والوں پر واضح کر دیا گیا کہ یہ کھلی نافرمانی ہو گی جس کا انجام ذلت و رسوائی ہو گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی کاملیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں لین دین کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یعنی لین دین کا معاملہ اگر کسی سفر کے دوران میں ہو رہا ہو اور لکھنے والا کوئی موجود نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا طریقہ بھی بتا دیا کہ رقم دینے والا اپنی رقم کے بدلے رقم لینے والے کی کوئی چیز رہن رکھ لے جس پر اس کا قبضہ ہو سکے۔ یعنی رہن کی شرط ہے کہ وہ مقبوضہ ہو۔ زبانی جمع خرچ سے بات نہیں بنے گی۔ پھر جب سفر ختم ہو جائے اور لین دین کے لیے جس سہولت کی ضرورت ہوتی ہے وہ میسر ہو جائے تو پھر رہن کے طور پر رکھی گئی چیز کو واپس کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کی قیمت اس رقم سے زیادہ ہی ہوگی جو رقم لینے والے نے لی ہوگی لہٰذا اس رقم کی ادائیگی کی لکھت پڑھت ہونے کے بعد رہن رکھنے کا جواز نہیں رہتا۔ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ گواہی کو چھپانا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ گناہ گار کے دل کا ذکر کرنے سے گناہ کی برائی اور گہرائی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کو اسی لیے ضابطہ حیات کہا جاتا ہے۔ اس میں انسانی زندگی کو خوشگوار بنانے اور لڑائی جھگڑے سے بچنے بچانے والے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اس سے مستفید ہونے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾ میں اِذَا شرطیہ تَدَايَنْتُمْ باب تفاعل سے فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ بِدَيْنٍ میں ب حرف جر۔ دَيْن سے مراد قرض۔ اَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد مدت مقررہ۔ فَاكْتُبُوْهُ میں ف جواب شرط۔ اُكْتُبُوْا فعل امر۔ ہٗ ضمیر دَيْن اور اَجَلٍ مُّسَمًّى کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: ''اے ایمان والو! جب تم آپس میں قرض کا کوئی معاملہ کسی مدت مقرر تک کرو، تو اس کو لکھ لیا کرو۔''
- ﴿ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ﴾ میں لِيَكْتُبْ امر غائب كَاتِبٌ اس کا فاعل۔ جملے کے معنی ہیں: اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارے درمیان ہونے والا معاملہ عدل سے لکھے۔''
- ﴿ وَ لَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ﴾ میں لَا يَاْبَ فعل نہی اَنْ مصدریہ ناصبہ۔ يَكْتُبَ فعل مضارع۔ عَلَّمَهٗ کی ضمیر ہٗ کاتب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور عَلَّمَ فعل ماضی کا فاعل لفظ اللہ ہے۔ فَلْيَكْتُبْ امر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: اور کاتب کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح لکھنا سکھایا ہے اسی طرح لکھ دے۔
- ﴿ وَ لْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ میں لِيُمْلِلْ اور لِيَتَّقِ دونوں امر غائب الَّذِيْ موصول۔ لَا يَبْخَسْ فعل نہی۔ جملے کے معنی ہیں: اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے رب اللہ سے ڈر جائے اور حق میں سے کچھ کمی نہ کرے۔
- ﴿ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَ لِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ﴾ میں اِنْ شرطیہ سَفِيْهًا سے مراد بے وقوف، نادان۔ ضَعِيْفًا سے مراد، کمزور۔ لَا نافیہ۔ يَسْتَطِيْعُ فعل مضارع۔ اَنْ ناصبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصدر یہ یُمِلَّ فعل مضارع۔ فَلْیُمْلِلْ امر غائب۔ وَلِیُّهٗ اس کا فاعل۔ جملے کے معنی ہیں: جس شخص کے ذمہ حق ہو، اگر وہ بیوقوف یا کمزور ہو یا لکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے ولی کو چاہئے کہ وہ عدل کے ساتھ لکھوائے۔

۞ ﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ میں اِسْتَشْهِدُوْا باب استفعال سے فعل امر۔ شَهِيْدَيْنِ سے مراد دو گواہ۔ جملے کے معنی ہیں: ''اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو''

۞ ﴿ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾ اِنْ شرطیہ۔ لَمْ نفی جحد۔ اسی وجہ سے فعل مضارع يَكُوْنَا کی نون گری ہوئی ہے۔ تَرْضَوْنَ بھی فعل مضارع۔ جملے کے معنی ہیں: اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو ان میں سے گواہ بنالو جن کو تم پسند کرتے ہو۔

۞ ﴿ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ﴾ میں اَنْ ناصبہ۔ تَضِلَّ اور تُذَكِّرَ دونوں فعل مضارع واحد مونث غائب۔ اِحْدٰىهُمَا ان کا فاعل اور الْاُخْرٰى مفعول۔ جملے کے معنی ہیں: یہ کہ دونوں (عورتوں) میں سے ایک اگر بھول جائے تو دوسری اس کو یاد کرائے۔

۞ ﴿ وَ لَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَ لَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ﴾ میں لَا يَاْبَ اور لَا تَسْئَمُوْا دونوں فعل نہی۔ اِذَا شرطیہ۔ دُعُوْا فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب۔ جملے کے معنی ہیں: گواہوں کو چاہیے کہ وہ انکار نہ کریں جب ان کو گواہی کے لیے بلایا جائے۔ قرض خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی مقررہ مدت تک لکھنے میں تم سستی نہ کرو۔

۞ ﴿ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ ﴾ میں اَقْسَطُ، اَقْوَمُ اور اَدْنٰى تینوں افعل تفضیل کے صیغے۔ اَلَّا تَرْتَابُوْٓا میں اَنْ ناصبہ۔ لَا نافیہ۔ تَرْتَابُوْا فعل مضارع۔ تِجَارَةً حَاضِرَةً مرکب توصیفی۔ تُدِيْرُوْنَهَا فعل مضارع کی ضمیر هَا تِجَارَةً حَاضِرَةً کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی انصاف والی ہے، گواہی کے لیے زیادہ مضبوط اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔ مگر یہ کہ وہ تجارتی مال حاضر ہو جس میں تم آپس میں (نقد) لین دین کررہے ہو۔

۞ ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ ﴾ میں لَيْسَ فعل ناقص اور اس پر فائے استیناف۔ اَشْهِدُوْا فعل امر۔ اِذَا شرطیہ۔ تَبَايَعْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ جملے کے معنی ہیں: ''پھر تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر تم اس کو نہ لکھو اور جب خرید و فروخت کرو تو اس پر گواہی قائم کرلو۔

۞ ﴿ وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ ؕ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ ﴾ میں لَا يُضَارَّ فعل نہی مجہول۔ كَاتِبٌ، شَهِيْدٌ اس کے نائب فاعل۔ فُسُوْقٌ سے مراد کھلی نافرمانی۔ جملے کے معنی ہیں: اور لکھنے والے کو اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور اگر تم ایسا کرو گے تو بے شک وہ تمہاری کھلی نافرمانی ہوگی۔

۞ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ میں يُعَلِّمُ فعل مضارع۔ كُمْ ضمیر اس کا مفعول۔ لفظ اَللّٰهُ اس کا فاعل، جملے کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمھیں تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ﴾ میں رِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ سے مراد قرض کے عوض قبضے میں لی گئی کوئی چیز ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور اگر تم سفر کر رہے ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضہ میں لی جانے والی کوئی چیز رہن رکھ لو۔

﴿ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾ میں اؤْتُمِنَ فعل ماضی مجہول۔ لِيُؤَدِّ اور لِيَتَّقِ دونوں فعل امر۔ لِيُؤَدِّ پر ف جواب شرط ہے۔ جملے کے معنی ہیں: پھر بعض تمہارا بعض سے اگر امن میں ہو جائے تو جس کے پاس اس کی امانت رکھی گئی ہو وہ اس کو ادا کر دے۔ اور وہ اپنے رب اللہ سے ڈر جائے۔

﴿ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ میں لَا تَكْتُمُوا فعل نہی۔ مَنْ شرطیہ۔ يَكْتُمْهَا فعل مضارع کی ضمیر هَا الشَّهَادَةَ کی طرف راجع ہے اٰثِمٌ اسم فاعل۔ جملے کے معنی ہیں: اور تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائے گا بے شک وہ گناہ گار دل والا ہو گا اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔"

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْتُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُلِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ (284)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (285)

لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا

"اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا۔ پھر وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب میں مبتلا کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ رسول اور سب مومن اس پر ایمان لائے جو اس (یعنی رسول) پر اُس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔ سب ہی اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں ہم تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا۔ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! ہم تیری ہی بخشش کے طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف ہمارا لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جو وہ نیکی کرے اس کی جزا اسی کے لیے ہوگی اور جو کوئی برائی کو اپنائے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿286﴾

جائے تو ہم پر مواخذہ نہ کرنا۔ اے ہمارے رب! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالنا جس طرح کا ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ اے ہمارے رب! نہ ہم پر ان اعمال کا ہی بوجھ ڈالنا جن کو بجالانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمارے گناہ بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مولیٰ ہے۔ پس کفار کی قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔"

تشریح:

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "جب اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ والی آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر بڑی بھاری ثابت ہوئی۔" (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان تجاوز الله تعالىٰ عن حديث النفس والخواطر......، حديث:١٢٦)

ترمذی اور مسلم کی دوسری روایت کے مطابق ان کے دلوں میں پریشان کرنے والی وہ بات داخل ہوئی جو پہلے نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو زانو ہو کر عرض کیا کہ ہمیں پہلے ایسے اعمال کا مکلّف بنایا گیا کہ جن کی ادائیگی کی ہم طاقت رکھتے تھے۔ جیسا کہ نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ۔ لیکن اب جو آپ پر آیت نازل ہوئی ہے۔ اس کے مطابق عمل کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم وہی کہنا چاہتے ہو جو تم سے پہلے اہل کتاب نے کہا: سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی۔ بلکہ تم کہو اے ہمارے رب! ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ ہم تیری ہی بخشش کے سوالی ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ جیسے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے حکم کے مطابق کہا۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ. اور ان کی زبانوں پر یہ کلمات جاری ہوئے۔ ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت نازل فرمادی۔ رسول اور اہل ایمان اس پر ایمان لے آئے۔ جو رسول کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا۔ وہ سب اللہ پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ رسولوں میں سے کسی ایک کے بارے میں فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! تیری ہی بخشش کے ہم طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ جب انہوں نے یہ کلمات ادا کیے۔ فَاَلْقَى اللّٰهُ الْاِيْمَانَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ تو اللہ تعالیٰ نے ان دلوں میں ایمان ڈال دیا۔ یعنی ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو دور کر دیا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آخری آیت بھی نازل فرمادی:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾

"یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلی اطمینان کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اعلان کر دیا کہ کسی بھی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بنایا جائے گا۔ جو بھی نیکی کا کام وہ کرے گا۔ اس کی جزا اس کو ملے گی اور جو بھی برا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام وہ کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس اعلان کو سنتے ہی دعا کی اے ہمارے رب! ہم سے کوئی بھول یا خطا ہو جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہ کرنا۔ پہلی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نعم کا لفظ اور دوسری کے مطابق قَدْ فَعَلْتُ فرمایا:۔ یعنی میں نے تمہارے دعا قبول فرمائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب عرض کیا۔ اے ہمارے رب! ہم سے پہلے لوگوں پر تو نے جو بوجھ ڈالا۔ ویسا ہم پر نہ ڈالنا، تو ان کو قبولیت کی بشارت ملی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب عرض کیا، نہ ہی ان اعمال کا بوجھ ہم پر ڈالنا کہ جن کی ادائیگی کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ تو رحیم وکریم نے پھر قبولیت کا اعلان فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مزید دعا کی۔ ہم سے درگزر فرمانا۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر دینا۔ ہم پر رحم فرمانا اور کفر کے مرتکب ہونے والی قوم کے خلاف ہماری مدد فرمانا۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان تجاوز اللہ تعالی، عن حدیث النفس، والخواطر...... حدیث:۱۲۵)

تفسیر قرطبی میں مروی ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب وہ سورۃ البقرہ کی قرأت ختم کرتے تو آمین کہا کرتے تھے۔ ابن عطیہ کا بیان ہے کہ اس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ عملی طور پر رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت بیان کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ)) (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن،باب فضائل سورۃ البقرۃ، حدیث:۵۰۰۹، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحۃ و خواتیم سورۃ البقرۃ، حدیث:۸۰۸)

''جس نے سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ ساری رات اس کو کفایت کریں گی۔'' (یعنی شیطان کے شر سے وہ محفوظ رہے گا۔)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے اس روایت کو فضل البقرہ. فضل خواتیم سورۃ البقرہ کے تحت نقل کیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آخری تین آیات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے۔ اس کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے اور اس سے کچھ بھی مخفی نہیں۔ سورۃ طٰہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى ﴾ (طٰہ:۷)

''بے شک وہ راز میں کی گئی بات اور بہت ہی زیادہ چھپائی گئی بات کو خوب جانتا ہے۔''

سورۃ آل عمران میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ملتا ہے:

﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (آل عمران:۲۹)

''آپ کہہ دیں! اگر تم وہ چھپاؤ کہ جو تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو۔ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کو بھی وہ جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

اسی قدیر نے بخشش کا معاملہ بھی اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔ جس کو چاہے بخشش سے نواز دے اور جس کو چاہے عذاب

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دے۔لیکن رب العالمین ہونے کے ناطے بخشنے میں اسے زیادہ مزا آتا ہے۔سورۃ الانعام میں اس نے فرمایا:

﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(الانعام:١٦٥)

''بے شک تمہارا رب جلدی عذاب دینے والا اور بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

سورۃ الانعام ہی کے الفاظ ہیں:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾(الانعام:٥٤)

''تمہارے رب نے اپنے نفس پر رحمت لکھ لی۔''

اس کی رحمت کا ہی نتیجہ تھا کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں محاسبہ کا خوف شدت اختیار کر گیا تو اس نے واضح کر دیا بلکہ قانون بنا دیا کہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بنایا جائے گا اور گرفت اسی پر ہوگی کہ جو انسان خود اپنے نفس پر ظلم کرے گا اور اس کی واضح ہدایت کو نظرانداز کرتے ہوئے شیطان کی پیروی کرے گا۔نیکی کی اس کو پوری جزا ملے گی اور بدی کی سزا کے بارے میں وہ اپنا اختیار استعمال کرے گا۔اس سے بڑھ کر رحمت کیا ہوسکتی ہے کہ اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اعلان کرا دیا۔

صحیح بخاری ومسلم میں حدیث قدسی ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور بدیاں لکھ لیں۔پھر ان کی وضاحت یوں فرمائی کہ جو کوئی کسی نیکی کے کام کا ارادہ کرے گا اور ارادے کے مطابق ابھی اس نے عمل نہیں کیا ہوگا تو اللہ اس کی ایک پوری نیکی لکھ لے گا۔اگر ارادے کے مطابق عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کی دس سے لے کر سات سو نیکیاں لکھ لے گا۔ان کو اور بھی کئی گنا بڑھا دے گا۔جو کسی بدکام کا ارادہ کرے گا لیکن اپنے ارادے کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو بھی اس کی ایک نیکی اللہ اپنے پاس لکھ لے گا اور جب برے کام کا ارادہ کرنے والا برائی کا مرتکب ہو جائے گا تو پھر اللہ اپنے پاس اس کا صرف ایک گناہ لکھے گا۔''(صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب من همّ بحسنة أو بسيّئة ، حديث:٦٤٩١، صحيح مسلم، كتاب الإيمان ، باب اذا هم العبد بحسنةكتبت......حديث:١٣١)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِيْ مَاحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَالَمْ يَتَكَلَّمُوْا وَيَعْمَلُوْا بِهٖ۔))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے امتیوں کے دلوں میں آنے والے وسوسوں سے اس وقت تک درگزر فرمایا کہ جب تک وہ ان کے مطابق زبان سے الفاظ ادا نہ کر دیں یا ان کے مطابق عمل نہ کریں۔'' یعنی دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر......حديث:١٢٧)

اس رحمت ہی کا یہ کمال تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان کو نہ صرف مضبوط کر دیا۔بلکہ گواہی کے طور پر اس کو قرآن حکیم کا حصہ بنا دیا اور امت محمدیہ کی راہنمائی کے لیے دعا مانگنے کا طریقہ اور سلیقہ بھی سمجھا دیا۔ایسے جامع الفاظ میں دعا کرنے کی تعلیم فرمائی کہ دنیا اور آخرت کی ساری بھلائی اس میں شامل ہوگئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جبرئیل امین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک دھماکہ کی آواز آسمان سے آئی۔ جبرئیل نے آسمان کی طرف دیکھ کر عرض کیا کہ آسمان کا وہ دروازہ آج کھلا ہے جو پہلے کبھی نہیں کھلا اور زمین پر وہ فرشتہ آیا ہے جو پہلے کبھی نہیں آیا۔ اس فرشتے نے آتے ہی آپ کو سلام کیا اور عرض کیا۔ آپ کو ان دونوروں کی بشارت ہو کہ جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ وہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات ہیں جب آپ ان کو پڑھیں گے تو ان کے ایک ایک حرف کے بدلے آپ کو نور دیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحه، و خواتیم سورۃ البقرۃ، و الحث علی...... حدیث:۸۰۶)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی ان نوروں سے اپنے دلوں کو منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات:

❁ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ میں دونوں جگہ ''مَا'' موصولہ ہے اور جملے کے معنی ہیں: اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔

❁ ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْتُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ تُبْدُوْا اور تُخْفُوْا دونوں فعل مضارع جمع مذکر حاضر اور دونوں کی نون اِنْ شرطیہ کی وجہ سے گری ہوئی۔ تُخْفُوْهُ کی ضمیر هُ مَا موصولہ کی طرف راجع ہے۔ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ جواب شرط ہے۔ لفظ اللّٰهُ يُحَاسِبُ کا فاعل اور كُمْ ضمیر اس کا مفعول ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا۔

❁ ﴿فَيَغْفِرُلِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ میں فَا حرف عطف۔ يَغْفِرُو يُعَذِّبُ اور يَشَآءُ فعل مضارع واحد مذکر غائب کے صیغے۔ لِمَنْ میں لام حرف جر۔ مَنْ موصولہ۔ جملے کے معنی ہیں: اور جس کو چاہے وہ بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اس جملے کا عطف جواب شرط والے جملہ پر ہے۔

❁ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

❁ ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ میں اٰمَنَ فعل ماضی۔ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اس کے فاعل۔ بِا حرف جر مَا موصولہ۔ اُنْزِلَ فعل ماضی مجہول۔ اِلٰى حرف جر۔ هُ ضمیر الرَّسُوْلُ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مَنْ حرف جر۔ رَبِّهٖ کی هٖ ضمیر بھی الرَّسُوْلُ ہی کی طرف راجع ہے۔ جملے کے معنی ہیں: رسول اور اہل ایمان۔ اس پر ایمان لے آئے کہ جو اس یعنی رسول کی طرف اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔

❁ ﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾ میں كُلٌّ سے مراد سب یعنی رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی۔ مَلٰٓئِكَةِ. مَلَکَ کی۔ كُتُبَ. كِتَابَ کی اور رُسُلَ رَسُوْلَ کی جمع ہے اور اِنْ کی ضمیریں ہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: وہ سب اللہ۔ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

❁ ﴿لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ میں نُفَرِّقُ فعل مضارع اور جملے کے معنی ہیں اور اس کے رسولوں میں سے ہم کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک کے بارے میں فرق نہیں کرتے۔

❁ ﴿وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ.﴾ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا دونوں فعل ماضی جمع متکلم غُفْرَانَکَ میں غُفْرَانَ مصدر اور اس پر عمل کرنے والا فعل اس میں مقدر ہے۔ یعنی نَطْلُبُ یا نَسْئَلُ. رَبَّنَامَنَادٰی. کا حرف ندا محذوف ہے۔ اَلْمَصِیْرُ صَارَ یَصِیْرُ سے مصدر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! ہم تیری ہی بخشش کے طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

❁ ﴿لَایُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ﴾ میں لَا نافیہ۔ یُکَلِّفُ فعل مضارع۔ لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل۔ نَفْسًا اس کا مفعول اِلَّا حرف استثناء وُسْعَهَا مستثنیٰ کی ضمیر هَا۔ اسی طرح لَهَا وَعَلَیْهَا کی ضمیریں بھی نَفْسًا کی طرف راجع ہیں۔ کَسَبَتْ اور اِکْتَسَبَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ مَا موصولہ۔ جملے کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ جو نیکی کرے اس کا اجر اس کے لیے ہوگا اور جو برائی کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔

❁ ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ لَا تُؤَاخِذْ فعل نہی۔ نَا ضمیر منصوب متصل۔ اِنْ شرطیہ۔ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا دونوں فعل ماضی جمع متکلم۔ جملے کے معنی ہیں: اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کے مرتکب ہوں تو ہم پر گرفت نہ کرنا۔"

❁ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ میں لَاتَحْمِلْ فعل نہی۔ اِصْرًا سے مراد عہد و پیمان۔ بوجھ اور گناہ ہے۔ کَمَا میں کاف تشبیہ کا۔ حَمَلْتَهٗ کی ضمیر ہ اِصْرًا کی طرف راجع ہے اور حَمَلْتَ فعل ماضی واحد مذکر حاضر ہے۔ اَلَّذِیْنَ موصولہ۔ مِنْ قَبْلِنَا سے مراد یہود و نصاریٰ۔ جملے کے معنی ہیں: اے ہمارے رب! ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو کہ ہم سے پہلے تھے۔

❁ ﴿وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ میں لَا تُحَمِّلْنَا فعل نہی۔ مَا موصولہ۔ لَا نافیہ۔ جملے کے معنی ہیں: اور نہ ہی ان اعمال کا بوجھ ہم پر ڈالنا کہ جن کو بجا لانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔

❁ ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَآ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ.﴾ میں اُعْفُ. اِغْفِرْ. اِرْحَمْ اور اُنْصُرْ امر واحد کے صیغے ہیں۔ جملے کے معنی ہیں: اور ہم سے درگزر فرما اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے۔ پس کافروں کی قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔ (آمین)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضل القرآن

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ